باب ۱۰

میں دو دن کے بعد نیویارک اس وقت لوٹ سکی جب بالٹی مور پولیس کے مجسٹریٹ نے اس سخت تنبیہ سے رہا کیا کہ میں یہاں کبھی نہ آؤں گی۔ ساشا کا خط میرا منتظر تھا۔ تحریر باریک مگر تیز خط میں تھی اور دوشنبے کے دن عدالتی کارروائی کی تفصیلات تھیں۔ اس نے بارہا یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مقدمہ شروع ہونے کی تاریخ پتہ چل جائے، خط یہی بتاتا تھا مگر وہ اس سلسلے میں کوئی بھی اطلاع نہ حاصل کر سکا۔ ۱۹ ویں ستمبر کی صبح میں اسے اچانک تیار ہونے کو کہا گیا۔ اس کو اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ وہ اپنی تقریر کے لیے تیار یادداشتوں کے شذرے اٹھا سکتا۔ اجنبی اور طیش دلانے والے چہروں سے کمرہ عدالت میں آمنا سامنا ہوا۔ وہ دوستوں کی ایک جھلک پانے کے لیے بے سود نظریں دوڑاتا رہا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ انہیں بھی مقدمے کے دن سے بے خبر رکھا گیا ہوگا۔ لیکن پھر بھی وہ امید کے خلاف آس لگائے رہا کہ کوئی معجزہ ہو جائے۔ لیکن وہاں کوئی ہمدرد چہرہ نہ تھا۔ اس پر لگائی جانے والی فرد جرم میں چھ نکات تھے جو ایک قانون کے تحت تھیں۔ ان میں سے ایک میں یہ الزام تھا کہ اس نے جون۔ جی۔ اے۔ لیش مین جو فرک کا مددگار تھا اس کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ ساشا نے فی الفور اعلان کر دیا کہ وہ کسی لیش مین کو نہیں جانتا۔ میں تو فرک کو قتل کرنے گیا تھا۔ اس نے مطالبہ کیا کہ اس پر صرف اس الزام پر مقدمہ چلایا جائے اور باقی سب الزامات ختم کر دیے جائیں کیونکہ یہ تمام سب سے بڑے الزام میں شامل ہیں۔ مگر اس کے اعتراض کو مسترد کر دیا گیا۔

جیوری کے ارکان کو چند منٹ کے اندر منتخب کر لیا گیا۔ ساشا نے اپنے اختلاف کرنے کا حق استعمال نہ کیا۔ اس سے کیا فرق پڑتا؟ وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ ہر صورت میں اسے سزا دی جاتی۔ اس نے عدالت کو بتا دیا کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے وکالت کے خلاف ہے۔ وہ تو محض کارروائی کے اسباب پر روشنی ڈالنا چاہتا ہے۔ جو مترجم اسے دیا گیا وہ اٹک اٹک کر ترجمہ کرتا اور وہ بھی غلط اور کئی مرتبہ اس کی اصلاح کرنے کے بعد ساشا دہشت زدہ رہ گیا جب اسے معلوم ہوا کہ موصوف نابینا تھے۔ اتنے ہی اندھے جتنا امریکی عدالتوں کا انصاف۔ تب اس نے جیوری کو انگریزی میں خطاب کرنے کو کہا مگر جج مک کلنگ نے بہ عجلت اسے روک دیا۔ اس نے یہ اعلان کیا کہ ''قیدی پہلے ہی کافی کچھ کہہ چکا ہے'' ساشا نے احتجاج کیا لیکن بے سود۔ وکیل استغاثہ جیوری والوں کی نشستوں میں جا کر ارکان سے سرگوشی کرنے لگا جس کے بعد انہوں نے اس کے مجرم ہونے کا فیصلہ بیٹھے بیٹھے ہی دے دیا۔ جج روکھا اور اعلانیہ مجرم ٹھہرانے والا تھا۔ اس نے ہر الزام کی جدا جدا سزا سنائی جن میں تین الزامات یہ تھے ''ایک عمارت میں مجرمانہ نیت سے داخلہ''۔ زیر حراست شخص کو ہر الزام پر زیادہ سے زیادہ سزا دی۔ کلہم اجمعین جو اکیس برس ہوئے جنہیں پنسلوانیا کی مغربی اصلاحی جیل میں گزارنے ہوں گے۔ اس مدت کی قید گزارنے کے بعد مزید ایک سال الیگھنی کاؤنٹی ورک ہاؤس میں قید کاٹنی ہوگی ''چھپا کر اسلحہ لانے کے الزام میں۔''

بائیس سال کی دھیمی رفتار والی اذیت اور موت! اس نے تو اپنا فرض پورا کر دیا۔ ساشا کا خط ختم ہو گیا۔ اور اب اختتام کی تکمیل ہو گئی۔ وہ اس دنیا سے اپنی مرضی اور ہاتھوں سے رخصت ہوگا۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اسے چھڑانے کی کوئی کوشش نہ کی جائے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور دشمن سے رحم کی درخواست کے خیال میں میری رضامندی شامل نہیں ہے۔ میری مزید مدد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو ہم بھی چلانی ہو وہ اس کی کارروائی سے متعلق ہو اور میں اس پر نظر رکھوں۔ اسے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ میرے علاوہ کوئی بھی اس کے محرکات کو اچھی طرح نہیں سمجھتا تھا۔ کوئی اور اس کی کارگزاری کا مفہوم اس وثوق سے نہیں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سمجھا سکتا تھا۔اب اس کی واحد اور آخری تمنا کا نقطہ میں رہ گئی تھی۔کہ وہ آخری مرتبہ میری آنکھوں میں جھانک سکے،ایک مرتبہ اور مجھے بھینچ لے اور کلیجے سے لگا لے۔۔لیکن چونکہ اس کی ممانعت تھی،اس لیے میں اس کے دل میں بسی رہوں گی ایک دوست اور کامریڈ کے علاوہ مجھ سے یہ سب کچھ دنیا کو کوئی طاقت نہیں چھین سکتی۔

مجھے یوں لگا جیسے ساشا کی روح نے مجھے ارضی مکروہات سے بالاتر کر دیا ہو۔ایک روشن ستارے کی طرح اس نے میرے تاریک خیالات میں روشنی بھر دی ہو اور یہ احساس جاگزیں کر دیا ہو کہ ہمارے درمیان میں کوئی ایسی عظیم شے پائی جاتی ہے جو ذاتی بندھنوں بلکہ جذبہ محبت سے ارفع ہے۔اس جذبے میں جب آدمی ڈوب جاتا ہے تو وہ سب کچھ سمجھ جاتا ہے اور آخری سانس تک ہر شے دے سکتا ہے۔

ساشا کو سنائی جانے والی اندوہناک سزا نے موسٹ کو اکسایا کہ وہ پنسلوانیا کی عدالت اور عدالتی مجرموں پر ایک زہریلا حملہ کرے۔جو ایک کارروائی پر کسی کو بائیس سال کی سزا دیتے ہیں جب کہ قانون میں اس کی سزا محض سات سال درج ہے۔فرای ہایٹ میں اس کے اس مقالے نے میرے دل میں اس کی نفرت کو اور بھڑکا دیا۔اس نے اگر ساشا کے کارنامے کے اثر کو کم کرنے کی کوشش نہ کی ہوتی؟ تو مجھے یقین ہے کہ دشمن کی یہ جرات نہ ہوتی کہ وہ ساشا کو یوں اڑا لے جاتے اگر اس کے حق میں ریڈیکل متحد ہو کر احتجاج کرتے۔میں موسٹ کو ریاست پینسلوانیا کی عدالت سے بڑھ کر اس انسانیت سوز سزا کے لیے مجرم گردانتی ہوں۔

ساشا کسی مفہوم میں بغیر دوستوں کے نہ تھا۔انہوں نے اپنی وفاداری ابتدا ہی سے ثابت کی۔اب دو گروہوں نے اس بات کا بیڑا اٹھایا کہ وہ اس کی سزا میں تخفیف کرانے کی مہم چلایں گے۔ایسٹ سائڈ گروہ کئی سماجی تنظیموں پر مشتمل تھا جن میں مزدور پیشہ اور ممتاز یہودی سوشلسٹ تھے۔ان ہی میں ایک ایم ضا مٹکن بھی تھے ایک پرانے روسی انقلابی،دوسرے لوئیس ملر جو ایک مستعد اورُ گےٹوُ(غریب یہودیوں کی اچھوتوں جیسی بستیاں) میں بااثر شخصیت تھی۔ایک ازہاک ہاوروچ تھے جو سائبیریا سے جلاوطنی کے بعد امریکہ میں مقابلتاً نووارد تھے۔موصوف ساشا کے معاملے میں سرگرم ترجمان تھے۔ایک صاحب شیوچ تھے جو شروع ہی سے جرمن روزنامے فاکس زاے تنگ میں ساشا کی وکالت کر رہے تھے جس کے یہ مدیر اعلیٰ تھے۔ہمارے پرانے دوست سولوٹاروف،اپنی نٹر جوہان مائیکل کوہن اور کئی دیگر ایسٹ سائڈ گروپ کی طرف سے بہت سرگرم تھے۔

امریکن گروپ کے روح رواں ڈاہر۔ڈی۔لم تھے جو غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔اقتصادیات اور فلسفے کے مضامین کے نثر نگار اور شاعر۔ان کے شریک کار جان ایڈملین تھے۔ان میں فن تعمیر اور نشر و اشاعت کی بہت صلاحیتیں تھیں۔پھر ولیم۔سی اوون جو انگریز تھے اور ادبی صلاحیتیں رکھتے تھے۔جسٹس شواب تھے ایک معروف جرمن انارکسٹ۔

یہ نہایت ہمت افزائی کی بات تھی کہ ساشا کے آدرش کے لیے ایسا شاندار اتحاد عالم وجود میں آگیا۔میں اسے ان مساعی سے آگاہ رکھتی جس میں مبالغے کا رنگ بھر دیتی تا کہ وہ بشاش رہے۔مگر سب کچھ بے سود رہا۔وہ بائیس برس قید کی چنگل میں تھا۔ ''یہ سب کچھ دنیاداری ہے جو لوگ میرے لیے کر رہے ہیں۔''اس نے لکھا ''سزا کی تخفیف میں کئی برس لگ جائیں گے۔'''' مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ فرک اور کارنیگی اس پر کبھی صاد نہ کریں گے۔ان کی منظوری کے بغیر پنسیلوانیا کا معافی کا بورڈ کوئی کارروائی نہیں کرسکتا۔اس کے علاوہ میں اس زندہ مقبرے میں تادیر نہیں رہ سکتا۔'' یہ خطوط ہمت شکن تھے مگر میں ہار نہ مانتی۔مجھے اس کے ناقابل شکست عزم کا اندازہ تھا اور اس کے آہنی کردار کا بھی۔میں امید کا دامن اس وقت تک کس کر تھامے رہی جب تک اس کے اندر زندگی کی جوت نہ جاگ گئی۔اور اسے اس کا موقع نہ دوں گی کہ وہ خود کو پاش پاش کر دے۔اسی امید نے مجھے پیش قدمی جاری رکھنے کی ہمت دی۔میں بھی اس نئی تنظیم میں شامل ہو گئی جو اس کے لیے بنی تھی۔یکے بعد دیگرے ہر رات میں کسی نہ کسی میٹنگ میں ساشا کے اقدام کے معنی اور پیغام کے لیے آواز اٹھاتی رہی۔

نومبر کے آغاز میں ساشا نے زندگی میں دلچسپی کی پہلی انگڑائی لی۔اس نے اطلاع دی کہ اسے شائید ایک ملاقات کی عیاشی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کی اجازت مل جائے۔ سارے قیدیوں کو ہر ماہ ایک ملاقات کی اجازت ہوتی ہے۔ لیکن قریبی عزیزوں میں سے ایک۔ ''کیا میں اس کی بہن کو ملنے کے لیے روس سے بلا سکتی ہوں؟'' میں سمجھ گئی اس سے اس کی کیا مراد ہے اور فوراً لکھا کہ وہ پاس حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

مجھے شکاگو اور سینٹ لوئیس کے انارکسٹ گروپوں نے لیکچر دینے کی دعوت دی تھی تاکہ ۱۱ نومبر کو پڑنے والی برسی پر بولوں۔ اور میں نے اس دورے میں ساشا سے ملاقات کو بھی نتھی کرلیا۔ میں ساشا کی شادی شدہ بہن بن کر جاؤں گی اور میرا نام نیڈرمین ہوگا۔ مجھے اطمینان تھا کہ جیل کے حکام کو ساشا کی روس والی بہن کے متعلق کچھ نہ معلوم ہوگا۔ میں جعلی شخصیت بن کر اس کی جگہ جاؤں گی اور وہ میری شناخت پر کوئی شک نہ کریں گے۔ اس زمانے میں لوگ مجھے بہ مشکل جانتے تھے۔ ساشا کی کارروائی کے سلسلے میں میری جو تصویریں اخبارات میں چھپی تھیں وہ مجھ سے اتنی مختلف تھیں کہ ان سے کوئی مجھے نہیں پہچان سکتا تھا۔ اپنے محبوب سے پھر ملنا ہے، اسے چھاتی سے لگانا ہے، اسے امید اور ہمت بندھانی ہے۔ اس کے علاوہ میرے دل میں کوئی اور خیال نہ آیا جو دن اس دورے سے پہلے گزرے۔

مجھ پر تیاری کا جنون سوار تھا۔ میرا پہلا قیام سینٹ لوئیس میں تھا پھر شکاگو آخر میں پیٹس برگ۔ میری روانگی سے چند دن پہلے ساشا کا ایک خط آیا۔ اس میں مغربی اصلاحی جیل کے چیف انسپکٹر کا جاری کردہ پاس بھی تھا جو مسز ای۔ نڈرمین کے نام پر تھا جو قیدی ۷۔ اے کی بہن ہے۔ یہ ملاقات ۲۶ نومبر کو ہوگی۔ ساشا نے مجھے لکھا تھا کہ اس کی بہن کو ہدایت کردوں کہ اسے پٹس برگ میں دو دن قیام کرنا ہوگا۔ اس کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما تھا کہ وہ روس سے ایک طویل سفر کر کے اس سے ملنے آرہی تھی۔ انسپکٹر نے دوسرے دن بھی ملاقات کا وعدہ کیا تھا۔ میں مارے خوشی کے دیوانی ہوئی جارہی تھی۔ ہر گھنٹہ میری بے صبری بڑھا رہا تھا جو ہماری جدائی کا سبب بن رہا تھا۔ ملاقات کا پاس میرے لیے ایک تعویذ بن گیا۔ میں اس سے ایک منٹ کے لیے بھی جدا نہ ہوں گی۔

میں یوم تشکر کے روز علی الصبح پیٹس برگ پہنچی۔ کارل نولڈ اور میکس میٹز کو مجھے لینے آئے تھے۔ آخری الذکر ایک جرمن کامریڈ تھا جس نے بڑی وفاداری سے ساشا کا ساتھ دیا۔ نولڈ اور باور رہا ہو کر مقدمے کے شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ ''الزام محرک کی جان لینے کی کوشش میں ساز باز کا تھا۔'' میں کچھ عرصے سے کارل سے خط و کتابت کر رہی تھی اس لیے اس نوجوان سے ملاقات کا موقع نکل آنے پر میں خوش تھی جو ساشا پر اتنا مہربان تھا۔ وہ اکہرے بدن اور سینک سلائی جسامت، ذہین آنکھوں اور الجھے ہوئے کالے بالوں والا آدمی تھا۔ میں ایک دوسرے سے قدیم دوستوں والی گرم جوشی سے ملی۔

سہ پہر کے وقت میں الگھینی چلی گئی ساتھ میں میٹز کو تھا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ نولڈ ہم سے واسطہ نہ رکھے جاسوس اس کا اکثر تعاقب کرتے اور ہمیں اس کا دھڑکا لگا رہتا کہ اس سے پہلے کہ مجھے جیل میں داخل ہونے کا موقع ملے کہیں میں شناخت نہ کرلی جاؤں۔ اصلاحی جیل کے قریب ہی میٹز کو ٹھہر گیا اور میری واپسی کا منتظر رہا۔

پتھر کی خاکستری رنگ کی عمارت، اونچی ہمت شکن دیواریں، مسلح محافظین، اس ہال میں مستبد سناٹا جہاں مجھ سے انتظار کرنے کو کہا گیا، گزرتے منٹ بے کراں وقت میں بدل کر میرے دل پر اس طرح گزر رہے تھے جیسے ڈراؤنا خواب۔ میں نے جھرجھری لے کر اس سے جان چھڑانے کی ناکام کوشش کی۔ اس کے بعد ایک بعد ایک ترش لہجے نے صدا دی ''اس جانب، مسز نیڈرمین'' میں لوہے کے کئی دروازوں اور مڑتی راہداریوں میں سے گزرتی ہوئی ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچی۔ ساشا وہاں موجود تھا، ساتھ ہی ایک طویل قامت محافظ۔

میرا جی تو یہ چاہا کہ بھاگ کر اس سے لپٹ جاؤں اور بوسوں کی بارش کردوں لیکن محافظ کی موجودگی آڑے آگئی۔ ساشا میری طرف بڑھا اور میرے گرد اپنے ہاتھ حمائل کرلیے۔ جب وہ مجھے چومنے کو جھکا تو یوں لگا جیسے کوئی چھوٹی سی شے میرے منہ میں آگئی ہو۔

میں ہفتوں سے بڑی بے تابی اور بے چینی سے اس ملاقات کی آس لگائے بیٹھی تھی۔ میرے ذہن میں ہزاروں مرتبہ یہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

خیال آیا کہ اس سے میں اپنی محبت اور اس پر فدا ہونے کا ذکر کروں گی۔ اس کشمکش کو بیان کروں گی جو میں اس کی رہائی کے لیے کر رہی ہوں۔ مگر میں صرف اس کے ہاتھ کو دبا سکی اور اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی۔

ہم اپنی محبوب زبان روسی میں بات چیت کرنے لگے لیکن محافظ کے بر فیلے حکم کی وجہ سے اسے روکنا پڑا۔ ''انگلش بولو، کوئی غیر ملکی زبان یہاں نہیں چلے گی۔'' اس کی تیز نظریں ہماری تمام حرکات وسکنات پر رہیں۔ وہ ہمارے ہونٹوں کی حرکت پر اور وہ ہمارے ذہنوں میں بھی گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری تو گویائی سلب ہو گئی اور تمام اعصاب شل ہو گئے۔ ساشا بھی جیسے گونگا ہو گیا ہو۔ اس کی انگلیاں میری گھڑی کی زنجیر سے کھیلے جاتیں اور وہ اسے اس طرح تھامے تھا جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی ایک حرف نہ نکال سکے۔ لیکن ہماری نگاہیں ایک دوسرے سے کہہ رہی تھیں، ہمارے اندیشے، ہماری امیدیں اور ہماری تمنائیں۔

ملاقات بیس منٹ چلی۔ ایک اور بغل گیری، ایک مرتبہ پھر ہونٹوں کا پیوست ہونا اور ہمارا ''وقت ختم ہو گیا'' میں نے سرگوشی کی کہ بھینچے رہو، چلنے دو اور پھر میں نے خود کو جیل کی سیڑھیوں پر پایا۔ جیل کا آہنی پھاٹک میری پشت پر چرچرا رہا تھا۔

میں چیخ مار کر رونا چاہتی تھی اور اپنا وزن دروازے پر ڈال کر اپنی مٹھیوں سے دھم دھم کرنا چاہتی تھی۔ لیکن پھاٹک کھڑا میرا منہ چڑا رہا تھا۔ میں جیل کی دیوار سے لگ کر چلتی کوچے تک آئی۔ میں چلتی رہی اور سسکیاں لیے جاتی یہاں تک کہ وہ مقام آ گیا جہاں میٹز کو نے مجھے چھوڑا تھا۔ اس کا وجود مجھے حقیقت کی دنیا میں لے آیا جس سے مجھے یہ بھی یاد آیا کہ ساشا نے بوسہ لیتے ہوئے کوئی چیز دی تھی۔ میں نے اسے اپنے منہ کے باہر نکالا، یہ ایک ننھی سی بتی تھی جو کس کر لپیٹی گئی تھی۔ ہم ایک میخانے کے اندرونی کمرے میں جا کر بیٹھ گئے اور پھر کاغذ کی کئی تہوں کو پھیلانا شروع کیا۔ آخر میں ساشا کی روشن تحریر میں ایک رقعہ برآمد ہوا۔ اس کا ہر لفظ میری نگاہوں میں موتیوں کی طرح چمک رہا تھا۔ ''انسپکٹر ریڈ سے جا کر ملو'' تحریر یہ تھی۔ اس نے مجھ سے دوسرے پاس کا وعدہ کیا ہے، اس کی زیورات کی دکان پر کل جاؤ۔ میرا تم پر دارومدار ہے۔ میں تمہیں ایک اور اہم پیغام دوں گا۔۔ اسی دن۔

میں اگلے دن ریڈ کے اسٹور پر پہنچ گئی۔ میرے ملے دلے کپڑے اور مسکا ہوا کوٹ نظر کو خیرہ کرنے والے چاندی اور سونے کے زیورات کے بیچ۔ میں نے ریڈ سے ملاقات کے لیے کہا۔ وہ ایک دبلا پتلا لاغر بدن اور پتلے پتلے ہونٹوں والی شخصیت تھی مگر نظریں سخت اور پیوست ہونے والی۔ جیسے ہی میں نے اپنا نام بتایا اس نے استعجاب سے کہا ''گویا یہ برکمین کی بہن ہے'' ہاں، اس نے اس سے ایک اور ملاقات کرانے کا وعدہ کیا ہے حالانکہ وہ کسی رعایت کا مستحق نہیں ہے۔ برکمین ایک قاتل ہے۔ اس نے ایک اچھے عیسائی کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے خاموش رہنے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کر ڈالی۔ ساشا سے ملاقات کا ایک اور موقع داؤ پر لگا ہوا تھا۔ وہ جیل والوں سے ملے گا، ریڈ بولے جا رہا تھا، یہ پوچھنے کے لیے کہ مجھے کس وقت داخل ہونے دیا جائے۔ مجھے ایک گھنٹے میں لوٹنا ہو گا۔

میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ میری آنکھ پھڑک رہی تھی کہ میری ساشا سے اب ملاقات نہ ہو سکے گی۔ مگر میں ہدایت کے مطابق لوٹی۔ مسٹر ریڈ کی نگاہ جیسے ہی مجھ پر پڑی۔ اس کا چہرہ اودے رنگ کا ہو گیا اور اس نے تقریباً مجھ پر جست لگائی۔ ''تم دھوکے باز!'' تم پہلے ہی اصلاحی جیل خانے ہو آئی ہو۔ تم ایک فرضی نام سے اس کی بہن بن کر ہو آئی ہو۔ تم ایسی جعل سازی کر کے یہاں نہیں بچ سکتیں۔ تمہیں ایک محافظ نے پہچان لیا تھا! تم ایما گولڈ مان ہو ایک جرائم پیشہ کی آپا جان'' اب مزید پھیرے نہیں ہو سکتے۔ تم اپنی خاطر جمع رکھو۔۔ برکمین کا زندہ باہر آنا ممکن نہیں!

وہ کانچ کے بنے ہوئے کاونٹر کے پیچھے چلا گیا جو چاندی کے برتنوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اپنی خفگی اور برہمی میں، میں نے تمام اشیاء کو یکجا کر کے فرش پر رکھے ہوئے برتن میں ڈال دیا مثلاً کافی کے برتن، زیورات اور گھڑیاں۔ میں نے ایک بھاری سی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کشتی اٹھالی اور اسے کھینچ کر مارنے والی تھی کہ اس کے کلرکوں میں سے کسی نے مجھے پیچھے کی طرف کھینچا۔ وہ یہ بھی چلایا کہ کوئی دوڑے اور پولیس کو بلالے۔ ریڈ جو اس وقت خوف سے سفید پڑ چکا تھا اور منہ سے جھاگ بھی نکل رہا تھا' نے اشارے سے کلرک کو کہا ''پولیس مت بلاؤ'' یہ میں نے بھی سن لیا۔ ''کوئی رسوائی نہ ہو، صرف اسے دھکے دے کر باہر کردو'' کلرک میری جانب بڑھا پھر ٹھہر گیا اور بولا ''قاتلہ، بزدل!'' میں چنگھاڑی اگر تم نے برمکین کو گزند پہنچائی تو میں تمہیں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گی!

کسی نے حرکت نہ کی۔ میں باہر نکلی اور ٹرام میں سوار ہوگئی۔ مسٹر کو کے گھر کی طرف آنے سے پہلے میں نے اس بات کا اطمینان کرلیا کہ میرا تعاقب تو نہیں ہو رہا۔ شام میں جب وہ نولڈ کے ساتھ کام پر سے لوٹا تو میں نے دن بھر کی روداد سنادی۔ وہ ہول گئے۔ انہیں اس کا افسوس ہوا کہ میں خود پر قابو نہ پاسکی جس کا ساشا پر اثر پڑ سکتا ہے۔ وہ اس بات پر بھی متفق تھے کہ مجھے جتنی جلد ہو سکے پیٹس برگ چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انسپکٹر میرے پیچھے جاسوس لگادے اور گرفتار کروادے۔ پنسیلوینا کے صاحب اختیار لوگ ساشا کی کارروائی کے بعد سے مجھے گھیرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

میں تو اس بات سے ہل کر رہ گئی کہ میرے اظہار برہمی کے نتیجے میں ساشا کو تکالیف اٹھانا پڑ سکتی ہیں۔ لیکن انسپکٹر کی یہ دھمکی کہ ساشا اب جیل سے کبھی زندہ نہ نکلنے پائے گا میری برداشت سے باہر تھا۔ مجھے بھروسا ہے کہ ساشا بات کو سمجھ لے گا۔

رات تاریک تھی جب میں نولڈ کے ہمراہ اسٹیشن کی طرف نیویارک روانگی کے لیے روانہ ہوئی۔ فولاد ڈھلائی کے کارخانوں سے مہیب شعلے اٹھ رہے تھے جس سے الیگھنی کی پہاڑیاں خون میں نہائی لگ رہی تھیں۔ فضا کالک اور دھویں سے بھری ہوئی تھی۔ ہمارا راستہ ان سائبانوں میں سے گزرتا تھا جہاں آدمیوں کا انبوہ، آدھے انسان آدھے جانور اس طرح کام میں جتے ہوئے تھے جیسے دخانی جہازوں میں چپو چلانے والے غلام بندھے ہوتے۔ جسے گزرے زمانہ ہو چکا ہے۔ ان کے بدن مختصر کپڑوں میں یوں چمک رہے تھے جیسے تانبہ کھولتے لوہے کے سرخ کڑھاؤ میں چمکتا ہے جسے وہ آگ اگلتے عفریت کے منہ سے چھین رہے ہوں۔ وقتاً فوقتاً جب پانی گرم دھات پر پھینکا جاتا تو اس سے اٹھنے والی بھاپ ان لوگوں کو پوری طرح اپنے اندر چھپالیتی۔ پھر دوبارہ وہ سائے کی طرح نمودار ہوتے۔ ''جہنم کی اولاد'' میں بولی اس دائمی دوزخ کی گرمی اور شور پر لعنت ہو۔'' ساشا ان غلاموں کی زندگی میں خوشیاں لانے کے لیے اپنی جان دے رہا ہے۔ مگر وہ اندھے بن کر اپنے ہاتھوں سے بنائی بھٹی کے جہنم میں جل رہے ہیں۔ ان کی روحیں مردہ ہیں ان پر ایسی مردنی چھائی ہے۔ اس لیے اپنی زندگی میں واقع آسیب اور تذلیل سے بھی غافل ہیں۔

کارل مجھ سے ساشا کے ساتھ گزرے ہوئے دنوں کے متعلق بتا رہا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہنری باور کو ساشا پر شک تھا۔ ہنری موسٹ کا ایک جنونی پیروکار تھا۔ اس نے اسے پہلے ہی تنبیہہ کی تھی کہ ہم دونوں گمراہ لوگ ہیں۔ اور اسے یہ بھی بتا چکا تھا کہ ہم ''اس جاسوس پیوکارٹ'' کے حلیف بن چکے ہیں۔ جب ساشا پہنچا تو ہومسٹیڈ کا مسئلہ اپنے عروج پر تھا۔ باور اس سے پہلے ہی بدگمان ہو چکا تھا۔ ہنری نولڈ کو اعتماد میں لے کر کہہ چکا تھا کہ وہ ساشا کے سو جانے کے بعد اس کے جھولے کی تلاشی لے گا اور اگر اسے کوئی چیز قابل اعتراض ملی تو وہ ساشا کو قتل کردے گا۔ باور بھری بندوق کے ساتھ اسی کمرے میں سویا جہاں ساشا سو رہا تھا۔ تاکہ کسی مشکوک حرکت پر چوکس رہے اور گولی مارنے کو تیار رہے۔ نولڈ ساشا کے چہرے بشرے، اور صاف گوئی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے لیے اس پر شک کرنا ممکن نہ تھا۔ وہ اس معاملے میں باور سے متفق تھا جو اسے قائل کر رہا تھا کہ موسٹ ہر اس شخص سے ناانصافی پر اتر آتا ہے اور بدظن ہو جاتا ہے جو اس سے اختلاف رکھتا ہو۔ کارل اب پوری طرح ہینری پر اعتبار کرنے والا نہ تھا۔

کارل کے بیان نے مجھے دہشت زدہ کردیا۔ اس کا کیا انجام ہوتا اگر ساشا کے جھولے میں سے کوئی ایسی شے نکل آتی جو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ممکن ہے باور کی نگاہ شک کے لیے جائز وجہ بن جاتی! اور موسٹ کے اندھے پجاری کے لیے گولی چلانے کے لیے کافی جواز۔ اور موسٹ، جسے ساشا کی نفرت کس گھاٹی میں گرا چکی ہے اور ایسے ادنی اور اوچھے ہتھکنڈوں سے۔ انسان کی فطرت میں ایسا کون سا جذبہ موجود ہے جو اسے ان پستیوں تک لے جاتا ہے؟ مثلاً مجھے دیکھئے کس بات نے مجھے موسٹ پر چابک برسانے پر مجبور کیا، اس سے اتنی نفرت پیدا کر دی جتنی وہ ساشا سے کرتا ہے۔ نفرت بھی اس سے جسے میں ایک زمانے میں محبت کرتی تھی، جو میرے لیے ایک مثالی ذات رہ چکی تھی۔ سادہ زبان میں یہ سب کچھ مضطرب کرنے والا تھا اور خوفناک بھی تھا۔ جو میری فہم سے باہر ہے۔

اپنے مقدمے کے دوران میں کارل بے دلی سے بولا، اسے اس بات سے خوشی ہوتی اگر اسے چند برس کی سزا ہو جاتی اور یہ مدت وہ ساشا کے ساتھ بسر کرتا۔ جاں نثار کارل! اس کے ساشا کی ذات میں اعتماد اور اعتبار نے مجھے اس کے قریب کر دیا اور وہ مجھے عزیز لگنے لگا۔

دور کہیں فاصلے پر جب ٹرین فراٹے بھر رہی تھی میں اب بھی شعلہ اگلتے ثاقبوں کو تاریک آسمان میں چاند ماری کرتے دیکھ سکتی تھی جس سے الگھنی کی پہاڑیاں بھی روشن ہو جاتیں۔ وہی الگھنی جو میری عزیز ترین چیز کو رہن رکھے ہوئے تھا، شائید ہمیشہ کے لیے! میں نے مل کر کارروائی کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ میں نے اسے اکیلے کیوں جانے دیا۔ میں نے اس کے اس فیصلے کی کیوں حمایت کی کہ وکیل نہ کیا جائے۔ میں نے احساس جرم کو جھٹک کر سبکدوش ہونے کی کوشش کی۔ لیکن وہ کب چین لینے دے گا جب تک نیند میں مجھے فراموشی نہ مل جائے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۱۱

ساشا کی سزا میں تخفیف کے لیے ہماری مساعی جاری تھیں۔ ہمارے ہفتہ وار جلسوں میں سے کسی ایک میں جو دسمبر کے آخری دنوں میں ہوا۔ سامعین میں بیٹھا ہوا ایک شخص مجھے گھورے جا رہا ہے جس سے میں چوکنی ہوگئی۔ وہ طویل قامت اور چوڑے شانوں والا اور اچھے قد و قامت کا تھا۔ بال نرم، سنہرے اور آنکھیں نیلی۔ میں نے خاص طور سے اس کی داہنی ٹانگ کی جنبش کو محسوس کیا۔ جو آگے پیچھے جھول رہی تھی اور اس کی ہتھیلی میں ماچس تھی جس سے وہ نرمی سے کھیل رہا تھا۔ اس کی حرکات وسکنات کی یکسانی سے میں اونگھنے لگتی اور بار ہا طبیعت پر جبر کر کے جاگی۔ آخر کار میں اٹھی اور اس شخص کے قریب گئی اور شوخی سے اس کے ہاتھ سے ڈبیا چھین لی اور کہا ''بچوں کو آگ سے نہ کھیلنا چاہیے'' ''بہت خوب، دادی اماں'' اس نے اسی لہجے میں جواب دیا، لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں ایک انقلابی ہوں اور آگ سے کھیلتا ہوں، کیا آپ ایسا نہیں کرتیں؟ وہ مجھ پر مسکرایا، اس کے سفید خوبصورت دانت جلوہ دکھانے لگے۔ ''جی ہاں، مگر ہر چیز کی جگہ ہوتی ہے۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ''یہاں نہیں، جہاں ہر طرف بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔ اس سے میری طبیعت گھبراتی ہے اور از راہ کرم ٹانگ ہلانا بند کر دیجیے۔'' اس نے معذرت چاہی۔ یہ بری عادت اسے جیل میں پڑ گئی تھی۔ اس نے کہا۔ ایسا لگا جیسے میں شرم سے ڈوب گئی، خیال ساشا کی طرف چلا گیا۔ میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ اپنا مشغلہ جاری رکھے اور میری بات کا برا نہ مانے۔ شائید وہ کسی دن مجھے اپنے جیل کے تجربات بتائے، میرا ایک دوست ان دنوں وہاں ہے میں نے کہا یوں لگا وہ سمجھ گیا کہ میری مراد کس سے ہے۔ ''برکین ایک بہادر آدمی ہے'' یہ اس کا جواب تھا۔ ''ہمیں اس وقت معلوم ہوا جب میں آسٹریا میں تھا اور اس نے جو کچھ کیا اس کو ہم نظر تحسین سے دیکھتے ہیں۔''

بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اس کا نام ایڈورڈ بریڈی ہے اور یہ کہ وہ کچھ دن ہوئے آسٹریا میں دس سالہ قید کی معیاد پوری کر کے آیا ہے اس پر غیر قانونی انارکسٹ لٹریچر کی اشاعت کا الزام تھا۔ میں جن لوگوں سے مل چکی تھی ان میں اسے سب سے زیادہ ذی علم پایا۔ اس کی دلچسپیاں موسٹ کی طرح سماجیات اور سیاست تک محدود نہ تھیں۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اس نے شاذ و نادر مجھ سے ان پر گفتگو کی۔ اس نے مجھے انگریزی اور فرانسیسی کے عظیم ادب سے متعارف کرایا۔ اس کو گوئٹے اور شیکسپیئر کو پڑھ کر مجھے سنانے میں بڑا لطف آتا جن میں جین ژاک روسو اور والٹیر اسے مرغوب تھے۔ اس کی انگریزی جس میں جرمن لہجے کا اثر تھا عمدہ تھی۔ ایک مرتبہ میں اس سے پوچھ بیٹھی کہ اس کی تعلیم کہاں ہوئی ''جیل میں'' اس کا جواب بے دھڑک تھا۔ اس نے یہ کہہ کر اپنے بیان میں تبدیلی کی کہ اس نے جمنازیم پہلے پاس کیا تھا۔ مگر یہ جیل تھی جہاں میں نے اصل تعلیم حاصل کی۔ اس کی بہن اسے انگریزی اور فرانسیسی کی لغات بھیجا کرتی تھی اور اس کا یہ معمول تھا کہ وہ دن میں کئی کئی لفظ یاد کر لیتا۔ قید تنہائی میں وہ با آواز بلند پڑھا کرتا۔ جینے کا یہی واحد طریقہ تھا۔ بہت سے حواس کھو بیٹھے خصوصاً وہ لوگ جن کے پاس دماغ کو مصروف رکھنے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن وہ لوگ جن کا کوئی نصب العین ہوتا ہے ان کے لیے جیل بہترین مدرسہ بن جاتا ہے۔ اس کے بقول۔ ''تو پھر مجھے جس قدر جلد ہو سکے جیل چلے جانا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''کیونکہ میں جاہل مطلق ہوں'' ''ایسی بھی کیا جلدی ہے'' اس نے جواب دیا۔ ''ہم لوگ ابھی ملے ہیں اور تم جیل کے لیے ابھی بہت نوعمر ہو'' ''برکین تو صرف اکیس برس کا تھا'' میں نے اسے بتایا۔ ''ہاں، بات تو قابل رحم ہے'' اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔ ''میں تیس برس کا تھا جب جیل گیا، میں تو کافی جہاں دیدہ ہو چکا تھا۔''

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اس نے میرے بچپن اور اسکول کے دنوں کے متعلق دریافت کیا۔ظاہر ہے وہ موضوع کو بدلنا چاہتا تھا۔میری اسکول کی تعلیم کا عرصہ صرف ساڑھے تین سال کا تھا جو انیس برگ شہر کا تھا۔یہی میں نے بتا دیا۔زمانہ سخت گیری کا تھا،اساتذہ وحشی تھے۔میں بہ مشکل کچھ سیکھ سکی۔جرمن زبان والی استانی مجھ پر مہربان تھی۔وہ ایک دائمی مریضہ تھی اور تپدق اسے مارے ڈال رہا تھا مگر پھر بھی وہ صابر اور نرم خو تھی۔وہ مجھے اکثر اپنے گھر مدعو کرتیں اور مزید سبق پڑھا دیتیں۔خاص طور سے انہیں اس کی بہت فکر رہتی کہ میں ان کے پسندیدہ مصنفین سے واقف ہو جاؤں،جن میں مالٹ،آورباخ،ہیز،لنڈن اور سپیل ہیگن شامل تھے۔انہیں مارلٹ دوسرے تمام مصنفین سے زیادہ عزیز تھا۔اس لیے میں بھی مارلٹ کو پسند کرنے لگی۔ہم مل کر اس کے ناول کو پڑھا کرتے اور اس کی مغموم ہیروینوں کی حالت پر اشک بار ہو جاتے۔میری استانی شاہی گھرانے کی پرستار تھیں،فریڈرک اعظم اور ملکہ لوئیس ان کے لیے مثل دیوتا تھے۔''بیچاری ملکہ سے کس بے رحمی سے وہ قسائی نپولین پیش آیا تھا۔کریم اور حسین ملکہ،''یہ کہتے ہوئے وہ دلگیر لگتیں۔وہ اکثر مجھے وہ نظم سناتیں جو اچھی ملکہ کی روزانہ کی دعا تھی۔جرمن میں

۱۔ ہم دریائے ترانن کے کنارے بیٹھے تھے

۲۔ وہاں بیٹھ کر گذری ہوئی راتوں کو یاد کیا کرتے تھے

۳۔ اب میرا وہاں پر ساتھ دینے والا کوئی نہیں

پراثر مصرعے مجھے مغلوب کر لیتے اور میں بھی ملکہ لوئیس پر فدا ہو گئی۔

میرے دو اساتذہ ہیبتناک تھے۔ان میں سے ایک جرمن یہودی تھا جو دینیات کا استاد تھا اور دوسرا جغرافیہ پڑھاتا۔میں دونوں سے متنفر تھی۔بسا اوقات میں آخرالذکر کی مسلسل پٹائی کا انتقام لیتی مگر دوسرے سے میں اس قدر دہشت زدہ رہتی کہ کبھی گھر پر بھی اس کی شکایت نہ کی۔

ہمارے مذہبی استاد کی سب سے بڑی مسرت یہ ہوتی تھی جب وہ ہماری ہتھیلیوں پر فٹے سے مارتا۔میں اسے غصہ دلانے کے لیے نئی نئی تجاویز پر غور کرتی رہتی۔میں اس کی بغیر گدی کی کرسی میں پن نصب کر دیتی،چوری چوری اس کے کوٹ کے دامن کو میز سے باندھ دیتی۔اس کی جیب میں گھونگے بھر دیتی۔ہر وہ کام کرتی جس سے فٹے کی مار سے پہنچنے والی تکلیف کا حساب برابر ہو جائے۔اسے معلوم تھا کہ اس حلقے کی سرغنہ میں تھی۔اس لیے وہ میری ٹھکائی کرتا۔مگر یہ ایک کھلم کھلا آویزش تھی جس کا فیصلہ سرعام ہوتا۔

مگر دوسرے کا معاملہ دیگر تھا۔اس کے طریقے کم ضرر رساں تھے مگر کہیں زیادہ ڈروانے۔ہر سہ پہر میں اسکول ختم ہونے کے بعد وہ ایک یا دو لڑکیوں کو روک لیتا۔جب تمام لوگ عمارت سے نکل چکتے تو وہ ایک لڑکی کو ساتھ والے کمرے میں بھیج دیتا پھر دوسری کو اپنے زانو پر بیٹھنے پر مجبور کرتا اس کے پستانوں کو پکڑ لیتا یا اس کی میانی میں ہاتھ ڈال دیتا۔وہ اسے اچھے نمبر دینے کا وعدہ کرتا اگر وہ منہ بند رکھے گی دوسری صورت میں وہ اسکول سے خارج کرنے کی دھمکی دیتا۔لڑکیوں کو دہشت زدہ کر کے خاموش کر دیا جاتا۔مجھے ان باتوں کا علم بہت دن تک نہ ہو سکا یہاں تک کہ ایک روز میں خود اس کے زانو پر بیٹھی ہوئی تھی۔میں نے چیخ کر اس کی ڈاڑھی پکڑ لی۔اور اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش میں اس کی ڈاڑھی زور سے کھینچی۔وہ اچھلا اور میں فرش پر دھم سے گری۔وہ دروازے کی طرف بھاگا تا کہ دیکھے کہ میری چیخ و پکار سن کر کوئی آ تو نہیں رہا۔پھر وہ میرے کان میں پھنکارا کہ اگر تم نے ایک لفظ اپنے منہ سے نکالا تو میں تمہیں اسکول سے نکلوا دوں گا۔

دن تک میں اتنی خوفزدہ رہی کہ اسکول نہ گئی۔مگر میں نے کسی سے کچھ نہ بتایا۔اسکول سے نام خارج ہونے کے خیال نے مجھے ابا کی برہمی یاد دلا دی جب امتحان میں مجھے کم نمبر ملتے تھے۔آخر کار میں پھر اسکول جانے لگی اور چند دن تک جغرافیہ کے سبق بلا کسی واقعے کے گزر رے۔چونکہ میری نگاہ کمزور تھی اس لیے مجھے نقشے کے قریب کھڑا ہونا پڑتا۔ایک دن ٹیچر نے سرگوشی کی ''آج تم ٹھہرو گی''نہیں میں نہیں ٹھہروں گی!میں نے بھی سرگوشی کی۔اگلے لمحے میرے بازو میں ایسا درد اٹھا جیسے ڈنک لگا ہو۔اس نے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اپنا ناخن میرے گوشت میں پیوست کر دیا تھا۔ میری چیخوں سے جماعت درہم برہم ہوگئی اور دیگر اساتذہ آ گئے۔ میں نے اپنے ٹیچر کو باقی اساتذہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ لڑکی بڑی کند ذہن ہے، اسے اپنا سبق نہیں یاد رہتا اس لیے اس کو مجھے سزا دینا پڑتی ہے۔ مجھے گھر بھیج دیا گیا۔

رات میں میرے بازو میں بہت تکلیف تھی۔ ماں نے یہ بات محسوس کر لی اور انہوں نے ڈاکٹر کو بلوایا جس نے مجھ سے سوال جواب کیا۔ اس کی نرم گفتاری نے مجھے پوری کہانی سنانے پر مجبور کر دیا۔ ''ستیاناس ہو!'' وہ حیرانی سے بولا ''اسے تو پاگل خانے میں ہونا چاہیے'' ایک ہفتے کے بعد جب میں اسکول پہنچی تو معلوم ہوا کہ وہ اب اس اسکول میں نہیں ہے۔ وہ سیر و تفریح کے لیے سفر پر روانہ ہو چکا ہے، ہمیں یہ بتایا گیا۔

جب میرا سینٹ پیترس برگ جا کر والد کے ہاں رہنے کا وقت آیا تو یہ بات مجھے بہت بری لگی۔ میں اپنی پیارجرمن استانی سے جدا نہ ہونا چاہتی تھی جس نے مجھے ہر اس شے سے محبت کرنا سکھایا جو ٹیوٹانک ہو۔ انہوں نے اپنی ایک دوست کو بھی آمادہ کیا کہ مجھے فرانسیسی زبان اور موسیقی کی تعلیم دیں اور وعدہ کیا کہ ''جمنازیم'' پاس کرنے میں میری مدد کریں گی۔ وہ یہ چاہتی تھیں کہ میں تعلیم میں انتھک محنت جاری رکھوں اور میرے خواب یہ تھے کہ میں طب کی تعلیم حاصل کروں اور دنیا کے لیے مفید بنوں۔ بہت سی التجاؤں اور آنسوؤں کا یہ نتیجہ نکلا کہ میری ماں کو انیس برگ میں میری دادی کے ساتھ قیام پر اس شرط پر رضامند ہوگئیں اگر میں جمنازیم میں داخلے کے لیے انٹرینس کا امتحان پاس کر لوں۔ میں نے رات دن ایک کر کے اسے پاس کر لیا۔ لیکن وہاں داخلے کے لیے مجھے اچھے چال چلن کا ایک سرٹیفکٹ درکار تھا جسے میرے مذہب کے استاد نے جاری کیا ہو۔ مجھے یہ بات کوئی اچھی نہ لگی کہ میں اس شخص سے کوئی فرمائش کروں۔ مگر مجھے اس کا بھی احساس تھا کہ میرے پورے مستقبل کا انحصار اسی پر تھا۔ اور میں اس کے پاس چلی گئی۔ اس نے پوری جماعت کے سامنے یہ اعلان کر دیا کہ وہ کسی حالت میں نہ دے گا۔ ''اچھا چال چلن'' جو مجھ سے چھو کر نہیں گزرا۔ اس نے پھر اعلانیہ کہا کہ میں ایک بداطوار لڑکی تھی اور ایک بدترین عورت بنوں گی۔ میرے دل میں نہ والدین اور نہ ہی صاحبان اختیار کے لیے کوئی احترام پایا جاتا ہے۔ اور میرا انجام یقیناً اس لیے پھانسی کے تختے پر ہوگا کیونکہ میں نوع انسان کے لیے ایک خطرہ ہوں۔ میں شکستہ دل گھر لوٹی لیکن ماں نے میری ہمت بڑھائی اور کہا کہ میں سینٹ پیترز برگ میں اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی ہوں۔ بدنصیبی دیکھیے کہ ان کا منصوبہ عملی جامہ نہ پہن سکا۔ میرے نصیب میں روس کی تعلیم محض چھ ماہ کی تھی۔ تاہم میرے روسی طلباء سے روحانی تعلقات نہایت قیمتی ثابت ہوئے۔

''وہ اساتذہ ہوں نہ ہوں حیوان تھے'' بریڈی نے فیصلہ دے دیا، مگر تمہیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمہارے مذہبی لوگ پیمبرانہ نگاہ رکھتے تھے۔ تم پہلے ہی مردم آزار بن چکی ہو۔ اور اگر تمہارا یہی رویہ رہا تو ہوسکتا ہے تم ایک قابل ذکر موت سے ہمکنار ہو۔ مگر اطمینان رکھو اچھے لوگ سولی پر مرتے ہیں نہ کہ محلوں میں۔

بریڈی اور میرے درمیان بتدریج ایک نظریاتی رفاقت پیدا ہوگئی۔ میں اب اسے اِڈ پکارتی ''باقی آوازیں روایتی معلوم ہوتیں ہیں'' وہ کہہ چکا تھا۔ اس کی تحریک پر ہم دونوں نے فرانسیسی کا مطالعہ شروع کر دیا۔ شروعات Candide (ابتدائی کتاب) سے ہوئی۔ میں آہستہ آہستہ اور اٹک اٹک کر پڑھتی میرا تلفظ نہایت ناخوشگوار ہوتا۔ لیکن وہ پیدائشی استاد تھا اور لامحدود صبر کا مالک۔ ہر اتوار اِڈ میرے ہی دو کمرے کے فلیٹ میں میرا میزبان بن جاتا جہاں میں حال ہی میں اٹھ آئی تھی۔ فیدیا اور مجھے حکم دیا جاتا کہ آپ اس وقت تک فلیٹ سے باہر رہیں جب تک گوشت نہ پک جائے۔ اِڈ لاجواب باورچی تھا۔ کبھی کبھار وہ اس بات کی اجازت دیتا کہ میں اسے کھانا پکاتے ہوئے دیکھوں۔ وہ بڑی تفصیل سے ہر ہانڈی پکانے کی ترکیب سمجھاتا جس میں ذوق بھی جھلکتا۔ میں فرانسیسی کے مقابلے میں کھانے پکانے میں کہیں بہتر شاگرد ثابت ہوئی۔ میں نے اس سے پہلے کئی ہانڈیاں پکانا سیکھ گئی جب تک کینڈائڈ کا آموختہ مکمل ہو۔

سنیچر کے دنوں میں جب مجھے خطابت نہ کرنی ہوتی تو ہم جسٹس شواب کے میخانے کا پھیرا لگاتے جو نیویارک میں ریڈیکل

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کا مشہور ترین مرکز تھا۔ شواب دیکھنے میں روایتی ٹیوٹان لگتا تھا، چھ فٹ سے اوپر قد، چوڑی چھاتی اور درخت کے تنے کی طرح سیدھا۔ اس کے چوڑے شانوں اور مضبوط گردن پر ایک روشن دماغ ٹکا ہوا تھا جس پر گھونگریالے سرخ بال اور ترشی ہوئی ڈاڑھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں گہری چمک تھی اور گمبھیر بھی تھیں۔ مگر اس کی آواز سب پر بھاری تھی ڈوبی ہوئی اور نرم' یہ اس کی مخصوص صفت تھی۔ یہ صفت اسے نامور بنا دیتی اگر وہ اوپیرا میں کام کا پیشہ اختیار کرتا۔ جسٹس انتہائی درجے کا باغی اور سنہرے خواب دیکھنے والا تھا کہ اسے چھوٹی باتوں پر توجہ دینے کی فرصت نہ تھی۔ اس چھوٹی سے جگہ میں عقبی کمرہ جو پچھلی گلی پر تھا وہ فرانسیسی کمیون تحریک، ہسپانوی اور اطالوی پناہ گزینوں، روسی سیاستدانوں اور جرمن سوشلسٹوں اور انارکسٹوں کی آماجگاہ تھی جو بسمارک کے آہنی پنجے سے بچ نکلے تھے وہ سب جسٹس پر جمع ہوتے۔ جسٹس جیسا کہ ہم اسے پیار سے بلاتے، وہ ہمارے لیے کامریڈ، مشیر اور دوست سب ہی کچھ تھا۔ حلقے میں بہت سے امریکی بھی شامل ہو جاتے جن میں مصنفین اور فن کار جون سوہٹن، امبروز بیرس، جیمز ہنیکر، سدا کچی ہارٹمین اور دیگر اہل علم جسٹس کی طلائی آواز سنتے، اس کی خوش ذائقہ بیر اور شراب پیتے اور عالمی مسائل پر رات گئے تک تبادلہ خیال کرنے کے لیے جمع رہتے۔ اِڈ کے ساتھ میں بھی وہاں کے مستقل پھیرے لگانے لگی۔ اِڈ انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبان کے لفظوں کی نزاکتوں کی وضاحت کرتا جاتا اس کا حلقہ ماہرین لسانیات کا تھا۔ میں ہنیکر اور اس کے دوستوں سے انارکزم کے معاملے میں شمشیر زنی پر اتر آتی۔ جسٹس کو یہ چھڑپیں اچھی لگتیں اور وہ مجھے جوش دلائے جاتا۔ آخر میں وہ میری پیٹھ ٹھونک کر کہتا ''ایما چن تمہارا سر ٹوپی کے لیے نہیں بنا اس کے لیے رسی چاہیے۔ صرف ان نرم قوسوں کو دیکھو۔ اس پر یہ آسانی لپٹ جائے گی۔ جس پر اِڈ کو جھرجھری آجاتی۔

اِڈ کی شیریں رفاقت میرے ذہن سے ساشا کی یاد کو نہ نکال سکی۔ اِڈ کو بھی اس کی ذات میں گہری دلچسپی تھی اور اس نے ان گروپوں میں شمولیت اختیار کر لی جو ساشا کے حق میں ایک باضابطہ مہم چلا رہے تھے۔ اس اثناء میں ساشا نے ڈاک کا ایک مخفی نظام قائم کر لیا تھا۔ وہ خطوط جو سرکاری ہاتھوں سے گزر کر آتے ان میں اپنی ذات کے متعلق نہ ہونے کے برابر ہوتا مگر اس میں جیل کے پادری کے متعلق کلمات خیر ہوتے جس نے اسے کتابیں دی تھیں اور اس سے انسانی دلچسپی ظاہر کی تھی۔ مخفی ذرائع سے ملنے والے خطوں میں ظاہر ہوا کہ وہ باور اور نولڈ کے سزا پا جانے پر کتنا برہم تھا۔ لیکن وہ امید کا تازہ جھونکا بھی تھے۔ وہ خود کو اب اتنا تنہا نہیں محسوس کرتا تھا کیونکہ اس کے دو کامریڈ اسی چھت کے تلے تھے۔ وہ ان سے مراسلت کے لیے رابطہ پیدا کرنے میں کوشاں تھا۔ اس کے دوست اسی جیل کے کسی دوسرے بازو میں رکھے گئے تھے۔ فی الحال باہر سے آنے والے خطوط ہی دنیا سے رابطہ کا واحد وسیلہ تھے۔ مجھے یہ چاہیے کہ اپنے دوستوں سے کہوں کہ وہ اسے پابندی سے خط لکھیں۔

یہ احساس مجھے ستاتا رہتا کہ میری مراسلت کو جیل کے حکام سنسر کرنے کے لیے پڑھیں گے۔ کاغذ پر حروف سرد اور اٹل حقیقت لگتے۔ اس کے باوجود میں چاہتی تھی کہ ساشا یہ محسوس کرے کہ میری زندگی میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو بھی اس میں داخل ہو رہا ہے اس کے لیے جگہ پھر بھی ہمیشہ خالی رہے گی۔ میرے خطوط مجھے غیر مطمئن اور ناخوش حالت میں چھوڑتے۔ مگر زندگی چلتی رہی۔ مجھے دس گھنٹے اور کبھی کبھی بارہ گھنٹے یومیہ بھی سلائی کی مشین پر کام کرنا پڑتا تا کہ جی سکوں۔ قریب قریب شبینہ جلسے اور تعلیم میں میری پس ماندگی یہ چاہتی کہ میں اسے بہتر کروں یہی بات ذہن میں بسی رہتی۔ کسی طرح اِڈ نے مجھے یہ سمجھا دیا کہ اسے اوروں کے مقابلے میں میری زیادہ ضرورت ہے۔

ہماری دوستی پھل پھول کر محبت میں بدل گئی۔ اِڈ میرے لیے ناگزیر بن گیا۔ مجھے کچھ دن سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے دل میں میری جگہ ہے۔ طبیعت میں پائے جانے والے غیر معمولی تکلف کی وجہ سے وہ کچھ نہ کہتا۔ نہ اپنی محبت ظاہر کرتا۔ لیکن اس کی آنکھیں اور لمس میں بڑی فصاحت ہوتی۔ اس کی زندگی میں پہلے بھی عورتیں رہ چکی تھیں۔ ان میں سے ایک سے اس کے ایک بیٹی بھی تھی جو اپنے تحیال میں رہتی تھی۔ وہ ان عورتوں کا بے حد ممنون تھا جن کا وہ اکثر ذکر کرتا رہتا۔ انہوں نے اسے جنس کے اسرار اور نزاکتیں سمجھائیں تھیں۔ اِڈ جب ان چیزوں کا ذکر کرتا تو میرے پلے کچھ نہ پڑتا۔ میں اتنی شرمیلی تھی کہ وضاحت نہ مانگتی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مگر یہ سوچتی کہ اس سے اس کی کیا مراد ہے۔ جنس مجھے ایک سادہ سا عمل لگتا تھا۔ میری ذاتی جنسی زندگی کا نتیجہ ہمیشہ بے اطمینانی رہا۔ یہ ایسی کوئی چیز ہے جس کی آرزو کی جائے مجھے معلوم نہیں۔ میں محبت کو ہر چیز پر مقدم سمجھتی تھی۔ محبت اس وقت بے کراں مسرت سے ہم کنار ہوتی ہے جب بے لوث سپردگی ہو۔

اِڈ کی آغوش میں مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ اس میں کتنی حیات بخش قوت ہوتی ہے۔ مجھے اس میں پنہاں حسن بھی سمجھ میں آ گیا اور میں نے اس کی نشہ آور مسرت اور راحت کو ڈگ ڈگا کر پیا۔ یہ ایک وجد آفریں نغمہ ہے جس کی موسیقی اور چھیڑ نے سے گہری تسکین ملتی ہے۔ میرا چھوٹا سا فلیٹ جس عمارت میں تھا وہ ''بوہیمین ریپبلک'' جہان عشرت کے نام سے مشہور تھی، اس میں میں حال ہی میں منتقل ہوئی تھی۔ وہ عشق و محبت کا معبد بن گیا۔ یہ خیال اکثر مجھے دامنگیر رہتا کہ اس قدر چین اور حسن زیادہ عرصہ نہ رہے گا۔ یہ بہت خوشگوار دن تھے اور نہایت مکمل۔ پھر میں گھبرائے ہوئے دل کے ساتھ اِڈ سے لپٹ جاتی۔ وہ مجھے کھینچ کر اور قریب کر لیتا اور اس کی دائمی خوش مزاجی اور حس مزاح میرے تاریک خیالات کو رفع کر دیتے۔ ''تم پر کام کا بوجھ ہے'' وہ کہتا ''مشین اور ساشا سے متعلق دائمی تشویش تمہیں قتل کر رہی ہیں۔

موسم بہار میں میں بیمار پڑ گئی، وزن گھٹنے لگا اور اتنی کمزور ہو گئی کہ کمرے میں چلنا دوبھر ہو جاتا۔ ڈاکٹروں نے فوری آرام اور آب و ہوا کی تبدیلی کا حکم دیا۔ میرے دوستوں نے اصرار کیا کہ میں نیویارک کو چھوڑ دوں اور روچسٹر چلی جاؤں، میرے ساتھ ایک لڑکی جائے گی جس نے بطور رضا کار اپنی خدمات پیش کیں۔

میری بہن نے یہ سوچا کہ اس کے گھر میں ایک مریض کے لیے مکانیت کم پڑے گی اس لیے اس نے ایک الگ کمرہ کرائے پر لے لیا جس سے متصل ایک باغ تھا۔ وہ جب بھی فارغ ہوتی میرے پاس چلی آتی، اپنی محبت اور نگہداشت میں کمی نہ آنے دیتی۔ وہ مجھے پھیپھڑے کے امراض کے ایک ماہر کے پاس لے گئی اس نے بتایا کہ میں تپدق کے ابتدائی مرحلے میں ہوں اور مجھے مخصوص غذا کھانی چاہیے۔ میری طبیعت سنبھلنے لگی اور دو مہینے کے اندر طبیعت اتنی بحال ہو گئی کہ میں ہوا خوری کرنے لگی۔ میرے ڈاکٹر کی یہ تجویز تھی کہ موسم سرما میں سینی ٹوریم میں گزاروں جبکہ نیویارک کے معاملات نے ایسا رنگ دکھایا کہ صورت حال قطعاً بدل گئی۔

اس سال کے صنعتی بحران نے ہزاروں کو بے روزگار کر دیا اور ان کی حالت خوفناک ہونے لگی۔ نیویارک والوں کی حالت بدترین تھی۔ ملازمت ختم ہونے پر گھر خالی کرائے جا رہے تھے۔ مصائب میں اضافہ ہو رہا تھا اور خودکشیاں کئی گنا بڑھ چکی تھیں۔ ان کے مسائل کم کرنے کے لیے کوئی کام نہیں ہو رہا تھا۔

روچسٹر میں میرا ٹھہرنا اب ممکن نہ تھا۔ میں خود سے یہ کہتی کہ علاج معالجے کو ادھورا چھوڑنا احتیاط کے خلاف ہے۔ میں کہیں زیادہ جان پکڑ چکی تھی اور وزن بھی بڑھ چکا تھا۔ میری کھانسی گھٹ چکی تھی اور خون کا رسنا بند ہو چکا تھا۔ تاہم مجھے یہ بھی علم تھا کہ مکمل صحتیابی ابھی دور ہے۔ مگر دلائل سے بھی قوی تر کوئی اور شے مجھے نیویارک کی طرف کھینچ رہی تھی میں اِڈ کے لیے تڑپ رہی تھی، مگر بے روزگاروں کی ندائیں زیادہ مجبور کرنے والی تھیں۔ جن میں ایسٹ سائڈ کے محنت کش تھے جنہوں نے میرا محنت سے متعلق پتہ کرایا تھا۔ میں سابقہ جدوجہد میں ان کے ساتھ رہی تھی۔ اب میں ان سے الگ نہیں رہ سکتی تھی۔ میں نے ڈاکٹر اور ہیلینا کے نام چٹھیاں چھوڑیں۔ مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان کا سامنا کر سکتی۔

میں نے اِڈ کو تار بھیجا تھا وہ خوشی خوشی مجھے لینے آیا، لیکن جب میں نے اسے بتایا کہ میں خود کو بے روزگاروں کے لیے وقف کر دوں گی تو اس کا رنگ بدل گیا۔ یہ نا سمجھی ہے۔ اس نے لجاجت سے کہا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ میں وہ سب کچھ گنوا دوں گی جو میں نے حال ہی میں آرام کر کے اپنی صحت کے لیے حاصل کیا ہے۔ جو ممکن ہے جان لیوا ہو جائے۔ وہ اس کی اجازت نہیں دے سکتا، میں اب اس کی ہوں۔ اپنی۔ جس میں محبت کرنا، تحفظ دینا اور نگہبانی کرنا بھی شامل ہے۔

یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کوئی آپ کا اتنا خیال رکھے لیکن اس کے ساتھ ہی میں اسے ایک قسم کی بندش بھی سمجھتی ہوں۔ اس کا یہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کہنا کہ ''تمھارے رہنا اور نگہبانی کرنا؟'' کیا اس نے مجھے اپنی جائیداد سمجھا ہے، ایک دست نگر یا اپاہج جس کی دیکھ بھال کے لیے ایک آدمی درکار ہو؟ میں تو یہ سمجھی تھی کہ وہ آزادی پر عقیدہ رکھتا ہے اور میرے اس حق پر کہ میں جو چاہوں کروں۔ یہ میرے لیے اس کی تشویش تھی، میری صحت کے لیے اندیشے، اس نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی، جس نے اسے یہ الفاظ کہنے پر مجبور کیا تھا۔ مگر اپنا کام شروع کرنے کے لیے میں پرعزم تھی اور وہ میری اعانت کرے گا۔ وہ مقرر نہیں تھا لیکن وہ دوسرے طریقوں سے مدد کر سکتا ہے۔

کمیٹی کی بیٹھکیں، عوامی جلسے، اشیائے خوردونوش کو جمع کرنا، بے گھر لوگوں اور ان کے لاتعداد بچوں کو کھلانے پلانے کی نگہداشت اور آخر میں، یونین سکوئر پر ایک بڑے جلسے کے انتظام میں میرا تمام وقت صرف ہوتا۔

یونین اسکوئر کے جلسے سے پہلے ایک مظاہرہ کیا گیا۔ چلنے والوں کی قطاروں میں ہزاروں لوگ شامل ہوئے۔ لڑکیاں اور عورتیں آگے تھیں، میں ان کے آگے سرخ پرچم لیے ہوئے چل رہی تھی۔ اس کی پرافتخار سرخی کئی ایوانوں کے پار سے دیکھی جا سکتی تھی۔ تحریک کا جوش وخروش ایسا تھا کہ میری روح بھی وجد میں آ گئی۔

میں اپنی تقریر ضابطہ تحریر میں لائی تھی جو مجھے ولولہ خیز لگتی تھی۔ لیکن جب میں یونین سکوئر پہنچی اور انسانیت کا جم غفیر نظر آیا تو مجھے اپنے تیار شدہ نکات سرد اور بے معنی لگنے لگے۔

ہماری صفوں میں فضا بہت کشیدہ لگ رہی تھی جس کی وجہ گزشتہ ہفتوں کے واقعات تھے۔ محنت کشوں سے متعلق سیاستدانوں نے ریاست نیویارک کے قانون سازوں سے درخواست کی کہ اس عظیم عذاب سے بچاؤ کی تدبیر کریں لیکن ان کی التجاؤں پر آنا کانی کی گئی۔ جب کہ اس عرصے میں بے روزگار فاقہ کشی کر رہے تھے۔ لوگ اس ذلیل لاتعلقی پر برہم تھے جسے مرد عورتیں اور بچے بھگت رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونین سکوئر کی فضا میں کڑواہٹ اور برہمی کی رودوڑا دی۔ یوں لگا اس کی روح مجھ میں داخل ہوگئی۔ طے یہ تھا کہ میں آخری مقرر ہوں گی مگر مزید انتظار میرے بس سے باہر تھا۔ اس کے بعد معذرت خواہانہ نقاریہ اختتام کو پہنچیں اور میری باری آئی۔ میں نے اپنا نام سنا جسے ہزاروں نرخرے نکال رہے تھے اور میں آگے بڑھ رہی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے سامنے ایک بڑا ڈھیر موجود ہو۔ ان کے زرد پچکے ہوئے چہرے مجھ پر اوندھائے جا چکے ہوں۔ میرا دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔ میری کنپٹیاں چیخ رہی تھیں اور گھٹنے کانپ رہے تھے۔

''مردوں اور عورتو'' اچانک پیدا ہونے والے سکوت میں، میں نے کہنا شروع کیا'' کیا تمھیں یہ احساس نہیں ہے کہ مملکت تمھاری بدترین دشمن ہے۔ یہ ایسی کل ہے جو تمھیں محض اس لیے کچلتی ہے تا کہ حکمران طبقہ پھلے پھولے'' اور آقا بنا رہے۔ ناسمجھ بچوں کی طرح تم ان سیاسی رہنماؤں پر اعتماد رکھتے ہو۔ تم ہی اعتماد کا راستہ ہموار کر دیتے ہو جس پر دبے پاؤں چل کر یہ ممکن ہوتا ہے اور وہ تمھارے اعتماد میں سیندھ لگاتے ہیں اور جس سے فائدہ اٹھا کر وہ تمھیں کسی خریدار کی پہلی بولی پر بیچ ڈالتے ہیں اور انہیں تم ہی دغابازی کرنے کا موقع دیتے ہو جس نے ان پر پہلی بولی لگائی تھی۔ لیکن جہاں پر بلاواسطہ دغابازی نہیں ہوتی ہے وہاں محنت کشوں کے سیاستدان دشمن سے سازباز کر کے تمھیں زنجیروں میں باندھ ڈالتے ہیں تا کہ براہ راست حملے کا انسداد ہو جائے۔ مملکت سرمایہ داری کا ستون ہے اور اس سے کسی ازالے کی توقع رکھنا ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ کیا آپ کو اپنے اس مطالبے میں کوئی حماقت نہیں نظر آتی جس میں البانی سے دستگیری کو کہا جا رہا ہے، جس کے پاس بے تحاشہ دولت ہے اور ہم سے اتنے کم فاصلے پر ہے کہ اگر سنگریزہ پھینکا جائے تو اس پر جا کر گرے گا۔ پانچواں ایوان سونے سے اٹا ہوا ہے ہر عمارت روپے اور اقتدار کا ہیکل ہے اور تم دیو ہوتے ہوئے فاقہ زدہ پابجولاں اور لاغر بنے کھڑے ہو۔ پادری اعظم میتنگ نے ایک مرتبہ اعلانیہ کہا تھا کہ ضرورت کسی قانون کو نہیں تسلیم کرتی۔ اور فاقہ کش کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ اپنے پڑوسی کی روٹی میں حصہ لے۔ کارڈینل میتنگ کلیسا کے آدمی تھے جو اس کی روایت میں غرق تھے۔ جس کا وطیرہ یہ رہا ہے کہ اس نے غریبوں کے خلاف ہمیشہ امیروں کا ساتھ دیا۔ پھر بھی اس میں کچھ انسانیت تھی اور اسے معلوم تھا کہ بھوک ورغلانے کی قوت رکھتی ہے۔ تمھیں بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ تمہارا حق ہے کہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اپنے ہمسائے کی روٹی میں اپنا حصہ لے لو۔تمہارے پڑوسیوں نے ۔۔نہ صرف تمہاری روٹی چرالی ہے بلکہ تمہارا خون بھی چوس رہے ہیں۔وہ تمہیں لوٹتے رہیں گے،تمہارے بچوں کواور تمہارے بچوں کے بچوں کواس وقت تک لوٹتے رہیں گے جب تک تم جاگ نہیں جاتے اور جب تک تم میں اتنی جرات نہیں آجاتی کہ اپنے حقوق طلب کرنے لگو۔ٹھیک ہے پہلے امیروں کے محلوں کے سامنے مظاہرہ کرواور روزگار مانگو۔اگر وہ تمہیں کام نہ دیں تو روٹی مانگو۔اگر وہ دونوں ہی سے انکار کریں تو روٹی چھین لو،یہ تمہارا مقدس حق ہے!''

داد وتحسین کا غوغا بلند ہوا جنوں خیز اور بہرا کرنے والا شور یوں لگا جیسے عالم سکوت میں طغیانی آگئی۔انسانی ہاتھوں کا سمندر اس بے تابی سے میری جانب پھیل رہا تھا جیسے سفید مرغابیاں پھڑ پھڑا رہی ہوں۔

اگلی صبح میں اس غرض سے فلیڈیلفیا روانہ ہوگئی تا کہ وہاں کے بے روزگاروں کی دستگیری کی جائے۔سہہ پہر کے اخبارات میں میری تقریر مسخ کر کے چھپی۔میں نے ہجوم سے انقلاب لانے کو کہا تھا جبکہ ان کے مطابق ''سرخ ایما میں ورغلانے کی بہت طاقت ہے اس کی زہریلی زبان کافی تھی کہ بے خبر ہجوم نیویارک کے پرخچے اڑادے۔''انہوں نے یہ بھی لکھا کہ میرے چند تنومند دوست بعد میں مجھے اٹھا کر چمپت ہوگئے لیکن پولیس میری تلاش میں ہے۔

شام کے وقت میں نے ایک حلقے کی بیٹھک میں شرکت کی۔جہاں پر میں کئی ایسے انارکسٹوں سے ملی جن سے میں کبھی نہ ملی تھی۔ان میں نتاشا نوتکن وہاں کی روح رواں نکلی۔وہ روسی عورتوں میں پائی جانے والی حقیقی معنوں میں انقلابی عورت تھی۔جس کی زندگی میں تحریک کے علاوہ اور کوئی دلچسپی نہ تھی۔یہ طے ہوا کہ بروز دوشنبہ بہ مطابق ۲۱ اگست ایک جلسہ عام کیا جائے گا۔اسی صبح کے اخبارات یہ خبر لائے کہ میرا اتہ پتہ دریافت کیا چکا ہے۔اور جاسوس فلیڈیلفیا کی جانب روانہ ہو چکے ہیں اور ان کے پاس گرفتاری کے وارنٹ بھی ہیں۔میں نے سوچا کہ میرے لیے سب سے اہم یہ بات ہے کہ میں کسی طرح ہال میں داخل ہو جاؤں اور اس سے پہلے کہ میری گرفتاری ہو میں جلسہ کو خطاب کر چکی ہونگی۔یہ میرا فلیڈیلفیا کا پہلا دورہ تھا جہاں کے حکام کے لیے میں اجنبی تھی۔نیویارک کے جاسوس اخبارات میں چھپنے والی تصاویر سے بہ مشکل مجھے پہچان سکیں گے۔میں نے فیصلہ کیا کہ ہال کی طرف میں تنہا جاؤں گی اور ریلے میں شامل ہو کر داخل ہو جاؤں گی۔

قرب وجوار کے گلی کوچوں میں لوگوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔جب میں چلتی ہوئی ان سیڑھیوں پر چڑھ رہی تھی جو جلسہ گاہ تک جاتی تھی تو کسی نے مجھے نہ پہچانا۔وہیں پر ایک انارکسٹ نے میرا خیر مقدم کیا۔''لو بھئی ایما پہنچ گئیں۔''میں اسے لے کر ایک طرف ہو گئی،مگر میرے کندھے پر ایک بھاری ہاتھ یکا یک محسوس ہوا، اور ایک صدا آئی''تم زیر حراست ہو،مس گولڈ مان''ایک ہلچل مچ گئی،لوگ میری جانب دوڑے لیکن افسران نے پستول نکال لیے اور لوگوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ایک جاسوس میرا بازو پکڑ کر سیڑھیوں پر سے کھینچتا ہوا نیچے کوچے میں لے آیا۔مجھے یہ اختیار دیا گیا کہ چاہوں تو پولیس کی گاڑی میں تھانے چلوں یا پیدل۔میں نے پیدل چلنے کو ترجیح دی۔افسر نے مجھے ہتھکڑی ڈالنے کی کوشش کی مگر میں نے اطمینان دلایا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرا فرار ہونے کا ارادہ نہیں ہے۔راستے میں ایک شخص مجمع چیرتا ہوا نکلا اور میری طرف بھاگا بھاگا آیا۔اور اپنی رقم کا بٹوا حوالے کرنے لگا کہ شائید مجھے روپے کی ضرورت ہو۔جاسوسوں نے بہ عجلت اسے بھی دھر لیا اور کہا کہ وہ بھی زیر حراست ہے۔مجھے پولیس کے مرکزی دفتر لے جایا گیا جو سٹی ہال کے مینار میں واقع تھا۔اور رات بھر کے لیے وہیں بند کر دیا۔

صبح میں مجھ سے دریافت کیا گیا کہ آیا میں جاسوسوں کے ساتھ نیویارک جانے پر آمادہ ہوں۔''اپنی مرضی سے بالکل نہیں''میں نے کہا''بہت خوب،ہم آپ کو اس وقت تک رکھیں گے جب تک شہر بدری کے احکام جاری نہیں ہو جاتے۔''مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا جہاں مجھے تولا گیا،پیمائش ہوئی اور تصویر اتاری گئی۔میں نے تصویر کشی کی مزاحمت کی مگر میرا سر کسی نہ کسی طرح سیدھا کھڑا کر لیا گیا۔میں نے آنکھیں میچ لیں۔تصویر خوابیدہ پری سے ملتی ہوئی بنی ہوگی اور ایک سنگین عادی مجرم جیسی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میرے نیویارک کے دوست گھبرا گئے۔انہوں نے مجھے خطوں اور تار برقی میں ڈبو دیا۔اِڈ کی تحریر محتاط تھی مگر بین السطور محبت کو میں نے محسوس کرلیا۔وہ فلیڈیلفیا آنا چاہتا تھا،رقم لانا چاہتا تھا اور وکیل کرنا چاہتا تھا مگر میں نے تار کے ذریعے اسے روک دیا اور کہا کہ تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔کئی کامریڈ مجھ سے جیل میں ملنے آئے۔ان سے مجھے معلوم ہوا کہ میری گرفتاری کے بعد جلسے کی کارروائی جاری رہی۔والٹیر این ڈی کلیر نے میری جگہ لے لی اور میری گرفتاری پر سخت احتجاج کیا۔

میں سن چکی تھی کہ وہ ایک ممتاز امریکی لڑکی ہے اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ میری طرح شکاگو میں ہونے والے عدالتی قتل سے متاثر ہوئی تھی۔اور وہ اسی زمانے سے انارکسٹ تحریک میں شامل ہوگئی تھی۔میں عرصہ دراز سے اس سے ملنا چاہتی تھی اور فلیڈیلفیا آنے کے بعد میں اس سے ملنے بھی گئی تھی۔مگر وہ بستر علالت پر پڑی تھی۔ہر جلسے کے بعد اس پر بیماری کا حملہ ہو جاتا اور گزشتہ شام اس نے ایک جلسے کو خطاب کیا تھا۔میرے لیے یہ بات قابل افتخار تھی کہ وہ بیماری کے بستر سے اٹھ کر جلسے میں آئی اور میرے حق میں بولی۔مجھے اس کے کامریڈ ہونے پر فخر تھا۔

گرفتاری کے بعد دوسری صبح میں مجھے مویامنسنگ جیل میں اس وقت تک کے لیے منتقل کر دیا گیا جب تک میری بدری کے احکام نہیں جاری ہو جاتے۔مجھے ایک قدرے بڑی کوٹھری میں رکھا گیا۔اس کے دروازے ٹھوس لوہے کے تھے جس میں ایک مستطیل کھڑکی تھی جو باہر سے کھلتی تھی۔کھڑکی اونچائی پر تھی اور اس پر سلاخیں جڑی ہوئی تھیں کوٹھری میں ایک بیت الخلاء،پانی کا نل،ٹین کا پیالہ،لکڑی کی میز،ایک بینچ اور لوہے کی ایک چارپائی رکھی تھی۔روشنی کے لیے چھت سے ایک چھوٹا لیمپ لٹک رہا تھا۔وقتاً فوقتاً مستطیل کھڑکی کھلتی اور آنکھوں کا ایک جوڑا جھانکتا یا ایک آواز آتی جو پیالہ مانگتی پھر یہ مجھے لوٹا دیا جاتا کنکنا پانی ہوتا یا شوربہ اور روٹی کا ایک ٹکڑہ۔ان دخل در معقولات کے علاوہ سناٹا رہتا۔

دوسرے روز سے سکوت مستبد لگنے لگا اور گھنٹے رینگتے رینگتے اور ختم ہونے کو نہ آتے۔کوٹھری میں دروازے اور کھڑکی کے درمیان میں چلتے چلتے میں نڈھال ہوگئی۔میرے اعصاب میں انسانی آوازیں نہ آنے سے تناؤ پیدا ہونے لگا۔میں نے میٹرن کو آواز دی مگر جواب ندارد میں نے اپنے ٹین کے پیالہ کو دروازے سے بجانا شروع کر دی۔آخر کار اس کا جواب آ گیا۔میرے دروازے کا تالا کھولا گیا اور کرخت چہرے کی ایک لحیم شحیم عورت کوٹھری میں داخل ہوئی۔یہ خلاف قانون ہے کہ کوئی اتنا شور مچائے اس نے تنبیہ کی۔اگر میں نے دوبارہ ایسا کیا تو اسے مجھ کو سزا دینا پڑے گی۔مجھے کیا چاہیے؟ مجھے میری ڈاک دی جائے۔میں نے اسے بتایا۔مجھے یقین تھا کہ میرے کسی دوست نے ضرور بھیجی ہوگی۔اور مجھے پڑھنے کے لیے کچھ کتابیں بھی چاہیں۔وہ ایک کتاب لے آئی مگر کوئی ڈاک نہ تھی۔میٹرن بولی مجھے معلوم تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔اس لیے کہ مجھے یقین تھا کہ اِڈ نے لکھا ہوگا چاہے اور کوئی نہ لکھے۔وہ باہر نکلی اور باہر سے دروازے کو مقفل کر دیا۔فوراً بعد وہ ایک کتاب لیے لوٹی۔وہ ایک انجیل تھی جس پر نظر پڑتے ہی میرے ذہن میں اسکول والے،استاد کا چہرہ پھر گیا۔میں نے غصے میں کتاب لے کر میٹرن کے قدموں میں پھینک دی۔مجھے جھوٹ سے بھری مذہبی کتاب نہیں چاہیے۔مجھے کوئی انسانیت نواز کتاب دو،میں نے اس سے کہا۔لمحہ بھر تو وہ آسیب زدہ حالت میں کھڑی رہی پھر اس نے مجھ پر گرجنا شروع کر دیا۔میں نے خدا کے کلام کی بے حرمتی کی ہے۔مجھے کال کوٹھری میں ڈالا جائے گا۔آخر میں دوزخ میں جلائی جاؤں گی۔میں نے بھی گرم ہو کر جواب دیا کہ تمہاری یہ ہمت کہ تم مجھے سزا دو کیونکہ میں ریاست نیویارک کی قیدی ہوں۔چونکہ مجھ پر ابھی تک مقدمہ چلنا نہیں شروع ہوا اس لیے میرے اب بھی چند انسانی حقوق ہیں۔وہ بھاگ کر نکلی اور دروازہ دھڑ سے بند کر لیا۔

شام میں درد سے میرا سر پھٹنے لگا۔سب بجلی کی روشنی تھی جو میری نگاہ کو خیرہ کر رہی تھی۔میں نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا اور ڈاکٹر بلانے کو کہا۔اب کے دوسری عورت آئی،جیل کی ڈاکٹر۔اس نے مجھے کچھ دوا دی اور میں نے اس سے پڑھنے کے واسطے کچھ مانگا۔بصورت دیگر کچھ سلائی کے لیے۔اگلے روز مجھے تولیے ملے تا کہ میں ان پر گوٹ لگا دوں۔بے تابی سے میں نے گھنٹہ بھر میں لگا دی میرے ذہن میں ساشا اور اِڈ بسے ہوئے تھے دھندلائی وضاحت سے میں نے دیکھا کہ ساشا کی جیل میں گزر بسر کے کیا معنی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہیں۔ بائیس سال! میں تو سال بھر میں پاگل ہو جاؤں گی۔

ایک دن میٹرن یہ اعلان کرنے کے لیے آئی کہ شہر بدری منظور ہو چکی ہے اور مجھے نیویارک لے جایا جا رہا ہے۔ میں اس کے پیچھے پیچھے اس کے دفتر میں جا پہنچی جہاں مجھے ایک بڑا سا پیکٹ حوالے کیا گیا جس میں خطوط کے علاوہ تار اور دیگر کاغذات تھے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ میرے نام بہت سے پھول اور پھل کے ڈبے بھی آئے تھے مگر یہ سب قیدیوں کے لیے جیل کے قوانین کے خلاف تھا کہ انہیں ملے۔ پھر مجھے ایک گٹھے ہوئے جسم والے آدمی کے حوالے کر دیا گیا۔ جیل کے باہر ایک گاڑی منتظر تھی اور ہم اسٹیشن کی جانب روانہ ہوئے۔

ہم ہل مین کار میں سفر کر رہے تھے۔ اس شخص نے خود کو جاسوس سرجنٹ۔۔۔ کے نام سے متعارف کرایا اور معذرت چاہی کہ وہ اپنا فرض پورا کر رہا ہے کیونکہ اسے چھ بچوں کی پرورش کرنا پڑتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے کسی معزز پیشہ کا انتخاب کیوں نہ کیا اور کیا مجبوری تھی کہ مزید چھ جاسوس دنیا میں لے آیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو کوئی اور یہ کرتا، یہ اس کا جواب تھا۔ بااختیار پولیس ایک ضروری چیز ہے جو سماج کو تحفظ مہیا کرتی ہے۔ کیا آپ رات کا کھانا کھائیں گی۔ وہ ڈبے ہی میں کھانا لے آئے گا اور کھانے کے کمرے تک جانے کی زحمت سے مجھے بچا لے گا۔ میں آمادہ ہو گئی۔ مجھے گذشتہ ہفتہ بھر سے مناسب کھانا نہیں میسر آیا تھا۔ اس کے علاوہ، ریاست نیویارک کی حکومت میرے اس پر آسائش سفر کے اخراجات ادا کر رہی تھی جو مجھے بے مانگے مل رہا تھا۔

کھانا کھانے میں جاسوس نے میری جوانی اور زندگی کا ذکر چھیڑ دیا ''ایسی شاندار اور اتنی باصلاحیت لڑکی'' میری ہم سفر ہے۔ وہ یہ بھی کہنے لگا کہ میں جس کام میں جتی ہوئی ہوں اس میں ایک دمڑی بھی نہ ملے گی جس سے نمک خریدا جا سکے۔ مجھے ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور پہلے ''سرتاج کی تلاش کرنا چاہیے'' وہ میرے لیے اس لیے فکر مند تھا کہ وہ خود بھی یہودی ہے۔ اسے بہت افسوس ہو رہا تھا کہ میں جیل جا رہی ہوں۔ وہ مجھے رہائی حاصل کرنے کی ترکیبیں سمجھانے لگا جس کے ذریعے ایک خطیر رقم بھی ہاتھ آتی۔ اگر میں سمجھدار ہو جاؤں۔ ''اس رقم کے ساتھ'' میں بولی۔ ''تمہارے ذہن میں کیا ہے؟''

اس کے باس نے اسے یہ ہدایت دی تھی کہ مقدمہ ختم ہو سکتا ہے اور ایک معقول رقم مجھے مل سکتی ہے اگر میں تھوڑی سی لچک پیدا کر لوں۔ معاملہ بڑا نہیں ہے بس گاہے بہ گاہے ایک چھوٹی سی رپورٹ دینی ہوگی کہ ریڈیکل حلقوں میں اور ایسٹ سائڈ کے محنت کشوں میں کیا ہو رہا ہے۔

میرے ذہن میں ایک بھیانک سودا سما گیا۔ کھانے سے جی متلانے لگا۔ میں نے تھوڑا سا ٹھنڈا پانی حلق سے اتارا اور گلاس میں بچے ہوئے پانی کو جاسوس کے منہ پر پھینک دیا۔ ''اے گھٹیا لینڈی کتے'' میں چیخی ''تیری ذلت کے لیے یہ کم ہے کہ تو دوستوں سے دغا کرتا ہے، بلکہ مجھے بھی اسی ڈھرے پر لگانا چاہتا ہے، جس میں تو اور تیرا باس دونوں شامل ہیں۔ اپنی ساری زندگی جیل میں گزار دوں گی، لیکن مجھے کوئی خرید نہیں سکتا!

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے'' وہ منہ پھلاتے ہوئے بولا ''جو جی چاہے کرو۔''

پینسلوانیا ریلوے اسٹیشن سے میلبری اسٹریٹ کے تھانے تک مجھے کار میں لایا گیا۔ جہاں مجھے رات بھر حوالات میں رکھا گیا۔ کوٹھری تنگ اور بساند والی تھی جس میں لکڑی کا ایک تنگ سا تخت تھا جو بیٹھنے اور لیٹنے کے دونوں کے کام آ سکتا تھا۔ میں دروازوں میں تالا لگانے اور کھولنے سے پیدا ہونے والی جھنکار سنتی رہی، چلاتی اور ہسٹریائی انداز میں روتی جاتی۔ مگر یہ راحت بھی حاصل رہی، وہ منحوس چہرہ دیکھنے سے بچی رہی اور اس کثیف ہوا میں سانس لینے سے بچ گئی جو قابل نفرت جاسوس کی قربت میں تھی۔

آنے والی پہلی صبح میں مجھے افسر اعلیٰ کے سامنے پیش کیا گیا۔ جاسوس اسے پوری بپتا سنا چکا تھا وہ بہت برہم تھا۔ تم بیوقوف ہو ایک احمق بطخ ہو جسے یہ نہیں معلوم کہ اس کا بھلا کس میں ہے۔ وہ مجھے ایسی جگہ پہنچا دے گا جہاں سے میرے لیے فتنہ گری برس ہا برس ممکن نہ ہو سکے گی۔ میں نے اسے بکنے دیا اور رخصت ہونے سے پہلے میں نے اسے بتا دیا کہ پورے ملک کو یہ معلوم ہو جانا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

چاہئے کہ نیویارک پولیس کا چیف کتنا بدعنوان ہے۔اس نے اس طرح ایک کرسی اٹھائی جیسے مجھے مارنا چاہتا ہو، پھر ارادہ بدل کر اس نے ایک جاسوس طلب کیا تا کہ مجھے چوکی کی حوالات میں پہنچادیا جائے۔

مارے خوشی کے میری باچھیں کھلی جارہی تھیں جب میں نے اِڈ، جسٹس شواب اور جولیس ہوفمین کو وہاں اپنے انتظار میں پایا۔سہ پہر میں مجھے ایک جج کے سامنے پیش کیا گیا اور لوگوں کو بلوے پر اکسانے کی تین دفعات لگائی گئیں۔مقدمے کی سماعت کی تاریخ ۲۸ ستمبر مقرر ہوئی۔میری ضمانت کی رقم پانچ ہزار ڈالر رکھی گئی جو ڈاکٹر ہوفمین نے جمع کرائی۔اس کامیابی پر میرے دوست مجھے جسٹس کے اڈے پر لے گئے۔

میری جمع شدہ ڈاک کے پلندے میں مجھے ساشا کا خط ملا جو خفیہ ذرائع سے آیا تھا۔وہ میری گرفتاری کی خبر پڑھ چکا تھا۔ ''اب تم میری ہم سفر لڑکی ہو'' اس نے لکھا۔بالآخر اس نے نولڈ اور باور سے رابطہ پیدا کرلیا تھا اور وہ لوگ جیل میں خفیہ طباعت اشاعت کررہے تھے۔انہوں نے پہلے ہی ایک نام رکھ لیا تھا جسے '' فیگان نس برودی'' (قید کا غچہ) کہا جاتا۔مجھے یوں لگا گویا میرے ضمیر پر سے بوجھ اتر گیا ہو۔وہ بیزاری کی دلدل سے نکل آیا ہے، وہ زندگی کے معاملات میں دلچسپی لے رہا ہے اور یہ اس کا معمول بن جائے گا۔اسے ایک الزام میں کوئی سات برس گزارنے ہوں گے۔ہمیں زور شور سے اس کی سزا میں تخفیف کے لیے تحریک چلانا ہوگی۔دل ہلکا ہوجانے پر میں اس خیال سے خوش تھی کہ شائید یہ بھی ممکن ہے کہ ہم ساشا کو اس کی جیتی قبر سے مڑا تڑا نکال لیں۔

جسٹس کا مے خانہ پر ہجوم تھا، مجھ سے ہمدردی ظاہر کرنے وہ لوگ آئے تھے جن سے میں پہلے نہیں ملی تھی۔اچانک میں ایک اہم شخصیت بن گئی جو میری سمجھ سے بالاتر تھا کہ ایسا کیوں ہے۔کیونکہ میں نے نہ کوئی ایسا کام کیا تھا نہ ہی ایسی بات کی تھی جو مجھ کو امتیاز کا مستحق بناتی۔مگر میں اس بات پر مسرور تھی کہ میرے نظریات میں لوگ اتنا دلچسپی لے رہے ہیں۔میرے ذہن میں ایک لمحے کے لیے یہ شک نہ گذرا کہ یہ سماجی نظریات ہیں جن کو میں بیان کرتی ہوں نہ کہ میری ذات۔یہی بات باعث کشش تھی۔ میرے مقدمے کی کارروائی مجھے اپنے خیالات کی نشر واشاعت کے لیے شاندار مواقع فراہم کرے گی۔مجھے اس کے لیے تیاری کرنا چاہئے۔میں عدالت میں جب اپنی صفائی پیش کروں گی تو انارکزم کا پیغام خود بخود سارے ملک میں پہنچ جائے گا۔

مجمع میں کلاوس ٹمرامان میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا اور میں سوچتی رہ گئی کہ کون سی ایسی بات ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ مجھ سے دور دور ہے۔میں اِڈ کی طرف مڑی اور پوچھ بیٹھی کہ اس کا کیا سبب ہے کہ ایسے موقع پر ہم سے نگاہیں چرا رہا ہے جب بے دام کی مے خواری ہورہی ہے۔اِڈ نے پہلے تو آنا کانی کی مگر میرے اصرار پر بتانے لگا کہ پولیس نے میری دادی کی کریانہ کی دکان پر اس توقع پر چھاپہ مارا تھا کہ میں وہاں ملوں گی۔بعد میں انہوں نے کلاوس کو دھرلیا۔مشہور یہ ہے کہ وہ زیادہ تر شراب کے نشے میں رہتا ہے اس لیے وہ میری جائے قیام کا پتہ اگل دے گا۔مگر کلاوس نے منہ کھولنے سے انکار کردیا۔جس پر انہوں نے اسے مار پیٹ کر بے ہوش کردیا اور اس کے بعد بجلی کی سرعت سے بلیک ویل کی جیل میں چھ ماہ کے لیے ڈال آئے۔الزام حراست سے بچنے کا لگایا۔

چونکہ میرے مقدمے کی سماعت شروع ہونے والی تھی اس لیے فیدیا، اِڈ، جسٹس اور دیگر لوگوں نے مشورہ دیا کہ مجھے وکیل کی خدمات حاصل کرنا چاہیں۔مجھے بھی یہ معلوم تھا کہ وہ اپنی جگہ صحیح ہیں۔ساشا کے جھوٹ موٹ کے مقدمے نے یہ ثابت بھی کردیا تھا۔اور اب کلاوس اور میرا بھی انجام وہی ہوگا اگر میں عدالت میں بغیر وکیل صفائی کے گئی۔مگر یہ لگتا تھا کہ اگر ہم نے ہاں کردی تو بات ساشا سے دغابازی کے زمرے میں آجائے گی۔اس نے مصالحت کرنے سے انکار کردیا جبکہ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ایک طویل قید اس کی منتظر ہے۔میں یہ کیسے کرسکتی ہوں؟ اپنی پیروی میں خود کروں گی۔

مقدمے کی سماعت شروع ہونے کی تاریخ سے ایک ہفتہ پہلے ساشا کا ایک خط مخفی ذرائع سے موصول ہوا۔اسے اب اندازہ ہوچکا تھا کہ بطور انقلابی امریکی عدالتوں میں ہماری شنوائی کی بہت کم گنجائش ہے۔لیکن دوسری صورت میں بلا قانونی صفائی کے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہماری ناکامی طے ہے۔اس نے اپنے موقف پر کوئی تاسف نہ کیا،لیکن پھر بھی کہا کہ یہ ایک انارکسٹ کے موقف سے مطابقت نہیں رکھتا کہ وہ کارکنوں کے پیسے سے ایک وکیل صفائی حاصل کرے اور رقم اس پر صرف کرے لیکن وہ محسوس کرتا ہے کہ میرے حالات کی نوعیت بالکل جدا ہے۔میں چونکہ ایک اچھی مقررہ ہوں اس لیے میں اپنے نصب العین کی عدالت میں عمدہ طریقے سے پرچار کرسکتی ہوں۔اور وکیل صفائی میری اظہار خیال کی آزادی کے تحفظ کا ضامن بنے گا۔اس کی تجویز تھی کہ کسی ایسے وکیل کی خدمات حاصل کی جائیں جو روشن خیالی کا حامی ہو مثلاً ہیو۔او۔پینٹی کوسٹ ممکن ہے اپنی خدمات بلا معاوضہ پیش کردے۔مجھے معلوم تھا کہ ساشا میری خیریت کے لیے اتنا متردد تھا جس نے اسے اس بات پر مجبور کردیا کہ جس شئے کو اس نے اپنے لیے مسترد کردیا تھا وہی مجھ سے قبول کرنے کا خواستگار تھا۔یا یہ بات تھی کہ اس کے اپنے تجربے نے اسے اپنی غلطی تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ساشا کے خط اور ایک بلا معاوضہ پیشکش نے مجھے فیصلہ بدلنے پر مجبور کردیا۔یہ پیش کش اے۔او کے ہال کی طرف سے تھی۔

میرے دوست خوشی میں پھولے نہ سماتے۔اے۔او کے۔ہال ایک نامور قانون داں تھا اس کے علاوہ روشن خیال بھی تھا۔ایک زمانے میں وہ نیویارک کا میئر بھی رہ چکا تھا۔مگر دیگر سیاستدانوں کی نظروں میں بہت جمہوریت نواز اور انسان دوست ثابت ہوا۔ایک نوعمر اداکارہ سے تعلقات نے ہال کو سیاسی طور سے ناقابل قبول بنادیا۔ہال طویل قامت اور امتیازی خدوخال کے ساتھ زندہ دل ہونے کی وجہ سے سفید بالوں کے باوجود اپنے سن سے کہیں کم عمر لگتا۔مجھے جستجو ہوئی کہ بلا معاوضے کے میرے مقدمے کی کیوں پیروی کرنا چاہتا ہے۔اس نے یہ وضاحت کی کہ اس کی جزوی وجہ تو مجھ سے ہمدردی ہے اور دوسرا سبب اس کا پولیس سے بیر ہے۔وہ اس کی چیرہ دستی سے واقف تھا۔اس کے علم میں تھا کہ وہ کس آسانی سے کسی فرد کو اس کی آزادی سے محروم کردیتی ہے۔اور وہ ان کے ہتھکنڈوں کو فاش کرنے کے لیے مضطرب تھا۔میرا مقدمہ اس کو اس کا موقع فراہم کرے گا۔آزادی گفتار کا معاملہ قومی دلچسپی کا تھا میری طرف سے بطور وکیل صفائی پیش ہونے سے خلقت کے سامنے اس کا نام روشن ہوگا۔مجھے اس کی صاف گوئی بھا گئی اور میں نے منظوری دے دی کہ وہ میرے مقدمے کی پیروی کرے۔

میرے مقدمے کی کارروائی ۲۸ ستمبر کو جج مارٹن کے سامنے شروع ہوئی۔دس دن سماعت جاری رہی۔اس تمام عرصے میں کمرہ عدالت اخباری نمایندوں اور میرے احباب سے بھرا رہتا۔وکیل استغاثہ نے میرے خلاف فرد جرم میں قابل تعزیر تین نکات پیش کیے۔مگر او کے ہال نے ان کے منصوبے پر اس طرح پانی پھیر دیا۔اس نے اس پر اصرار کیا کہ کسی فرد پر تعزیرات پر اس لیے منصفانہ مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا کیونکہ قانون شکنی محض ایک ہوئی ہے۔جج نے اس کی دلیل تسلیم کرلی۔تین میں سے دو تعزیریں بحث سے خارج کردی گئیں۔اور مجھ پر لوگوں کو بلوے پر اکسانے کے الزام پر مقدمہ چلنے لگا۔

مقدمے کے پہلے دن سہ پہر کے وقت میں اڈ،جسٹس اور جان ہیری میکے انارکسٹ شاعر کے ساتھ کھانے کے لیے گئی۔مگر جب عدالتی کارروائی اگلی صبح کے لیے ملتوی ہوئی اور میں وکیل کے ساتھ گھر کے لیے روانہ ہونے لگی تو ہمیں روکا گیا۔ہمیں بتایا گیا کہ سماعت کی تکمیل تک میں عدالت کی تحویل میں رہوں گی۔مجھے ٹومبس جانا ہوگا۔میرے وکیل نے احتجاج کیا کہ میں ضمانت پر ہوں۔اور یہ شرط صرف مقدمہ قتل کے ضمن میں موثر ہوسکتی ہے۔مگر ہماری ایک نہ چلی مجھے تحویل میں لے لیا گیا۔میرے دوستوں نے تالیاں بجا کر مجھے رخصت کیا وہ نعرے ہائے تحسین لگاتے اور انقلابی نغمے گاتے رہے۔جسٹس کی آواز کی گرج سب پر بھاری پڑ رہی تھی۔میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ پرچم بلند رکھیں اور مے نوشی کے وقت میرا جام بھی ضرور پئیں تاکہ وہ دن نصیب ہو جب عدالتیں اور جیل کے حکام کی ضرورت ہی نہ رہے۔

ریاست کی جانب سے کلیدی گواہ جاسوس جیکب تھا۔اس نے تحریری پرچے پیش کیے جو اس نے یونین سکوئر کے چبوترے پر تیار کیے تھے۔اس کے دعوے کے مطابق ان کاغذات میں میری تقریر الف سے یے تک درج تھی۔اس نے پڑھ کر بتایا کہ میں نے لوگوں سے کہا ''انقلاب،خوں ریزی اور فساد''۔بارہ اشخاص جو اس جلسے میں موجود تھے اور جنہوں نے مجھے بولتے ہوئے دیکھا تھا آگے آئے اور میری طرف سے گواہی دینے کو بولے۔ان میں سے ہر ایک نے یہی کہا کہ عملاً یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تحریری نوٹ تیار کر سکے جبکہ چبوترے پر بہت مجمع تھا۔ جیکب کی تحریر ہاتھ کی تحریریں پڑھنے کے ماہر کو دکھائی گئیں۔ اس نے یہ بیان دیا کہ یہ تحریریں نہایت اطمینان سے بیٹھ کر لکھی گئی ہیں جو کسی ہجوم میں کھڑے ہو کر لکھنا ممکن نہیں۔ لیکن جاسوس کے بیان کے خلاف نہ اس کی ماہرانہ رائے کی نہ ہی ان بارہ شہادتوں کی چلی۔ لیکن جب میں اپنی صفائی میں خود کھڑی ہوئی تو ڈسٹرکٹ اٹارنی میکلینٹائر کا سارا زور اس پر رہا کہ اس نے ہر اس چیز کے متعلق پوچھا جس پر سورج چمکتا ہے علاوہ یونین سکوئر پر ہونے والی تقریر کے۔ مثلاً مذہب، آزادانہ جنسی تعلقات، اصول اخلاق اور ان موضوعات پر میرے خیالات کیا ہیں؟ میں نے اصول اخلاق پر پڑی ہوئی منافقانہ نقاب کو اتار دیا، کلیسا کے متعلق بتایا کہ یہ غلامی کو دوام بخشنے والا ادارہ ہے اور عائد کردہ کوئی شے جسے تھوپا جائے اور آزادنہ ہو محبت کو چھوڑ کر ہر چیز ہو سکتی ہے۔ میکلینٹائر کی متواتر بے جا مداخلت اور جج کی اس بات کے اصرار نے کہ جواب ہاں یا ناں میں دیا جائے' سے بالآخر مجبور ہو کر میں نے اپنا کام ادھورا چھوڑ دیا۔

اپنی اختتامی تقریر میں میکلینٹائر نے اس نکتے پر فصاحت کے دریا بہا دیے کہ کیا نتائج ہوں گے اگر ''اس خطرناک عورت'' کو آزاد اور کھلا چھوڑ دیا گیا۔ جائیدادیں تہس نہس کر دی جائیں گی، دولتمندوں کے بچوں کا قلع قمع کر دیا جائے گا، نیویارک کے گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہنے لگیں گی۔ وہ اس ہیجانی انداز میں بول رہا تھا جس سے اس کا کلف دار کالر اور آستین بند پچکی ہو گئیں اور پسینہ ٹپکنے لگا۔ جو اس کی تقریر سے بھی زیادہ گرانی کا باعث بنا۔

اوکلے ہال نے ایک شاندار تقریر کی جس میں جیکب کی گواہی کا مضحکہ اڑایا پولیس کے وطیروں کی گوشمالی کی اور عدالت کے طور طریقوں کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اس کے موکل کا ایک آدرش ہے، اس نے بیانگ دہل کہا، ہماری دنیا کے عظیم نظریات مثالیت پسندوں کے مرہونِ منت ہیں۔ ایما گولڈمان کی تقریر سے کہیں زیادہ آتشیں تقاریر جو آج تک ہو چکی ہیں ان پر عدالتوں میں کبھی باز پرس نہیں ہوئی۔ امریکی دولت مند طبقے کو اس دن سے ہر چیز سرخ نظر آ رہی ہے جب سے گورنر الٹجیلڈ نے ان تین باقی ماندہ انارکسٹوں کو معافی دے دی۔ جن کا تعلق اس گروہ سے ہے جو ۱۸۸۷ء میں مصلوب ہوئے تھے۔ نیویارک پولیس کو یونین سکوئر کے جلسے کی صورت میں ایک نادر موقع ہاتھ آ گیا جس سے انارکسٹوں کی سرکوبی کی مہم میں ایما گولڈمان بھی دھر لیں گئیں۔ یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ اس کی موکلہ پولیس کے عقابی چنگل میں ہے۔ اس نے درخواست کی کہ اظہار رائے کی آزادی کے حق کے تحت قیدی کو بری کیا جائے۔

جج نے امن وامان کی صراحت کی، جائیداد کے تقدس کو بیان کیا اور اہم ضرورت ''امریکی اداروں کی خودمختاری'' پر زور دیا۔ جیوری نے غور وخوض کرنے میں بہت سا وقت لیا، سزا دینے پر وہ مائل نہ تھے۔ ایک مرتبہ یہ بھی ہوا کہ پیش کار ہدایات لینے کے لیے آ گیا۔ جیوری میری طرف کی ایک شہادت سے نہایت متاثر تھی جو نیویارک ورلڈ کا ایک نمایندہ تھا۔ وہ جلسہ گاہ میں موجود تھا اور جس نے تفصیلی ماجرا لکھ کر بیان کیا تھا۔ جب اس نے آئندہ صبح میں اخبار میں کہانی پڑھی تو پتہ چلا کہ اس میں بہت غتربود کیا گیا تھا، کہ اس نے بلا تاخیر عدالت میں حقائق بیان کرنے کے لیے پیش کش کی۔ جیسے ہی وہ گواہی کے کٹھرے میں کھڑا ہوا تو جیکب میکلینٹائر پر جھکا اور سرگوشی کرنے لگا معاً ایک عدالتی اہلکار کو عدالت کے باہر بھیجا گیا۔ وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ورلڈ کا وہی شمارہ تھا جو جلسے کے اگلے دن شائع ہوا تھا۔ نامہ نگار دفتر والے مدیر کو کسی کھلی عدالت میں نہ کھینچ سکا کہ اس نے روداد میں کتر بیونت کیوں کی۔ وہ پریشان ہو گیا، الجھن میں پڑ گیا اور دیکھنے میں اس کی حالت نہایت غیر ہو گئی۔ اس کی رپورٹ جو ورلڈ میں چھپی اور اس کا وہ بیان جو گواہی کے کٹھرے میں دیا گیا اس نے میرے انجام کا فیصلہ کر دیا۔ مجھے مجرم ٹھہرا دیا گیا۔

میرے وکیل نے اعلی عدالت میں اپیل کرنے پر اصرار کیا لیکن میں نے منع کر دیا۔ میرے مقدمے میں ہونے والی جعل سازی سے ریاست کے خلاف میرے جذبات اور پختہ ہو گئے اس لیے اب میں اس سے مزید رعائت مانگنے کی روادار نہ تھی۔ ایک حکم سے مجھے ۱۸ اکتوبر تک کے لیے ٹومبس بھیج دیا گیا جس دن فیصلے کا اعلان ہونا تھا۔

جیل روانگی سے پہلے مجھے دوستوں سے ملنے کے لیے ذرا دیر کی مہلت دی گئی۔ میں نے ان کے بھی سامنے وہی دہرایا جو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اوکلے ہال سے کہہ چکی تھی۔ میں اب کسی اپیل کی حامی نہیں ہوں۔ وہ متفق تھے معمولی سے مہلت کے علاوہ اب کچھ نہ حاصل ہوگا اور مقدمہ چلتا رہے گا۔ ایک لمحے کے لیے داخلی کمزوری نے مجھے مغلوب کرلیا، اِڈا کا خیال اور اس کی محبت، بھری جوانی جو خوشیوں کے مواقع سے بھری ہوئی تھی۔ دل تو مچل گیا۔ مگر مجھے اسی جانب جانا چاہیے جہاں مجھ سے پہلے بہت سے لوگ جا چکے ہیں۔ مجھے سال دو برس کی سزا ہوگی کیا اس کا موازنہ ساشا کے انجام سے ہوسکتا ہے؟ مجھے یہی راستہ اختیار کرنا ہے۔

سماعت مکمل ہونے والے دن اور فیصلہ کے اعلان والے دن کی درمیانی مدت میں اخبارات نے سنسنی خیز افسانے شائع کیے مثلاً ''انارکسٹ عدالت پر دھاوا بولنے کی منصوبہ بندی کررہے ہیں۔'' اور ''ایما گولڈمان کو بزور شمشیر چھڑانے کی تیاریاں۔'' پولیس اس کے لیے کمربستہ ہورہی ہے تاکہ ''اس صورت حال سے نمٹا جائے۔'' ریڈیکل حلقوں پر گہری نظر رکھی جارہی ہے۔ اور عدالتی عمارت پر کڑا پہرا ہے۔ قیدی، وکیل اور اخباری نمایندوں کے علاوہ کسی کو بھی فیصلے کے دن عدالت میں نہ داخل ہونے دیا جائے گا۔

میرے وکیل نے میرے دوستوں کو کہلا بھیجا تھا کہ وہ فیصلے کے دن اس لیے عدالت میں نہ موجود ہوگا کیونکہ ''میں اڑی ہوئی تھی کہ اعلیٰ عدالت میں اپیل نہیں کی جائے'' لیکن ہیو۔ او پینٹی کوٹ قریب ہی کہیں ہوگا، بطور وکیل کے نہیں بلکہ دوست کی حیثیت میں تاکہ میرے قانونی حقوق متاثر نہ ہوں اور مطالبہ کرے گا کہ مجھے بولنے کی اجازت دی جائے۔ اِڈا نے یہ اطلاع دی کہ دی نیویارک ورلڈ نے یہ پیشکش کی ہے کہ میں نے جو بیان عدالت میں پڑھنے کے لیے تیار کیا ہے وہ اسے شائع کرے گا۔ یہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد تک پہنچ جائے گا بہ نسبت اس تقریری بیان کے جو تم عدالت کے کمرے میں دوگی۔ میں سوچنے لگی کہ یہی ورلڈ تھا جس نے میری یونین سکویر کی تقریر کی جھوٹی رپورٹ شائع کی تھی اور اب میرے بیان کو چھاپنے کی پیش کش کررہا ہے۔ اِڈا بولا کہ سرمایہ دارنہ صحافت کی ناہمواری پر کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ کچھ بھی کہیے ورلڈ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اسے میری تقریر کا پروف پڑھنے کو دے گا۔ یوں اسے اطمینان ہوجائے گا کہ اس میں تحریف نہیں کی گئی۔ میرا بیان ایک خصوصی ضمیمے میں چھپے گا جو سزا سنانے کے بعد شائع ہوگا۔ میرے دوستوں نے مجھ سے کہا کہ میں ورلڈ کو مسودہ دے دوں اور میں نے حامی بھرلی۔

ٹومبس سے نیویارک کے راستے میں یوں لگا جیسے مارشل لا لگا ہو۔ کوچوں کے دونوں جانب پولیس کھڑی تھی۔ عمارت کو مسلح پولیس نرغے میں لیے تھی اور عدالت کی راہ داریاں پولیس افسران سے بھری ہوئی تھیں۔ میں کٹہرے میں طلب کی گئی اور پوچھا گیا کہ مجھے سزا کیوں نہ دی جائے۔ میرے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا۔ کیا مجھے بولنے کا موقع دیا جارہا ہے؟ نہیں، یہ ناممکن ہے۔ میں ایک مختصر بیان دے سکتی ہوں۔ تب میں صرف یہ کہوں گی کہ مجھے سرمایہ دارنہ نظام کی کسی عدالت سے انصاف ملنے کی توقع نہیں ہے۔ عدالت بدسے بدترین پر اتر سکتی ہے مگر وہ میرے نظریات بدلنے کی قوت سے محروم ہے۔ میں نے کہا۔

جج مارٹن نے مجھے بلیک ویل کے اصلاحی جیل میں ایک سال قید کی سزا سنائی۔ ٹومبس کی طرف جاتے ہوئے میں نے اخبار بیچنے والے لڑکوں کو چلاتے ہوئے سنا۔ ضمیمہ، ضمیمہ، ایما گولڈمان کا کمرہ عدالت میں خطاب! اور مجھے اس پر خوشی ہورہی تھی کہ ورلڈ اپنے وعدے پر قائم ہے۔ مجھے فوراً قیدیوں کی گاڑی میں بیٹھا کر کشتی کی طرف لے جایا گیا جو بلیک ویل جزیرے تک قیدیوں کو پہنچاتی ہے۔

یہ اکتوبر کا ایک روشن دن تھا۔ جب بجرا رواں تھا تو سورج پانی میں اٹکھیلیاں کررہا تھا۔ کئی نامہ نگار میرے ہمسفر تھے سب کا تقاضہ تھا کہ میں انٹرویو دوں۔ میں نے ہنس کر کہا کہ ''میں ملکہ کی طرح سفر کررہی ہوں'' ''میرے ظالم امراء کو دیکھو'' ''تم اس طفل کو نہیں دبا سکتے'' ایک نوعمر نامہ نگار باتحسین لہجے میں کہے جارہا تھا۔ جب میں جزیرے پر پہنچ گئی تب میں نے اپنے حفاظتی دستے کو الوداع کہا۔ انہیں تنبیہ کی کہ جہاں تک ممکن ہو جھوٹ لکھنے سے پرہیز کرو۔ میں نے نہایت خوشگوار انداز میں یہ کہا کہ میں ان سے سال بھر کے اندر دوبارہ ملوں گی اور پھر نائب تھانیدار کے ساتھ تختے چڑھنے لگی۔ سنگریزوں والا راستہ جیل کے دروازے پر ختم ہوتا تھا۔ راستے کے دونوں جانب درختوں کی قطاریں تھیں۔ وہاں پہنچ کر میں دریا کی جانب مڑی ایک آخری گہری سانس لی جو تازہ ہوا کی تھی اور اپنی نئی رہائش گاہ کی چوکھٹ کے پار قدم رکھ دیا۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۱۲

مجھے بڑی میٹرن نے بلا بھیجا جو طویل قامت اور جذبات سے عاری چہرے والی تھی۔اس نے میرا شجرہ پوچھنا شروع کر دیا۔ ''مذہب کیا ہے؟'' اس کا پہلا سوال یہ تھا'' کوئی بھی نہیں میں ایک بے دین ہوں۔۔'' بے دینی کی یہاں ممانعت ہے۔تمہیں گرجا گھر جانا پڑے گا۔'' میرا جواب تھا کہ میں ایسا کوئی کام نہ کروں گی۔میں کسی ایسی بات پر یقین نہیں رکھتی جس کے مسیح مبلغ تھے اور منافق بھی نہیں ہوں اس لیے شرکت بھی نہیں کروں گی۔اس کے علاوہ میرا تعلق یہودیوں سے ہے۔کیا یہاں کوئی کنیسا ہے؟

اس نے روکھے پن سے جواب دیا کہ یہودی مجرمان کے لیے یہاں ہفتے کی سہ پہر کو اجتماع ہوتا ہے لیکن چونکہ میں واحد یہودی عورت مجرمہ ہوں اس لیے وہ مجھے اتنے سارے مردوں میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ایک غسل اور قیدیوں کی وردی پہن لینے کے بعد مجھے ایک کوٹھری میں بھیج دیا گیا اور باہر سے تالا لگ گیا۔

مجھے وہی معلوم تھا جو موسٹ بلیک ویل جزیرے کے متعلق بتا چکا تھا کہ قید خانہ پرانا اور سیلن والا ہے،کوٹھریاں چھوٹی ہیں جن میں پانی اور روشنی نہیں ہے۔لہذا میں اس سب کے لیے تیار تھی جو میرا منتظر تھا،لیکن جوں ہی دروازے میں قفل لگا مجھے یہ تجربہ ہوا جیسے دم گھٹ رہا ہو۔اندھیرے میں میں نے ٹاپک ٹویئے مارے تو بیٹھنے کے لیے میرے ہاتھ ایک تنگ کھاٹ لگی۔اچانک سخت تکان نے مجھ پر غلبہ پالیا اور میں سو گئی۔

مجھے یوں لگا جیسے میری آنکھوں میں تیز جلن ہو رہی ہے اور میں خوف زدہ ہو کر اٹھ بیٹھی۔سلاخوں میں سے ایک لیمپ دکھایا جا رہا تھا۔''یہ کیا ہے'' میں چیخی یہ بھول چکی تھی کہ میں کہاں ہوں۔لیمپ کو نیچے کیا گیا اور میں نے دیکھا کہ ایک دبلا پتلا زاہد خشک چہرہ میری طرف گھور رہا ہے۔ایک نرم آواز نے مجھے غافل نیند سونے پر مبارک باد دی۔یہ شام والی میٹرن تھی جو اپنے معمول کے گشت پر تھی۔اس نے مجھے کپڑے اتارنے کو کہا اور رخصت ہو گئی۔

مگر اس رات اب میرے لیے نیند ختم ہو چکی تھی۔کھردرے کمبل کی جھنجلاہٹ،سایوں کا سلاخوں میں سے چھن کر گزرنا ان سب نے مجھے اس وقت تک جگائے رکھا یہاں تک کہ ایک گھنٹال کی آواز نے مجھے کھڑا کر دیا۔کوٹھریوں کے قفل کھولے جا رہے تھے اور دروازے، چرچرا کر کھل رہے تھے۔نیلی اور سفید دھاری دار جانیں جن پر مردنی طاری تھی خود کار انداز سے قطار بنا رہی تھیں، میں بھی ان کا ایک حصہ تھی۔''قدم بڑھاؤ!'' قطار غلام گردش سے متصل سیڑھیوں سے اتر کر ایسے کنارے پر جا پہنچی جہاں منہ ہاتھ دھونے کی جگہ تھی اور تولیے بھی تھے۔مزید حکم ''دھو''۔اور ہر ایک تولیہ لینے کے لیے شور مچانے لگا جو استعمال شدہ اور گیلی تھیں۔اس سے پہلے کہ میں اپنے ہاتھ اور چہرے پر پانی کی چھینٹے مار کر اور پونچھ کر نیم خشک ہو پاتی،حکم جاری کیا گیا کہ ''واپس چلو۔''

ناشتہ،روٹی کے ایک ٹکڑے ٹین کے ایک پیالے میں کتھی رنگ کے گرم پانی پر مشتمل تھا۔پھر قطار بنی اور برہنہ انسانیت جدا جدا کر کے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں روزمرہ کے کاموں کی طرف روانہ کر دی گئیں۔عورتوں کی ایک ٹکڑی کے ساتھ مجھے بھی سلائی کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

قطار بنانے کا طریقہ تھا۔۔''آگے بڑھو!''۔۔جو دن میں تین مرتبہ اور ہفتے کے ساتوں دن دہرایا جاتا۔ہر کھانے کے بعد دس منٹ بات چیت کرنے کی مہلت دی جاتی۔جذبات میں بھرے ہوئے نفوس کے منہ سے الفاظ کا لاوا ابلنے لگتا۔ہر قیمتی پل

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کے ساتھ صداؤں کا غوغا بلند ہوتا جاتا اور پھر یکا یک خاموشی۔

سلائی کا کمرہ بڑا اور روشن تھا۔ بلند کھڑکیوں سے عموماً سورج کی روشنی آجاتی کرنیں کمرے کی دیواروں کی سفیدی کو بڑھا دیتیں اور لباس کے ضابطے کی یکسانی بھی گھٹ جاتی۔ تیز روشنی میں خدوخال جھولے دار اور بھدے لباسوں میں اور بھونڈے لگتے۔ پھر بھی یہ دکان کوٹھری کے مقابلے میں روح افزا جگہ تھی۔ میری کوٹھری جو سطح زمین پر تھی دن میں بھی ملگجی اور سیلی ہوئی رہتی۔ اوپری منزل پر واقع کوٹھریاں قدرے روشن تھیں۔ جو سلاخوں سے ملی ہوئی تھیں وہاں اس روشنی میں مطالعہ بھی کیا جاسکتا تھا جو غلام گردش کی کھڑکیوں میں سے آتی۔

رات میں کوٹھریوں کے بند کیے جانے کا عمل پورے دن کے مقابلے میں بدترین تجربہ ہوتا۔ سزایافتگان کو بلند ہوتے ہوئے راستے پر معمول کی قطار میں چلنے کو کہا جاتا۔ جب کوٹھری آتی تو ایک قطار سے نکل جاتی، اندر داخل ہوجاتی اور لوہے کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر حکم کا انتظار کرتی، ''بند کرو''۔ یوں ایک دھماکے سے ستر دروازے بند ہوجاتے۔ ہر قیدی خود کو اندر مقفل کرلیتی۔ اس سے بھی زیادہ مصیبت اور توہین آمیز وقت وہ ہوتا جب بیڑی پہنے ہوئے سزایافتگان کو دریا کی جانب چلنے کو کہا جاتا۔ وہ گو سے بھری بالٹیاں اٹھائے ہوتیں جو گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں جمع ہوتا۔

مجھے سلائی کا شعبہ سونپ دیا گیا۔ میرا کام کپڑے کی کٹائی اور دو درجن ملازم خواتین میں کام کی تقسیم تھی۔ اس کے علاوہ مجھے آنے والے ساز وسامان اور تیار سامان کے گٹھروں کا حساب کتاب رکھنا تھا۔ میں نے یہ ذمہ داری بخوشی قبول کرلی۔ اس کے ذریعے میں نے جیل کی بے کیف زندگی کو فراموش کرنا سیکھ لیا۔ مگر شامیں جان لیوا ہوتیں۔ شروع کے چند ہفتے تو یہ ہوا کہ تکیے پر سر رکھتے ہی میں سو جاتی۔ تاہم بہت جلد یہ ہونے لگا کہ راتیں مجھے ماہی بے آب کی طرح تڑپتا پانے لگیں اور میں نیند کی آرزو کرتی رہتی۔ وہ ڈراؤنی راتیں۔۔ اگر مجھے سزا میں روایتی تخفیف مل جاتی ہے تو بھی مجھے دو سو نوے گزارنی ہوں گی۔ دو سو نوے۔۔۔ اوپر سے ساشا کا خیال؟ یہ میری عادت پڑ گئی کہ میں لیٹے لیٹے اندھیرے میں حساب لگاتی رہتی کہ اس کے سامنے کتنے دن اور کتنی راتیں ہیں۔ بفرض محال اگر وہ پہلی سزا کے سات سال کاٹ کر نکلتا ہے تب بھی اسے پچیس سو راتیں بسر کرنا ہیں! مجھے اس خوف نے جکڑ لیا کہ ساشا جانبر نہ ہوسکے گا۔ اس کے علاوہ کوئی شے نہیں ہے جو لوگوں کو پاگل کردے، جتنی میرے خیال میں جیل کی بے خواب راتیں کرسکتی ہیں۔ موت اس سے بہتر ہے۔ میں سوچتی۔ موت؟ فرک نہ مرا لیکن ساشا کی تابناک جوانی، اس کی زندگی، اور کئی حسرتیں جنہیں وہ نکال لیتا۔ وہ سب نچھاور ہورہی تھیں۔۔ شائید بے مقصد۔ لیکن۔۔ کیا ساشا کی کارروائی ضائع ہوگئی؟ کیا میرے انقلابی عقاید دوسروں کے اقوال اور اسباق کی محض بازگشت ہیں؟ نہیں، بے سود نہیں ہیں۔ میرے اندر کسی شے نے زور دے کر سمجھایا۔ کسی بڑے مقصد میں دی گئی قربانی رائیگاں نہیں جاتی۔

ایک دن بڑی میٹرن نے مجھ سے کہا کہ مجھے ان عورتوں کی محنت سے اچھے نتائج حاصل کرنا چاہیے اس کے بقول، اس قیدی کے زمانے میں جو مجھ سے پہلے سلائی کی دکان پر کام لیتی تھی یہ عورتیں زیادہ کام نہیں کررہیں۔ مجھے یہ بات ناگوار گزری۔ آیا میں کنیزیں ہانکنے والی ہوں۔ وجہ یہ تھی کہ میں غلام اور کنیزوں کے علاوہ ان کے ہانکنے والوں سے نفرت کرتی ہوں۔ میں نے میٹرن کو آگاہ کردیا کہ میری حیثیت یہاں ایک قیدی کی ہے۔ میں خود کو یہاں کے لاتعداد مکینوں میں سے ایک سمجھتی ہوں اور ان سے افضل نہیں ہوں۔ میں اس پر کاربند ہوں کہ میرے کسی فعل سے میرے نصب العین کی نفی نہ ہونی چاہیے۔ میں سزا پانے کو ترجیح دوں گی۔ قانون شکن قیدیوں سے یہ سلوک کیا جاتا کہ انہیں ایک کنارے پر واقع تختہ سیاہ کے سامنے کھڑا کرکے پابند کردیا جاتا کہ اسی حالت میں وہ گھنٹوں کھڑے رہیں۔ اس تمام عرصے میں میٹرن کی چوکس نظریں وہیں لگی رہتیں۔ مجھے یہ سب حقیر اور توہین آمیز لگتا۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اگر میری توہین کی گئی تو میں اپنی وارداتوں میں اضافہ کردوں گی چاہے مجھے زیرزمین قیدخانے میں رہنے کی سزا ملے۔ دن گزرتے رہے لیکن مجھے کوئی سزا نہ ملی۔

جیل میں خبریں حیران کن برق رفتاری سے پھیلتی ہیں۔ چوبیس گھنٹے کے اندر جیل کی سب عورتوں کو معلوم ہوگیا کہ میں نے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کنیزیں ہانکنے سے انکار کر دیا ہے۔مگر ان کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔لیکن انہیں مجھ سے الگ کر دیا گیا۔انہیں یہ بتایا گیا کہ میں ایک خطرناک ''انارکسٹ'' ہوں اور میں خدا پر یقین نہیں رکھتی۔انہوں نے مجھے کبھی گرجا میں نہ دیکھا اور نہ میں ان کی دس منٹ والی ذوق وشوق والی بات چیت میں حصہ لیتی۔میں ان کی نگاہوں میں عجوبہ روزگار چیز تھی۔لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ میں نے ان پر چودھراہٹ چلانے سے انکار کر دیا ہے تو ان کی لاتعلقی ختم ہوگئی۔اتوار کے دن گرجا کی عبادت کے بعد تمام کوٹھریاں اس لیے کھول دی جاتیں تا کہ سب عورتوں کو گھنٹہ بھر کے لیے میل جول کا موقع مل جائے۔اگلے اتوار کو میری کوٹھری میں ہر عورت ملنے آئی۔وہ سمجھ گئیں کہ میں ان کی دوست ہوں اور انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ میرے لیے ہر کام کرنے کو تیار ہیں۔جولڑکیاں دھوبی گھاٹ پر کام کرتی تھیں انہوں نے میرے کپڑے دھو کر دینے کو کہا اور وں نے میرے موزے رفو کر دینے کی پیش کش کی۔ہر ایک میرے لیے کچھ نہ کچھ کرنے کو کمر بستہ تھی۔میرا جی بھر آیا۔یہ غریب مخلوق جو معمولی سی مہربانی کے لیے مری جارہی تھیں جس کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی ان کے محدود فہم سے دور تھا۔اس دن کے بعد سے وہ میرے پاس اپنی تکالیف بیان کرنے لگیں، بڑی میٹرن سے اپنی نفرت میں ان کی ہمراز بن گئی کہ وہ کس طرح مردقیدیوں پر لٹو ہو چکی ہیں' عشوہ گری کرنے کے لیے ان کی خوش تدبیریاں جو وہ اہلکاروں کی عین نگاہوں کے سامنے کرتیں میرے لیے حیران کن تھیں۔

ٹومبس میں میرے تین ہفتے کے قیام نے میرے انقلابی دعوے کی تصدیق کے لیے کافی ثبوت بہم پہنچا دیے تھے کہ جرم مفلسی کی پیداوار ہے اور مبنی بر حقیقت ہے۔زیادہ تر افراد جن کے مقدمات سماعت کے منتظر تھے ان میں سے اکثریت کا تعلق سماج کے سب سے نچلے طبقے سے تھا۔مرد وزن جن کا کوئی دوست نہ تھا اور ان میں زیادہ تر بے گھرے تھے۔بدقسمتی سے وہ تعلیم سے بھی بے بہرہ تھے لیکن پھر بھی دل میں امید کے روشن دیے اس لیے ٹمٹمار ہے تھے کہ کہ ابھی تک انہیں سزا نہیں ہوئی تھی مگر تقریباً تمام حوالاتیوں میں اصلاح کی بے نام سی تمنا موجود تھی۔اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ذہنوں کے نہاں خانوں میں خوف اور اوہام بیٹھے ہیں جو ان کو غلامی کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں۔ستر حوالاتیوں میں بہ مشکل چھ ایسے ہوں گے جن میں معمولی سی ذہانت تھی باقی ماندہ راندۂ سماج تھے اور سماجی احساس سے محروم۔ان کے ذاتی آلام ان کے خیالات پر حاوی تھے اور یہ بات ان کے ذہن سے بالاتر تھی کہ وہ ان حالات کے سلسلے کا شکار ہیں جن کا تعلق ناانصافی اور عدم مساوات کی ایک نہ ختم ہونے والی زنجیر سے جڑا ہوا تھا۔بچپن سے انہیں ان تین باتوں کے علاوہ کچھ نہ معلوم تھا یعنی غربت، غلاظت اور محتاجی۔رہائی کے بعد یہی صورت حال ان کی منتظر ہوگی۔اس کے باوجود ان میں ہمدردی، جاں نثاری اور فیاضی بھی رنگ دکھاتی تھی۔بہت جلد وہ گھڑی آن پہنچی جب میں پوری طرح قائل ہوگئی تو میں بیمار پڑ گئی۔

کوٹھری کے سیلے پن اور اواخر دسمبر کی سردی سے میری دیرینہ جوڑوں کے درد کی تکلیف عود کر آئی۔کئی دن تک تو بڑی میٹرن نے اس بات کی مخالفت کی کہ مجھے اسپتال لے جایا جائے۔لیکن بالآخر وہ گشت پر آنے والے ڈاکٹر کے احکام پر جھکنے پر مجبور ہوگئی۔

بلیک ویل اصلاحی جیل کے اسیر ایک ''باضابطہ'' شفاخانہ نہ ہونے سے اس معاملے میں خوش نصیب تھے۔وہاں قیام پذیر تمام نفوس کو خیراتی اسپتال سے طبی امداد ملتی تھی جو نزدیک ہی تھا۔اس ادارے میں گریجویٹ طلباء کو مزید چھ ہفتے کی تعلیم دی جاتی تھی جس کے معنی یہ ہوئے کہ عملہ تواتر سے بدلتا رہتا۔وہ سب نیویارک شہر کے ایک دورہ کرنے والے ڈاکٹر وہائیٹ کی براہ راست نگرانی میں ہوتے جو ایک انسانیت نواز اور رحمدل شخص تھا۔قیدیوں کو ملنے والی علاج معالجے کی سہولتیں اتنی اچھی تھیں جتنی نیویارک کے کسی اسپتال میں میسر آسکتی تھیں۔

مریضوں کا ہال عمارت کا سب سے بڑا اور روشن ترین کمرہ تھا۔اس کی طویل وعریض کھڑکیوں سے آپ ایک کشادہ لان پر نظر ڈال سکتے تھے جو جیل کے سامنے پڑتا تھا۔آگے بڑھ کر ایسٹ ریور آجاتا تھا۔خوشگوار موسم میں اندر دھوپ پھیلی رہتی۔مہینہ بھر کے آرام، ڈاکٹروں کی عنایات اور میرے ساتھی قیدیوں کی خیال رکھنے والی توجہ سے درد میں افاقہ ہوگیا اور میں پھر سے چلنے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پھرنے لگی۔

اپنے ایک گشت کے دوران میں ڈاکٹر میرے پائینتی لگے ہوئے کارڈ کو اٹھا کر پڑھنے لگا جس میں میرے جرائم اور شجرہ نسب درج تھا۔ ''بلوہ پر اکسانے والی'' پڑھ کر کہنے لگا ''کیا بکواس ہے! مجھے تو یقین نہیں آتا کہ تم ایک مکھی بھی مار سکتی ہو۔ تم فساد پر کیسے اکسا سکتی ہو!'' کھی کھی کر کے ہنسا، پھر پوچھنے لگا کیا تم اسپتال میں رہ کر بیماروں کی دیکھ بھال کرنا پسند کرو گی۔'' کیوں نہیں، بے شک'' میں نے جواب دیا ''لیکن میں نرسنگ کے معاملے میں صفر ہوں۔ اس نے مجھے تسلی دی کہ جیل میں بھی کوئی نہیں جانتا۔ وہ شہر کی انتظامیہ کو اس بات پر کچھ عرصے سے آمادہ کر رہا تھا کہ ایک تربیت یافتہ نرس کو اس وارڈ کا نگراں مقرر کرے۔ مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ جراحی اور سنگین معاملات کے لیے اسے خیراتی اسپتال سے نرس لانا پڑتی تھی۔ میں بہ آسانی ابتدائی چیزیں سیکھ سکتی تھی جن کا تعلق تیمارداری سے ہے۔ وہ مجھے نبض دیکھنا، درجہ حرارت لینا اور اس سے ملتی جلتی خدمات سکھا دے گا۔ اگر میں ٹھہرنا چاہوں تو وہ وارڈن اور بڑی میٹرن سے بات کرے۔

جلد ہی میں نے کام سنبھال لیا۔ وارڈ میں سولہ بستر تھے جو زیادہ تر بھرے رہتے۔ مختلف بیماریوں کا علاج اسی کمرے میں کیا جاتا، سنگین جراحی سے تپ دق تک، نمونیا اور ولادتیں۔ میرے اوقات کار طویل اور محنت طلب ہوتے۔ مریضوں کی کراہیں اعصاب شکن ہوتیں۔ مگر میں اپنے کام کو پسند کرتی تھی۔ اس سے مجھے یہ موقع ملا کہ میں بیمار عورتوں کے قریب رہ کر ان کی زندگیوں میں تھوڑی سی خوشی لے آئی۔ میں ان کے مقابلے میں کہیں زیادہ دولتمند تھی، مجھے محبت اور دوستوں کی نعمت حاصل تھی۔ روزانہ بہت سے خط ملتے اور اڈ کے پیغامات آتے۔ کچھ آسٹریا کے انارکسٹ جو ایک ریسٹورنٹ کے مالک تھے روزانہ مجھے عشائیہ بھیجتے۔ جسے کشتی تک اڈ پہنچانے آتا۔ فید یا ہر ہفتے پھل اور مٹھایاں بھیجتا۔ میرے پاس دینے کو بہت کچھ تھا۔ یہ ایک بڑی مسرت ہوتی جب میں اپنی بہنوں کے لیے اس میں سے حصہ نکالتی جن کا نہ کوئی دوست تھا۔ نہ ہی توجہ دینے والا۔ ان میں چند ایک استثنیات بھی تھیں مگر اکثریت کے پاس کچھ نہ تھا۔ نہ انہیں پہلے کچھ میسر آیا تھا نہ ہی رہائی کے بعد کچھ ملنے والا تھا۔ انہیں سماج کے گھورے پر کوڑھی سمجھ کر پھینک دیا جاتا۔

بتدریج اسپتال کا یہ وارڈ مجھے سونپ دیا گیا۔ میرے فرائض میں یہ بھی تھا کہ بیمار قیدیوں کو جس کی اجازت تھی اس خصوصی غذا کا حصہ برابر سے دوں، جو سیر بھر دودھ، بڑے گوشت کی پیالہ بھر یخنی، دو انڈے' دو خستہ بسکٹ اور ہر معذور کے لیے شکر کی دو ٹکیاں' کئی موقعوں پر دودھ اور انڈے غائب ہوتے۔ جو میں دن کی میٹرن کے علم میں لے آئی۔ جس نے مجھے بعد میں بتلایا کہ بڑی میٹرن کے بقول اس کو کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ چند مریض اتنے تندرست ہیں کہ بغیر خصوصی غذا کے بھی جی سکتے ہیں۔ مجھے اس بڑی میٹرن کے اطوار سمجھنے کے لیے کافی موقع ملے جو ہر اس شخص سے نفرت کرتی تھی جو اینگلو سیکسن (جرمنی اور برطانیہ سے مخلوط) نہ ہوتا۔ اس کا نشانہ بالخصوص آئرش اور یہودی بنتے۔ جن سے وہ عادتاً امتیازی رویہ رکھتی۔ اس کا یہ پیغام سن کر مجھے کوئی حیرانی نہ ہوئی۔

چند دنوں کے بعد جو قیدی اسپتال کا راشن لایا کرتا تھا اس نے مجھے بتایا کہ غائب ہو جانے والا حصہ بڑی میٹرن نے دو گراں ڈیل سیاہ فاموں کو دے دیا تھا۔ اس سے بھی مجھے حیرانی نہ ہوئی۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ رنگدار مکینوں کی شائق ہے۔ وہ انہیں شاذ و نادر سزا دیتی اور اکثر انہیں خلاف معمول سہولتیں دیتی۔ اس کے عوض اس کے چہیتے' ساتھی قیدیوں کی جاسوسی کرتے، یہاں تک کہ ان پر بھی جو ان کے ہم رنگ تھے اور جنہیں رشوت ستانی پر نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ میں ذاتی طور پر رنگدار لوگوں سے کوئی تعصب نہیں رکھتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں ان کے لیے دکھی رہتی کیونکہ ان سے امریکہ میں غلاموں کی طرح سلوک کیا جاتا۔ مگر میں امتیاز سے متنفر تھی۔ اس تصور سے کہ بیمار لوگ چاہے وہ سفید ہوں یا رنگدار ان سے ان کا راشن چھین لیا جائے اور موٹے مسٹنڈے لوگوں کو کھلا دیا جائے اس سے میرا احساس عدل مجروح ہو جاتا۔ لیکن میں اس معاملے میں کچھ کرنے سے قاصر تھی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اس عورت سے میری پہلی جھڑپ کے بعد اس نے مجھے تنہائی میں ڈال دیا۔ پہلی مرتبہ تو وہ اس لیے خفا ہوئی کہ میں نے ایک قیدی کے خط کو جو روسی زبان میں تھا ترجمہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے مجھے اپنے دفتر میں طلب کیا تھا کہ میں خط پڑھ کر اس کے مندرجات سے اسے آگاہ کروں۔ جب میں نے دیکھا کہ خط میرے لیے نہیں ہے۔ تو میں نے اسے بتا دیا کہ محکمہ جیل نے مجھے بطور مترجم نہیں رکھا۔ اور حکام کی یہ بری عادت ہے کہ وہ مظلوم قیدیوں کی ذاتی ڈاک کو پڑھیں۔ لیکن میں اسے نہیں پڑھوں گی۔ وہ کہنے لگی کہ تم بڑی احمق ہو جو میری خیر خواہی سے فائدہ نہیں اٹھا رہی ہو۔ میں تمہیں مستقل کوٹھری میں رکھ سکتی ہوں۔ اور تمہیں اچھے رویے کے عوض سزا میں ملنے والی تخفیف سے محروم کر سکتی ہوں اور تمہاری بقیہ سزا کو تکلیف دہ بنا سکتی ہوں۔ تم جو چاہے کرو، میں نے اس سے کہا، مگر میں اپنی بدنصیب بہنوں کے نجی خطوط پڑھ کر نہیں سناؤں گی۔ ترجمہ کرنا تو رہی دور کی بات۔

فوراً ہی کم ہو جانے والے راشن کا ذکر آ گیا۔ بیمار عورتوں کو شک ہونے لگا کہ انہیں پورا راشن نہیں مل رہا انہوں نے اس کی شکایت ڈاکٹر سے کر دی۔ اس کے براہ راست استفسار پر مجھے حقیقت بیان کرنا پڑی۔ مجھے یہ تو نہ معلوم ہو سکا کہ اس نے قانون شکن میٹرن سے کیا کہا مگر راشن کی مقررہ مقدار آنے لگی۔ دو روز کے بعد مجھے سیڑھیوں کے نیچے لے جا کر زمین دوز قید خانے میں بند کر دیا گیا۔

میں بارہا قیدی خواتین پر زمین دوز قید خانے میں رہنے کے اثرات دیکھ چکی تھی ایک مکین کو تو اٹھائیس دن تک وہاں رکھا گیا اور صرف روٹی اور پانی پر حالانکہ قوانین میں اس بات کی ممانعت تھی کہ کسی کو اڑتالیس گھنٹوں سے زیادہ رکھا جائے۔ اسے ڈولی پر اٹھا کر نکالا گیا اس کے ہاتھ اور پیر سوج گئے تھے اور پورا بدن خارش زدہ تھا۔ اس بیچاری اور دوسروں نے وہاں کی جو تفصیلات بتلاتی تھیں تو میں مضمحل ہو جاتی۔ لیکن میں نے جو بھی سنا تھا اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ کوٹھری سنگی تھی آپ وہاں پتھر کے فرش پر بیٹھ یا لیٹ سکتے تھے دیواروں کی سیلن نے تہہ خانے کو ایک مردہ خانہ بنا دیا تھا۔ اس سے بھی بڑی برائی یہ تھی کہ بندش کے بعد وہاں روشنی اور ہوا کا گزر نہ ہوتا۔ تاریکی اتنی گہری کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے دلدل نگلے جا رہی ہو۔ ''ہسپانیہ میں حکومت کے ذریعے بے دینی ختم کرنے کی مہم کو امریکہ میں دوبارہ زندگی مل گئی ہے'' یہ موسٹ کا تجزیہ تھا۔ اس نے کسی مبالغے سے کام نہیں لیا تھا۔

جب مجھ پر دروازہ بند ہو چکا، میں ساکت کھڑی تھی۔ خوف طاری تھا کہ آیا مجھے بیٹھنا چاہیے یا دیوار سے ٹیک لگا لوں۔ تب میں ٹاپک ٹوئیاں مار کر دروازہ تلاش کرنے لگی۔ بتدریج سیاہی زردی میں بدلنے لگی۔ یوں لگا جیسے کوئی دبے پاؤں میری طرف آ رہا ہے۔ قفل میں کنجی گھومنے کی آواز سنائی دی۔ ایک میٹرن نمودار ہوئی۔ میں مس جانسن کو پہچان گئی یہ وہی تھی جس نے جیل کی میری پہلی رات میں مجھے سوتے میں ڈرایا تھا۔ جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا اور جو بھی تعریف کروں کم ہے کہ اس کی ذات کس قدر خوبصورت تھی۔ اس کی شفقتیں جو وہ قیدیوں پر ارزاں کرتی ان کی بے کیف زندگی میں امید کی ایک کرن ہوتی۔ پہلی ہی نظر میں گویا اس نے مجھے اپنے دل میں بسا لیا اور انجانے طریقوں سے وہ اپنی شفقت دکھاتی۔ راتوں میں اکثر جب سب سو جاتے اور جیل پر سناٹا طاری ہوتا تو مس جانسن اسپتال کے وارڈ میں نمودار ہوتی اپنی گود میں میرا سر رکھ کر آہستہ آہستہ میرے بالوں پر ہاتھ پھیرتی۔ میری توجہ ہٹانے کے لیے وہ اخباروں کی خبریں سنانے لگتی تا کہ میری بیزاری ختم ہو اور میں مسرور ہو جاؤں۔ مجھے معلوم تھا کہ اس عورت کی ذات میں مجھے ایک دوست مل گیا جسے کبھی بھی مرد یا بچے کی محبت نصیب نہ ہوئی تھی۔

وہ زمیں دوز کوٹھری میں آئی تو کمبل اور ایک چھوٹی کرسی لیے تھی۔ ''تم اس پر بیٹھ سکتی ہو'' وہ بولی ''اور لپیٹ لو۔ میں دروازہ تھوڑا سا کھلا رکھوں گی تا کہ ہوا آتی رہے۔ تمہارے لیے گرم کافی بعد میں لاؤں گی۔ یوں تمہاری رات گزر جائے گی۔'' اس نے یہ بھی کہا کہ یہ میرے لیے کتنی دردناک بات ہے کہ میرے ہوتے ہوئے قیدی ان جان لیوا کوٹھریوں میں بند ہیں۔ لیکن میں ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتی کیونکہ ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ میرا معاملہ جدا ہے اسے اطمینان تھا۔

علی الصبح پانچ بجے میری دوست کو کرسی اور کمبل لے جانا پڑتا اور باہر سے تالا لگانا پڑتا۔ زمیں دوز کوٹھری کا تسلط اب ختم ہو چکا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تھا۔مس جانسن کی انسانیت میں تاریکی تحلیل ہو چکی تھی۔

جب مجھے زمیں دوز کوٹھری سے نکال کر اسپتال بھیجا گیا، مجھے یوں لگا جیسے دوپہر ہو۔بعد میں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر واہیٹ نے میرے متعلق پوچھا تھا اور جب اسے یہ بتایا گیا کہ مجھے سزا دی گئی ہے تو اس نے دوٹوک الفاظ میں میری رہائی کا مطالبہ کر دیا۔

جب تک قیدی ایک ماہ سزا نہ گزار لیتی کسی ملاقات کی اجازت نہ تھی۔جب سے میں یہاں آئی تھی میں اِڈ کے لیے تڑپ رہی تھی۔اس کے ساتھ اس کی آمد سے بھی خوفزدہ تھی۔مجھے ساشا کے پاس اپنا اندوہناک پھیرا یاد تھا۔مگر یہاں بلیک ویل جزیرے میں معاملہ اتنا تکلیف دہ نہ ہوا۔میں اِڈ سے ایسے کمرے میں ملی جہاں پر دیگر قیدی اپنے دوستوں اور عزیزوں سے مل رہے تھے۔ہمارے بیچ کوئی محافظ نہ تھا۔ہر ایک اپنے ملاقاتی میں اتنا منہمک تھا کہ کسی نے ہم پر توجہ نہ دی پھر بھی ہمیں تکلف گھیرے تھا۔اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے ہوئے ہم عام معاملات پر گفتگو کرتے رہے۔

میری دوسری ملاقات اسپتال میں آئی۔مس جانسن اس وقت ڈیوٹی پر تھی۔کچھ سوچ کر اس نے ایک پردہ ڈال دیا اور ہم دوسرے مریضوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔جبکہ وہ خود دور جا بیٹھی۔اِڈ مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔اس کی گرم آغوش کا دوبارہ میسر آنا، اس کے دل کی دھڑکن کا سننا اور اس کے ہونٹوں سے ترسیدہ چسپاں ہونا میرے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔لیکن اس کی روانگی میرے لیے قیامت سے کم نہ تھی میں اپنے محبوب کو پا لینے کے جنون میں گھلی جا رہی تھی۔دن بھر تو میں اپنی رگوں میں ابلتی خواہشات کو دباتی رہی مگر رات میں پیڑو کی آنچ سے مغلوب ہو گئی۔کسی طرح نیند آ گئی۔مگر کیسی جسے خوابوں نے بے چین کر رکھا تھا جن میں مخمور راتوں والی شبیہیں اور اِڈ کا ساتھ تھا۔آزمائش کڑی نہایت اذیت رساں اور ہلکان کرنے والی تھی۔میں اس وقت خوش ہو گئی جب اگلی مرتبہ وہ اپنے ہمراہ فیدیا اور دیگر دوستوں کو بھی لایا۔

ایک مرتبہ اِڈ والیٹر این ڈی کلیر کو ساتھ لایا۔اسے نیویارک کے دوستوں نے ایک جلسے سے خطاب کرنے کی دعوت دی تھی جو میرے لیے ہو رہا تھا۔جب میں اس سے ملنے فلیڈیلفیا گئی تھی تو بیماری کی وجہ سے اس کا بولنا دوبھر تھا۔مجھے یہ موقع ملنے پر خوشی ہوئی کہ میں اس سے مراسم بڑھا سکتی ہوں۔ہم نے ان چیزوں کے متعلق گفتگو کی جو ہمیں دل سے عزیز تھیں۔ساشا اور تحریک۔والیٹیر این نے میری رہائی پر مجھ سے آ ملنے کا وعدہ کیا تا کہ ساشا کی رہائی کی کوئی سبیل نکالی جائے۔اس اثنا میں وہ اس سے خط و کتابت کرتی رہے گی، اس نے کہا اِڈ بھی اس سے رابطے میں رہے گا۔

میرے ملاقاتیوں کو ہمیشہ اسپتال کی طرف بھیج دیا جاتا۔اس لیے میں حیران ہو گئی جب مجھے وارڈن کے آفس میں کسی سے ملنے کے لیے طلب کیا گیا۔یہ جون سوینٹن اور اس کی اہلیہ نکلے۔سوینٹین ملک گیر شہرت کا آدمی تھا۔وہ شراب بندی کے خلاف اور انسداد غلامی کے حامیوں کے ساتھ مل کر کام کر چکا تھا اور خانہ جنگی میں لڑ چکا تھا۔'نیویارک سن' کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت میں اس نے ان یورپین پناہ گزینوں کی حمایت کی تھی جو ریاست ہائے متحدہ میں سیاسی پناہ کی تلاش میں پہنچے تھے۔وہ ابھرتے ہوئے نوجوان ادیبوں کا دوست اور مشیر تھا اور وہ اس جیش کا پہلا فرد تھا جو ویٹ وہٹمین کے خلاف پارساؤں کی تلبیس کے خلاف سینہ سپر ہوا۔طویل قامت بانس کی طرح سیدھا، خدوخال خوبصورت، سوینٹن جاذب نظر شخصیت کا حامل تھا۔

اس نے بڑی گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔اور کہنے لگا کہ ذرا دیر پہلے وہ وارڈن پلسبری سے کہہ رہا تھا کہ یونین سکوئر کی تقریر کے مقابلے میں میں نے خود شراب بندی کے خلاف کہیں زیادہ تشدد انگیز تقاریر کی تھیں۔اس کے باوجود اسے نہ گرفتار کیا گیا۔وہ وارڈن سے کہہ چکا تھا کہ اسے خود سے اس بات پر شرمندہ ہونا چاہیے کہ وہ "ایک پیاری سی لڑکی کو" قید و بند میں رکھے ہوئے ہے۔قیاس کرو کہ اس نے کیا جواب دیا ہو گا؟ وہ کہنے لگا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں ہے وہ تو صرف اپنے فرض کی بجا آوری کر رہا ہے۔

ہر کمزور دل یہی کہتا ہے، بزدل ہمیشہ دوسروں پر الزام دھر دیتے ہیں۔" اسی لمحے وارڈن آن پہنچا۔اس نے سوینٹن کو یقین دلایا کہ میں ایک مثالی قیدی ہوں اور میں مختصر مدت میں ایک جانفشاں نرس بن گئی ہوں۔جی تو یہ چاہتا ہے کہ اسے پانچ برس کی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سزا ہوئی ہوتی کیونکہ یہ بہت اچھا کام کررہی ہے۔کو سنے میں اتنے سخی ہو، کیا ایسا نہیں ہے؟ سوینٹن ہنسنے لگا۔''آپ شائید انہیں تنخواہ والا کام دیں گے جب یہ رہائی پا جائیں گی۔''''کیوں نہیں، بے شک'پلسبری نے جواب دیا۔تم بالکل گاودی ہو، تمہیں نہیں معلوم کہ یہ جیلوں کی مخالف ہیں۔تمہاری موجودگی ہی میں یہ سب کو فرار ہوجائے کا موقع دے دیں گی تب تمہارا انجام کیا ہوگا؟'' بیچارہ گھبرا گیا مگر چھیڑ چھاڑ میں شامل رہا۔میرا ملاقاتی رخصت ہونے سے پہلے وارڈن کی جانب مڑا اور اسے ہوشیار کرتے ہوئے بولا کہ''میری پیاری سی دوست کا خیال رکھے'' ورنہ وہ''اس کے بھٹ میں سے اغوا کرلے جائے گا''

سوینٹن کے دورے سے بڑی میٹرن کے برتاؤ میں مکمل تبدیلی آگئی۔وارڈن کا رویہ شروع سے شائستہ تھا۔اب اس نے بھی مجھ پر عنایات کی بوچھاڑ شروع کردی۔کھانا اس کی میز سے آتا، پھل، کافی کے علاوہ جزیرے کی پیدل سیر۔میں نے تمام رعاتیں لینے سے انکار کردیا سوائے جزیرے پر ہواخوری کے۔چھ ماہ میں یہ میرا پہلا موقع تھا جب میں کھلی ہوا میں نکل کر موسم بہار میں سانس لے رہی تھی اور بیڑیاں مانع نہ تھیں۔

مارچ ۱۸۹۴ء میں قیدی عورتوں کی ایک بڑی تعداد وارد ہوئی۔وہ تقریباً سب کی سب جسم فروش عورتیں تھیں جنہیں کسی حالیہ چھاپے میں پکڑا گیا تھا۔شہر میں برائیوں کے خلاف جہاد چل رہا تھا۔لیکسو کمیٹی، جس کی سربراہی محترم ڈاکٹر ہرسٹ کے پاس تھی۔ان کے ہتھے ایسی جھاڑ و چڑھ گئی تھی جس سے نیویارک شہر کو اس خوفناک بلا سے نجات دلائی جاسکتی تھی۔سرائے میں پکڑے جانے والے مردوں کو آزاد کردیا جاتا مگر ان کے ساتھ ملنے والی عورتوں کو حراست میں لے کر بلیک ویل جزیرے پر پہنچا دیا جاتا۔

ان میں زیادہ تر بدنصیب قابل رحم حالت میں آئی تھیں۔اچانک انہیں منشیات ملنا بند ہوگئیں جب کہ زیادہ تر اس کے استعمال کی عادی تھیں۔ان کی تکالیف دیکھ کر کلیجا الٹنے لگتا۔یہ نازک اندام مخلوق دیو کی قوت سے لوہے کی سلاخوں کو ہلاتیں، کوستیں، چنگھاڑتیں تا کہ سگریٹ یا نشہ آور چیز مل جائے۔پھر تھک ہار کر فرش پر ڈھیر ہوجاتیں اور پوری پوری رات کراہتی رہتیں۔

اس بے چاری مخلوق کی اذیت نے مجھے اپنی جدوجہد کا زخم ہرا کردیا جن دنوں میں سگریٹ کے تسکین بخش دھویں کے بغیر جیتی تھی۔اپنی بیماری کے دس ہفتوں کو چھوڑ کر جو میں نے روچسٹر میں بسر کیئے تھے، میں برس ہا برس سے سگریٹ پی رہی تھی، یہاں تک کہ چالیس سگریٹ یومیہ۔جب رقم کی شدید قلت ہوتی اور نوبت روٹی اور سگریٹ کے درمیاں انتخاب کے لیے چت پٹ کرنا ہوتا تو ہمارا فیصلہ عموماً آخرالذکر کے لیے ہوتا۔ہم دیر تک سگریٹ پیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔مگر اصلاحی جیل میں آنے سے یہ ہوا کہ اس کے سکون اور عادت سے نجات مل گئی۔مجھے یہ اذیت نا قابل برداشت لگتی۔کوٹھری میں گزرنے والی راتیں ڈراؤنی لگتیں۔جیل میں سگریٹ حاصل کرنے کا صرف ایک طریقہ ہے یعنی رشوت۔مجھے معلوم تھا کہ جیل کا کوئی باسی اگر میرے لیے سگریٹ لاتا ہوا پکڑا گیا تو اسے سزا ملے گی۔اس لیے میں انہیں خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ناس تمبا کو کی اجازت تھی مگر میں یہ نہیں کرسکتی تھی۔میں کچھ نہیں کرسکتی تھی سوائے اس کے کہ محرومی کی عادی ہوجاؤں۔مجھ میں مدافعت کی قوت تھی اس لیے اس کی ہڑک کو میں مطالعہ کرکے بہلانے کی کوشش کرتی۔

نو واردوں کا معاملہ جدا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ ادویات کی الماری میرے تحت ہے تو انہوں نے مجھے روپے کی ترغیب دی۔پھر اس سے بدتر انسانیت کے نام پر رحم کرنے کی درخواستیں۔''نشہ آور دوا کا صرف ایک کش، مسیح کے نام پر''! مسیحی منافقت پر میرے اندر باغیانہ خیالات پیدا ہونے لگے جو مردوں کو آزاد چھوڑ دیتی ہے اور غریب عورتوں کو جیل پہنچا دیتی ہے جوان مردوں کی جنسی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔اچانک ان مظلوموں کو منشیات سے محروم کرنا جن کو وہ برس ہا برس سے استعمال کررہی تھیں ایک سنگدلی لگتی۔میں ان نشہ خوروں کو سب کچھ دے دیتی جس کی وہ اتنی طلبگار تھیں۔یہ سزا کا خوف نہ تھا۔انہیں راحت پہنچانے میں میرے لیے جو امر مانع تھا یہ ڈاکٹر وہایٹ کے اعتماد کا معاملہ تھا جو مجھ پر اعتبار کرتا تھا۔اس نے تمام ادویات مجھے سونپ دی تھیں وہ رحم دل اور فیاض تھا۔میں اسے دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔عورتوں کی چیخوں سے کئی دن تک میرے اوسان خطا رہے۔مگر میں اپنے فرض پر اڑی رہی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ایک دن ایک نوعمر لڑکی آپریشن کی غرض سے اسپتال لائی گئی۔ معاملے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر وہایٹ نے دو تربیت یافتہ نرسیں بھی بلالیں۔ آپریشن رات گئے تک چلتا رہا۔ اس کے بعد مریض کو میری نگہداشت میں دے دیا گیا۔ وہ بے ہوشی کی دوا کے اثر سے بہت نڈھال ہو رہی تھی۔ اس زور سے قے کی جس سے زخم کے ٹانکے کھل گئے۔ جس سے جسم کے اندر جریان خون شروع ہو گیا۔ میں نے خیراتی اسپتال کی طرف مدد کے لیے لوگوں کو بھیجا۔ ڈاکٹروں اور نرسوں کے آنے میں کئی گھنٹے لگ گئے اس وقت کوئی نرس بھی نہ تھی اس لیے مجھے ان کی جگہ لینا پڑی۔

دن خلاف معمول جفاکشی میں گزرتے اور رات میں مجھے سونے کو کم ملتا۔ میں ہلکان ہو چکی تھی اور جراحی کی میز کو میں بائیں ہاتھ سے تھامے ہوئی تھی اور داہنے ہاتھ سے جراحی کے آلات اور اسفنج دیئے جاتی۔ ناگاہ جراحی کی میز بیٹھ گئی اور میرا بازو اس میں آ گیا۔ میں درد سے چلانے لگی۔ ڈاکٹر وہایٹ کام میں اتنا منہمک تھا کہ چند لمحوں تک اسے نہ معلوم ہوا کہ ماجرا کیا ہے۔ بالآخر جب اس نے کسی سے کہہ کر میز اٹھوائی تو میرا ہاتھ اس سے نکل آیا ایسا لگتا تھا کہ تمام ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ درد سے میری چیخیں نکل رہی تھیں اس لیے اس نے مارفین کا انجکشن لگانے کا حکم دیا۔ ''ہم اس کا ہاتھ بعد میں بٹھائیں گے، میرا کام مقدم ہے'' ''مارفین نہ دو'' میں نے التجا کی۔ مجھے اب بھی مارفین کے اثرات بد یاد تھے جب ڈاکٹر جولیس ہاٹمین نے بے خوابی کے علاج کے لیے اس کا ایک ٹیکہ لگا دیا تھا۔ اس نے مجھے سلا تو دیا مگر رات گئے میں نے غفلت میں کھڑکی سے باہر کودنے کی کوشش کی تھی اور ساشا سے دیو ہیکل شخص نے پوری قوت لگا کر مجھے واپس کھینچا تھا۔ مارفین نے مجھے پاگل بنا دیا تھا اس لیے اب یہ مجھے نہ دی جائے۔

دوسرے ڈاکٹر نے کوئی دوسری دوا دی جو سکون بخش تھی۔ جب جراحی کی میز پر لیٹا ہوا مریض اپنے بستر پر پہنچایا جا چکا تو ڈاکٹر وہایٹ نے میرے بازو کا معاینہ کیا ''تم ٹھیک ٹھاک اور گول مٹول ہو'' اس نے کہا ''جس سے تمہاری ہڈیاں بچ گئیں۔ کوئی چیز نہیں ٹوٹی تھی۔ صرف تھوڑی سی پچک گئی ہے۔'' میرا ہاتھ پٹی باندھ کر گلے سے لٹکا دیا گیا۔ ڈاکٹر کی تجویز یہ تھی کہ میں بستر پر آرام کروں لیکن وہاں کوئی اور نہ تھا جو مریض کے پاس بیٹھتا۔ ممکن ہے یہ اس کی آخری رات ہو۔ اس کے ریشے اتنے سڑ چکے تھے کہ ان پر ٹانکے نہیں رکتے تھے یوں ایک اور جریان خون مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے اس کے سرہانے ٹھہرنا چاہیے۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اتنی پرتشویش حالت میں میرا سونا ممکن نہیں ہے۔

پوری رات میں اس کی زندگی کے لیے جدوجہد کو دیکھتی رہی۔ صبح ہوتے میں نے ایک پادری بلا بھیجا۔ میری اس فرمائش نے سب کو حیران کر دیا خصوصاً بڑی میٹرن کو۔ میں لادین ہوتے ہوئے یہ کیسے کر رہی تھی، وہ سوچ میں پڑ گئی اور ایک پادری کو اس موقع پر بلوا رہی ہے! اس سے پہلے میں نے پادریوں اور ریبائی سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس بات کی بھی وہ شاہد تھی کہ میں کس آسانی سے دو کیتھولک راہباؤں کی دوست بن گئی تھی جو اکثر ملنے کو آتی تھیں۔ میں ان کے لیے کافی بھی بناتی۔ کیا مجھے یہ نہیں معلوم کہ کیتھولک کلیسا ہمیشہ ترقی کا دشمن رہا ہے اور یہودیوں کی داروگیر اور اذیت رسانی کا ذمہ دار تھا؟ مجھ میں یہ تضاد کیسا ہے؟ بے شک میں بھی یہی سوچتی ہوں اور میں نے اسے یقین دلایا۔ میں کیتھولک کلیسا کی بھی اتنی ہی مخالف ہوں جتنی دوسرے کلیساؤں کی۔ میں ان سب کو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے سمجھتی ہوں، عوام الناس کے دشمن۔ وہ اطاعت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا خدا دولتمندوں اور صاحبان قوت کا خدا ہے۔ میں ان کے خدا سے متنفر ہوں اور اس سے میری جنگ چلتی رہے گی۔ لیکن اگر یہ نوبت آ گئی کہ مجھے کسی مذہب کو اختیار کرنا پڑا تو میں کیتھولک کلیسا کو اختیار کروں گی۔ ''اس میں کم منافقت ہے'' میں نے اسے سمجھایا ''اس میں انسانی کمزوریاں قبول کرنے کی گنجائش ہے اور احساس جمال بھی۔'' کیتھولک بہنوں اور ان کے پادریوں نے مجھ پر کبھی تبلیغ کرنے کی کوشش نہیں کی جیسا کہ مشنری ان کے منسٹر اور بے ہودہ ریبائی کرتے ہیں۔ انہوں نے میری روح کو اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہنے دیا۔ انہوں نے ہمیشہ انسانی مسائل پر گفتگو کی۔ خصوصاً مذکورہ پادری جو ایک متمدن شخص ہے۔ میری غریب مریضہ اپنی زندگی کے اختتام کو پہنچی اس کا یہ سفر نہایت دشوار گزار تھا۔ ممکن ہے پادری اسے چند لمحات دے سکے جن میں چین اور شفقت ہو۔ میں اسے کیوں نہ بلاتی۔ لیکن میٹرن یا تو کند ذہن تھی کہ میرے دلائل نہیں سمجھ پا رہی تھی یا ان کے محرکات

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اس کی سمجھ سے بالاتر تھے۔اس کی نظر میں اب بھی ''میں ایک عجوبہ'' تھی۔

میری مریضہ نے مرنے سے پہلے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے سیدھا کر کے لٹا دوں۔میں اس سے بہت شفقت سے پیش آئی ہوں، بقول اس کے اس کی ماں سے بڑھ کر۔اس نے مجھ سے پوچھا کیا یہ ممکن ہے کہ دم واپسیں میرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہو۔جس سے وہ لمحہ حسین ہو جائے گا۔وہ چاہتی تھی کہ جب وہ بی بی مریم اور جناب مسیح کے حضور پہنچے تو وہ خوبصورت لگے۔میری ذرا سی کوشش سے وہ موت کے منہ میں اتنی دلکش لگ سکتی تھی جتنی حسین وہ زندگی میں تھی۔اس کی سیاہ خمیدہ زلفوں کے بیچ سنگ جراحت کے رنگ کا چہرہ نہایت ملایم لگ رہا تھا مقابلتاً ان مواقع کے جب وہ مصنوعی طریقے سے اپنے چہرے کی رعنائی بڑھا لیا کرتی تھی۔اس کی پرنور آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔جنہیں میں نے اپنے ہاتھ سے بند کیا تھا۔لیکن اس کی بنی ہوئی بھویں اور لمبی سیاہ لٹیں اب بھی ویسی ہی تابانی پھیلا رہی تھیں جو اس سے مخصوص تھیں۔مرد اس پر کتنا ریجھ جاتے ہوں گے! انہوں نے ہی اسے تباہ کیا۔اب وہ ان کی رسائی سے باہر ہے۔موت نے اس کی تکالیف کو راحت بخش دی۔اس کے سنگی چہرے پر اب گہرا سکوت طاری تھا۔

یہودیوں کے تہوار ایسٹر کی تعطیلات کے دوران مجھے ایک مرتبہ پھر وارڈن کے دفتر میں طلب کیا گیا۔وہاں میری دادی بیٹھی تھیں۔وہ آڈ سے بارہا کہہ چکی تھیں کہ مجھے ملانے لے چلو لیکن وہ اس لیے انکار کرتا رہا کہ انہیں کسی طرح کی تکلیف دہ صورت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔واری جانے والی کو کوئی روک سکتا ہے! اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی کی مدد سے وہ اصلاح کے کمشنر تک جا پہنچیں، پاس حاصل کیا اور اصلاح خانے آ پہنچیں۔انہوں نے مجھے ایک بڑا سا بند ھا رومال دیا جس میں نذر والی چپاتی میں جنگلے مچھلی رکھی ہوئی تھی۔اس کے علاوہ چند ایسٹر کیک تھے جنہیں انہوں نے خود تیار کیا تھا۔انہوں نے وارڈن کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کی (clavel) ایک نہایت عمدہ یہودی بیٹی تھی۔اتنی اچھی کہ کسی ربیائی کی زوجہ کیا ہوگی۔کیونکہ یہ اپنی ہر چیز غریبوں کو دے دیتی ہے۔رخصت کے وقت ان پر خوفناک حد تک جذبات غلبہ پا چکے تھے۔اور میں تسلی دیئے جا رہی تھی اور گڑگڑا رہی تھی کہ کہیں وہ وارڈن کے سامنے ہی نہ پھوٹ پڑیں۔انہوں نے بڑی بہادری سے آنسو پونچھے اور باافتخار طریقے سے چلتی ہوئی گئیں۔لیکن مجھے معلوم تھا کہ نظر سے اوجھل ہوتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں گی۔اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعد میں انہوں نے اپنے خدا سے اپنی ''شادلے'' کے لیے دعا کی ہوگی۔

جون کے مہینے میں بیماروں کے وارڈ سے بہت سے مریض فارغ کر دیے گئے اور چند ہی بستروں پر مریض تھے۔اسپتال میں اپنی آمد کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ جب مجھے تھوڑی سی فراغت ملی اور میں نے باضابطہ مطالعہ شروع کر دیا۔میرے پاس ایک کتب خانہ جمع ہو چکا تھا۔جان سوینٹن نے بہت سی کتابیں بھیجی تھیں' دوسرے احباب نے بھی یہی کیا تھا۔مگر زیادہ تر جسٹس شواب کی بھیجی ہوئی تھیں۔وہ مجھ سے ملنے تو نہ آیا۔اس نے آڈ سے کہلا بھیجا کہ اس کا ملنے آنا ناممکن ہے۔وہ جیل سے اتنا متنفر تھا کہ اس کے لیے مجھے جیل میں چھوڑ آنا ممکن نہ ہوگا۔اور وہ مجبور ہو کے مجھے طاقت کے بل بوتے پر نکال لے جائے گا جس کا نتیجہ مزید مصائب ہوں گے۔اس کے بجائے وہ مجھے کتابوں کے گٹھری بھیجتا رہا۔والٹ وہٹمین، ایمرسن، ہاتھوان، سپنسر، جان اسٹوارٹ مل اور دیگر انگریز اور امریکی مصنفین جن سے میں واقف ہوں اور جسٹس کی دوستی کے طفیل ان سے بھی محبت کرنے لگی۔ اسی زمانے میں کئی اور عناصر میری آخرت میں بخشش کی کوششوں میں سرگرم ہو گئے۔ان میں از قسم روحانیات اور مابعد الطبیعات کے ذریعے نجات دہندہ ہمہ اقسام کے لوگ شامل تھے، میں نے دیانت داری سے ان کے پیغام کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن میں زمین میں اتنی پیوست تھی کہ ان کے بادلوں میں اڑتے ہیولوں تک نہ پرواز کر سکی۔

ملنے والی کتابوں میں ایک ''البرٹ برسبین کی حیات'' تھی جو اس کی بیوہ کی لکھی ہوئی تھی۔سرورق پر تحسینی انداز میں مجھ سے معنون کیا گیا تھا۔کتاب کے ساتھ اس کے بیٹے آرتھر برسبین کا گرم جوشی سے لبریز خط بھی تھا۔جس نے داد و تحسین کے ساتھ توقع ظاہر کی تھی کہ اپنی رہائی پر میں اسے اجازت دوں گی کہ وہ میرے اعزاز میں ایک شام منائے۔برسبین کی سوانح کی وجہ سے میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

فاورؔیر اور سوشلسٹ خیالات کے دیگر نقیبوں سے رابطے میں آ گئی۔

جیل کے کتب خانے میں ادب کا اچھا ذخیرہ تھا۔ جس میں جارجؔ سینڈ، جارج ایلیٹؔ اور اویڈاؔ بھی شامل تھے۔ کتب خانے کا منتظم ایک تعلیم یافتہ برطانوی تھا جو جعل سازی کے الزام میں پانچ سال کی سزا کاٹ رہا تھا۔ وہ مجھے جو کتابیں دیتا جلد ہی ان میں محبت نامے بھی ملنے لگے جو انتہائی وارفتہ زبان میں ہوتے۔ اور جن سے فوراً شوق بھڑکنے لگتا۔ وہ اسیری کے چار برس گزار چکا تھا، اس کے ایک رقعے میں یہ لکھا تھا کہ وہ عورت کی محبت اور رفاقت کے لیے ترس رہا ہے۔ اس نے مجھ سے التجا کی کہ ہو سکے تو میں اسے رفاقت ہی دے دوں۔ کیا میں کبھی کبھار زیرِ مطالعہ کتابوں کے متعلق اسے لکھنا پسند کروں گی؟ مجھے جیل میں دکھاوے کی محبت میں پڑنا ناگوار تھا تاہم آزاد، بے حجابانہ اظہارِ الفت کی ضرورت میرے لیے اتنی اہم ہے جس کی مزاحمت مشکل ہوتی ہے۔ ہم نے کئی خطوط کا تبادلہ کیا جن میں کئی ایک میں گہرا جوش و خروش ہوتا۔

میرا مداح عمدہ موسیقار تھا اور گرجا میں آرگن بجاتا تھا۔ میں وہاں شرکت بھی کرنا چاہتی تھی تاکہ اسے سنوں اور اس کی قربت حاصل کروں مگر مرد قیدیوں کا نیلی دھاری کے کپڑوں میں نظر آنا جن میں کچھ ہتھکڑی میں ہوتے، اور ستم بالائے ستم منسٹر کی زبان سے ان کی بے وقعتی اور توہین میرے لیے خوفناک تھی۔ میں یہ سب کچھ ایک مرتبہ چارجولائی کو دیکھ چکی تھی۔ جب ایک منسٹر اس لیے آیا تھا تاکہ اسیروں کو امریکی آزادی کی شان و شوکت سے آگاہ کرے۔ مجھے مردانہ حصے سے گزر کر وارڈن کو سندیسہ دینے کے لیے جانا پڑتا تھا۔ اور میں نے جب اس حب الوطن کو پرافتخار انداز میں جسمانی اور ذہنی ملبے پر آزادی اور حریت پر گوہر افشانی کرتے ہوئے سنا۔ ایک سزا یافتہ لوہے کی زنجیروں میں اس لیے جکڑا ہوا تھا کیونکہ وہ ایک مرتبہ فرار ہونے کی کوشش کر چکا تھا۔ میں اس کی بیڑیوں کی ٹھن ٹھناہٹ سن رہی تھی جو اس کے جنبش کرنے سے پیدا ہو رہی تھیں۔ اب مجھ میں گرجا جانے کی ہمت نہ تھی۔

چیپل اسپتال وارڈ کے تہ خانے میں تھا۔ ہر اتوار کو دو مرتبہ میں ان سیڑھیوں کے راستے میں اپنے اسیر جگنو کو آرگن بجاتے سن لیتی۔ اتوار کی تعطیل عموماً پرسکون دن ہوتا۔ بڑی میٹرن کی چھٹی ہوتی۔ اور ہمیں اس کی ناگوار آواز کی دلخراشی سے نجات مل جاتی۔ کبھی کبھی دونوں کیتھولک رہبائیں ملنے آ جاتیں۔ میں چھوٹی والی پر لہلوٹ ہو چکی تھی۔ جو ابھی انیس برس کی نہیں ہوئی تھی۔ بہت شگفتہ اور زندگی سے بھرپور۔ ایک مرتبہ میں اس سے پوچھ بیٹھی ایسی کیا بات ہوئی جو تم نے نقاب پہن لیا۔ اپنی بڑی بڑی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا کر کہنے لگی کہ ''پادری جوان اور بہت وجیہ تھا!'' ''بے بی نن'' کہہ کر میں اسے پکارتی، وہ خوشگوار آواز میں بچوں کی طرح گھنٹوں باتیں کرتی رہتی۔ اس میں خبریں اور گپ شپ بھی ہوتی۔ اس طرح جیل کی سرمئی فضا سے عارضی نجات مل جاتی۔

بلیک ویل جزیرے میں، میں نے جتنے دوست بنائے ان میں سب سے دلچسپ شخص پادری تھا۔ ابتدا میں تو اس کی طرف میں معاندانہ جذبات رکھتی تھی۔ میں سمجھی کہ یہ دیگر مذہبی شخصیات کی طرح بے جا مصروفیت والا آدمی ہے۔ لیکن مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ محض کتابوں کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کولون میں تعلیم پائی تھی اور مطالعہ وسیع تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میرے پاس بہت سی کتابیں ہیں اور اس نے پیشکش کی کہ میں چاہوں تو اس کی چند کتابوں سے بدل لوں۔ میں حیران ہو کر سوچنے لگی کہ وہ میرے لیے کس نوعیت کی کتب لائے گا۔ توقع کر رہی تھی کہ وہ انجیل یا مذہبی سوالنامہ لائے گا۔ مگر وہ موسیقی اور شاعری کی کتابیں لایا۔ اسے یہ سہولت تھی جب اور جتنی مرتبہ چاہے جیل میں آ سکتا تھا۔ یوں اکثر وہ صبح کے نو بجے وارڈ میں آ جاتا اور رات میں نصف شب کے بعد رخصت ہوتا۔ وہ اپنے پسندیدہ موسیقی کے مرتبین کے متعلق باتیں کرتا۔ ۔ باخؔ، بیتھوونؔ اور براہمز۔ ۔، شاعری اور سماجی علوم کے نظریات پر باہمی نظریات کا موازنہ کرتا۔ اس نے مجھے انگریزی۔ لاطینی زبان کی لغت تحفتاً دی۔ ''بڑے احترام سے ایما گولڈمان کے لیے''

ایک موقع پر میں اس سے پوچھ بیٹھی کہ اس نے مجھے انجیل کیوں نہ دی۔ ''کیونکہ نہ اسے کوئی سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے پسند

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کرے گا اگر جبراً پڑھنے کو کہا جائے۔'' اس کا جواب یہ تھا۔ اس سے متاثر ہو کر میں نے اس سے لانے کی فرمائش کر دی۔ اس کی زبان کی سادگی اور داستانی انداز بیان نے میرا دل موہ لیا۔ میرے نوجوان دوست میں کوئی بناوٹی بات نہ تھی۔ وہ ایک مخلص اور باضابطہ پادری تھا۔ وہ تمام روزے رکھتا اور عبادت کے اوقات میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا۔ ایک مرتبہ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ چیپل کی آرائش میں اس کا ہاتھ بٹاؤں۔ جب میں نیچے اتر کر گئی تو دیکھا کہ لاغر اور دبلا سا شخص خاموش عبادت میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور گرد و پیش سے بے خبر ہے میرا آدرش، میرا عقیدہ اس کے مخالف قطب پر ہوتا ہے لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اتنا ہی مخلص ہے جتنی کہ میں۔ ہمارا جوش و ولولہ ہی ہمارا مقام اتصال تھا۔

وارڈن پلسبری اکثر و بیشتر اسپتال چلا آتا۔ وہ اس ماحول میں ایک عجوبہ تھا۔ اس کا دادا جیل کا منتظم رہ چکا تھا، اس کا باپ اور وہ خود جیل ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ اس کے تمام شعبوں سے آگاہ تھا اور ان طاقتوں سے بھی واقف تھا جو اس کی تخلیق کے ذمہ دار تھے۔ ایک مرتبہ سرسری انداز میں اس نے کہا کہ اسے ''کڑک مرغیوں'' جیسے قیدی ناپسند ہیں۔ وہ ان اسیروں کو پسند کرتا ہے جنہیں اپنی ذات پر فخر ہوتا ہے اور جو اپنے ساتھی سزا یافتگان کی خلاف گھٹیا حرکتوں پر نہیں اتر آتے تا کہ انہیں چند مراعات مل جائیں۔ اگر کوئی اسیر صدق دل سے کہتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے گا اور دوبارہ کوئی واردات نہ کرے گا تو وارڈن کی نظر میں وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کا تجربہ یہ تھا کہ برس ہا برس کی اسیری کے بعد جب ساری دنیا اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو تو وہ نئی زندگی نہیں شروع کر سکتا جب تک قید خانے کے باہر کوئی دوست اس کی دستگیری نہ کرے۔ وہ اکثر کہتا کہ مملکت تو رہا ہونے والے فرد کو رہائی کے وقت اتنی رقم بھی نہیں دیتی جس سے پہلے ہفتے کا کھانا خریدا جا سکے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس سے توقع رکھی جائے کہ ''مرد حق'' بن جائے گا۔ وہ اس شخص کی کہانی اکثر سناتا جس نے رہائی کی صبح میں کہا تھا ''پلسبری جو پہلی گھڑی اور زنجیر میں چراؤں گا وہ میں بطور تحفہ بھیج دوں گا۔'' ''وہ تھا میرا پسندیدہ آدمی'' پھر وارڈن ہنستا۔

پلسبری کے پاس اتنا اختیار تھا کہ جن بدنصیبوں کا وہ نگہبان تھا ان لوگوں کے لیے کئی اچھے کام کر دیتا۔ مگر اس کے کام میں مسلسل روڑے اٹکائے جاتے۔ اس نے اسیروں کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے علاوہ دوسروں کے لیے بھی کھانا پکائیں، کپڑے دھوئیں اور صفائی ستھرائی کریں۔ اگر میز پر بچھنے والا چھینٹ دار کپڑا استری شروع کرنے سے پہلے پلا نہ بنایا جاتا تو دھوبن کو یہ خطرہ لاحق ہو جاتا کہ اسے زیرزمین قید خانے کی سزا ملے گی۔ قید خانے کے سارے اسیروں کی ہمتیں بے جا پاسداری کی وجہ سے پست تھیں۔ سزا یافتگان کو معمولی سی کوتاہی پر خوراک سے محروم کر دیا جاتا۔ لیکن عمر رسیدہ پلسبری کے بس میں نہ تھا کہ کوئی بڑا اقدام کرے۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ کوئی ہاہا کار ہو۔

جیسے جیسے میری رہائی کا دن قریب آنے لگا ویسے ہی میری اسیری کی زندگی میرے لیے ناقابل برداشت ہوتی گئی۔ دن کا کٹنا دوبھر ہوتا۔ میں بے چین رہتی اور بے صبری کی وجہ سے چڑچڑی ہو گئی۔ مطالعہ کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ میں کہیں بیٹھ جاتی اور یاد ماضی طاری ہو جاتی۔ میرے ذہن میں الینوایز اصلاحی جیل کے کامریڈ آ گئے جنہیں گورنر الٹجیلڈ نے معاف کر کے انہیں موت کے منہ سے نکال لیا تھا۔ جب سے میں جیل میں ہوں، مجھے یہ احساس رہتا ہے کہ ان تینوں افراد نیب، فیلڈن اور شواب نے آدرش کے لیے کتنی قربانی دی ہے جس کے لیے ان کے دیگر کامریڈوں کو شکاگو میں سولی دی گئی تھی۔ الٹجیلڈ کی انصاف پسندی کے خلاف اخبارات میں جو زہر افشانی کی گئی اس سے ثابت ہوا کہ مفادات پیوستہ کی جڑ پر وار ہوا تھا۔ خصوصاً اس نے جو تجزیہ مقدمے کی کارروائی پر کیا اور برملا یہ کہا کہ مصلوب انارکسٹوں کو درحقیقت عدالت نے قتل کیا تھا حالانکہ جو الزامات ان پر عائد کیے گئے تھے اس میں ان کی معصومیت ثابت ہو چکی تھی۔ ۱۸۸۷ء کے ان پر ہنگام دنوں کی تمام تفصیلات تسکین آمیز انداز میں میرے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ پھر ساشا، ہمارا ساتھ رہنا، اس کی کارروائی، اس کی شہادت۔۔ ماضی کے پانچ سال جب میں اس سے پہلی مرتبہ ملی ان تمام لمحات میں گزرنے والے واقعات میں، میں نے گویا جان ڈال دی جو ایک کربناک حقیقت ہے۔ بات پُر لطف ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ ساشا میری ذات کا اب بھی حصہ ہے۔ کیا اُڈ کی محبت زیادہ وجد آفریں اور مالا مال کرنے والی نہیں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہے؟ شائید یہ اس کا کارنامہ تھا جس نے مجھے اس سے اتنا کس کر باندھ دیا۔ جیل میں میری اسیری کا تجربہ' الگھینی کے برزخ میں ساشا پر ٹوٹنے والے مصایب کے مقابلے میں کتنا حقیر تھا! میں تو اپنی جگہ شرمندہ سی تھی کہ کاش لحہ بھر کے ہی لیے میری قید و بند اتنی ہی سخت ہوتی۔ کمرہ عدالت میں ایک بھی شناسا چہرہ نہ تھا جس سے ساشا کی دلجوئی ہوتی۔۔ قید تنہائی اور مکمل علیحدگی' کیونکہ آج تک اس سے ملاقات پر پابندی ہے یعنی جب نومبر ۱۸۹۲ء میں' میں اس سے ملی تھی۔ اس کے بعد سے ساشا سے کسی کو بھی نہ ملنے دیا گیا تھا۔ وہ اپنے بھائیبندوں کے لمس اور جھلک پانے کے لیے کتنا تڑپتا ہوگا۔ وہ اس کا کتنا آرزومند ہوگا!

میرے خیالات کا ریلا رکنے والا نہ تھا، فیدیا جو حسن پر مرتا تھا کس قدر نفیس اور حساس۔ اور اِڈ۔ اِڈ۔ اس کا زندگی سے رشتہ لاتعداد اور پراسرار آرزوں پر قائم ہے۔ اس نے مجھے پر ایسے روحانی ایوانوں کے باب وا کیے جن سے میں مالا مال ہوگئی! میری فکری ترقی اِڈ کی مرہونِ منت ہے جبکہ میں دوسروں سے بھی واسطہ تھی جو میری زندگی میں پہلے سے موجود تھے۔ پھر ان سب سے بڑھ کر یہ جیل خانہ تھا جو سب سے مفید مدرسہ ثابت ہوا۔ جو بہت دردناک لیکن نہایت توانا اسکول تھا۔ یہاں کے قیام نے مجھے موقع دیا کہ میں انسان کی گہرائی اور روح کی پیچیدگیوں کے قریب ہو جاؤں۔ میرے مشاہدے میں یہاں بدصورتی اور حسن آیا، کمینگی اور سخاوت آئی۔ یہاں یہ بھی ہوا کہ زندگی کو اپنی نگاہوں سے دیکھنے کا موقع ملا نہ کہ ساشا، موسٹ یا اِڈ کی نظروں سے۔ جیل ایسی کسوٹی ثابت ہوئی جس پر میں اپنے نظریات کو پرکھ سکی۔ اس سے اپنی ذات میں پنہاں قوت کا ادراک ہوا کہ کوئی اکیلا کیسے ڈٹ سکتا ہے۔ وہ قوت کہ کیسے جیا جائے اور آدرشوں کے لیے کیسے لڑا جائے یہاں تک کہ اگر وقت پڑے تو ساری دنیا سے۔ ریاست نیویارک اس سے بڑھ کر مجھ سے کوئی نیکی نہیں کر سکتی تھی کہ مجھے بلیک ویل جزیرے کے اصلاحی جیل میں بھیج دیا!

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۱۳

میری رہائی کے بعد گزرنے والے دن اور ہفتے بالکل ڈراؤنے خواب کی طرح تھے۔ جیل کے تجربے کے بعد مجھے سکون چین اور تنہائی درکار تھی مگر مجھے لوگ گھیرے تھے اور لگ بھگ ہر شام میٹنگ ہوتیں۔ میں ایک چکا چوند میں رہ رہی تھی۔ میرے اطراف میں ہر شے بے محل اور مصنوعی لگتی تھی۔ میرے خیالات پر اسیری طاری تھی۔ ساتھی قیدیوں کا خیال سوتے جاگتے مجھ پر سوار رہتا اور جیل کا شور میرے کانوں میں بسا ہوا تھا۔ حکم ''بند کرو'' جس کے بعد لوہے کے دروازوں کا دھماکہ اور پھر زنجیروں کی کھڑکھڑانے کی آوازیں اس وقت بھی آتی رہتیں جب میں کسی سے گفتگو میں مشغول ہوتی۔

سب سے زیادہ آزمائش کا وہ وقت تھا جس میں میری رہائی اور استقبال کی محفل سجائی گئی۔ اس کا انعقاد تھالیا تھیٹر میں ہوا جو کھچا کھچ بھرا تھا۔ بہت سے مصروف مرد و زن جن کا نیویارک کے مختلف سماجی گروہوں سے تعلق تھا میری رہائی کا جشن منانے آئے تھے۔ میں تھکی ہاری دم بخود بیٹھی ہوئی تھی۔ میری ساری کوشش یہ تھی کہ حقیقت سے جڑی رہوں۔ جو ہو رہا تھا اسے سنوں، اپنی توجہ اس پر مرکوز رکھوں جو مجھے کہنا تھا مگر یہ سب بے سود رہا۔ میں بلیک ویل جزیرے میں پہنچ جاتی۔ یہ نہ جانے کیسے ہوا کہ اتنا بڑا مجمع زرد رو ہو کر گھبرائی ہوئی قیدی عورتوں کا چہرہ لگنے لگا۔ مقررین کی آوازیں بڑی میٹرن کی ترش آوازوں میں بدل گئیں۔ فوراً میں نے کندھے پر ایک ہاتھ کو محسوس کیا۔ یہ ماریا لویز تھی جو جلسے کی صدارت کر رہی تھی۔ اس نے میرا نام کئی مرتبہ پکارا تھا اور اعلان کیا تھا کہ جلسہ سے اب میں خطاب کروں گی۔ ''ایسا لگتا ہے جیسے تم سو رہی ہو'' اس نے کہا۔

میں اپنے قدموں پر کھڑی ہوئی چبوترے کی کگروں پر جلتی ہوئی روشنی کے قریب پہنچ گئی اور دیکھا کہ مجمع کھڑا ہو کر میرا خیر مقدم کر رہا ہے۔ پھر میں نے بولنے کی کوشش کی۔ میرے ہونٹ بھی ہلے مگر آواز ندارد۔ ڈراؤنی شکلیں دھاری دار بھڑکیلے کپڑوں میں ملبوس ہر راستے سے میری طرف بڑھ رہی تھیں۔ میں نیم بے ہوش ہوگئی اور بے چارگی سے ماریا لویز کی طرف مڑی۔ سرگوشی میں بولی کہ کہیں کوئی سن نہ لے میں نے اس سے التجا کی وہ مجمع کو سمجھا دے کہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہے اور میں بعد میں خطاب کروں گی۔ اِڈ قریب ہی موجود تھا جو مجھے اسٹیج کے پیچھے پکڑا کر سنگار خانے میں لے گیا۔ اس سے پہلے مجھ پر کبھی ایسی نہ گزری تھی کہ میں خود پر اور اپنی آواز پر اختیار کھو بیٹھی ہوں' اس واقعے نے مجھے دہلا دیا۔ اِڈ تسلی دینے والے لہجے میں بول رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہر حساس شخص اپنے دل میں جیل کا اثر دیر تک رکھتا ہے۔ اس نے درخواست کی مجھے اس کے ہمراہ شہر چھوڑ دینا چاہیے' ایک پرسکون مقام پر مکمل آرام کرنا چاہیے۔ پیارے اِڈ اور اس کی نرم آواز نے مجھے ہمیشہ سکون پہنچایا۔ اس وقت بھی ان کا اثر ویسا ہی تھا۔

بعد ازاں ایک خوبصورت آواز سنگار خانے میں آئی۔ مگر یہ صدا میرے لیے نامانوس تھی۔ ''کون بول رہا ہے'' میں نے پوچھا ''وہ ماریا روڈا ہے، ایک اطالوی انارکسٹ لڑکی'' جواب اِڈ نے دیا ''وہ صرف سولہ برس کی ہے اور حال ہی میں امریکہ آئی ہے'' آواز نے مجھ میں بجلی دوڑا دی، میں اس سے ملنے کو بے چین ہوگئی۔ میں اس دروازے کی طرف بڑھی جو اسٹیج میں کھلتا تھا۔ ماریا روڈا ایک ایسی حسین تخلیق تھی جیسی میں نے کبھی نہ دیکھی تھی، اس کا قد درمیانہ تھا سر بہت خوش شکل جس پر سیاہ زلفیں سایہ فگن تھیں اور اس کی ستواں گردن پر دونوں طرف سوسن کے پھول لہرا رہے تھے۔ اس کا چہرہ زردی مائل تھا اور ہونٹ مرجان کی طرح سرخ۔ خصوصاً اس کی آنکھیں ہوشربا تھیں، آہو چشم اور اندرونی روشنی سے دمک رہی تھیں۔ میری طرح مجمع میں بہت کم لوگ اطالوی زبان سمجھتے تھے مگر اس کے ملکوتی حسن اور اس کی مدھر آواز نے پورے مجمع کو ہیجان آمیز جوش میں مبتلا کر دیا۔ ماریا میرے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

لیے سورج کی ایک کرن اور اسم با مسمیٰ ثابت ہوئی۔ میرا آسیب اڑن چھو ہو گیا، جیل کا اثر زائل ہو گیا، میں خود کو آزاد اور خوش وخرم محسوس کرنے لگی کیونکہ دوستوں میں تھی۔

میں ماریا کے بعد بولی، سامعین کا ایک ایک فرد پھر سے کھڑا ہو گیا اور داد کے ڈونگرے برسنے لگے مجھے احساس ہوا جیسے لوگ میری جیل کی کہانی پر بہت توجہ دے رہے ہیں مگر میں جھانسے میں آنے والی نہ تھی۔ میں جبلی طور سے سمجھ گئی کہ یہ ماریا روڈا کی جوانی اور حسن کا کرشمہ تھا نہ کہ میری تقریر کا کہ لوگ جھوم رہے ہیں۔ پھر بھی میں ابھی صرف پچیس برس کی تھی۔ مجھ میں اب بھی دلکشی تھی مگر اس شگفتہ پھول کے مقابلے میں خود کو بوڑھی محسوس کر رہی تھی۔ دنیا کے آلام نے مجھے اپنی عمر سے زیادہ عمر رسیدہ کر دیا تھا۔ میں معمر اور بجھی ہوئی محسوس کر رہی تھی۔ میں سوچنے لگی آیا عظیم نصب العین جسے آزمائش کی آگ نے شعلہ جوالہ بنا دیا ہو اس کے سامنے جوانی اور خیرہ کن حسن ٹھہر سکتا ہے۔

جلسے کے اختتام پر قریبی کامریڈ جسٹس کے ہاں جمع ہو گئے۔ ماریا روڈا ہمارے ساتھ تھی اور میں اس کے متعلق ہر چیز جاننے کے لیے بے چین تھی۔ پیڈرو اسٹیوا ایک ہسپانوی انارکسٹ نے مترجم کا کردار ادا کیا۔ مجھے یہ پتہ چلا کہ سانتا کا سیریو اس کا اسکول میں ساتھی رہ چکا تھا۔ ان کی استانی اِڈا نیگری تھی جو ایک شعلہ صفت انقلاب آفریں شاعرہ تھی۔ کاسیریو کی اعانت سے وہ ایک انارکسٹ گروہ میں شامل ہو گئی وہ اس وقت بہ مشکل چودہ سال کی ہو گی۔ جب کاسیریو نے فرانسیسی صدر کارنوٹ کو قتل کیا تو ان کے حلقے پر پولیس نے دھاوا بول دیا وہ دیگر تمام ارکان کے ساتھ جیل میں ڈال دی گئی۔ رہائی پانے کے بعد وہ اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ امریکہ آ گئی۔ ساشا اور میرے متعلق انہیں جو معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ اٹلی کی طرح امریکہ میں بھی مثالیت پسندوں کی پکڑ دھکڑ ہوتی ہے۔ ماریا نے محسوس کیا کہ ریاست ہائے متحدہ میں اس کے ہم وطنوں کے لیے کام کیا جا سکتا ہے۔ کیا میں اس کی مدد کروں گی، کیا میں اس کی استاد بننے کو تیار ہوں وہ مسلسل درخواست گزار بنی رہی۔ میں ماریا کی استانی، کامریڈ اور دوست بن کر دکھاؤں گی۔ ایک گھنٹہ پہلے میرے دل میں حسد پیدا ہونے والی گھن کھائی آواز بیٹھ چکی تھی۔

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے میں نے اِڈا سے ماریا کے متعلق بات چیت کی۔ میں یہ سن کر حیران رہ گئی کہ وہ میرے جوش وخروش سے متفق نہ تھا۔ اس نے یہ تسلیم کیا کہ اس میں بلا کی دلربائی ہے لیکن اس کے خیال میں یہ حسن دیرپا نہ تھا اور اس میں ہمارے آدرش کے لیے اس سے بھی کم جوش رہے گا۔ ''اطالوی عورتیں نوعمری میں بلوغت کو پہنچ جاتی ہیں'' اس نے کہا ''مگر پہلے بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی وہ جسمانی اور فکری طور پر عمر رسیدگی کا شکار ہو جاتی ہیں۔'' ''تو ٹھیک ہے ماریا کو بچے پیدا کرنے سے احتیاط کرنا چاہیے اگر وہ خود کو ہماری تحریک سے وابستہ کرنا چاہتی ہے۔'' میں نے تبصرہ کیا ''کسی عورت کو یہ نہ کرنا چاہیے'' اِڈا نے زور دے کر کہا۔ قدرت نے اسے مادریت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز حماقت ہے بناوٹی اور غیر حقیقی ہے۔

اس سے پہلے میں نے اِڈا کو ایسے خیالات ظاہر کرتے ہوئے نہ سنا تھا۔ اس کی گفتگو نے مجھ میں برہمی پیدا کر دی۔ میں نے مطالبہ کیا کہ وہ بتائے کہ کیا میں بھی ایک حماقت کر رہی ہوں کیونکہ میں ایک نصب العین کو بچے پیدا کرنے پر ترجیح دے رہی ہوں۔ اس موضوع پر اپنے جرمن کامریڈ کے رجعت پسند اظہار خیال کو میں نے قابل مذمت گردانا۔ میرے خیال میں وہ مختلف تھا میں اب سمجھی کہ وہ اوروں کی طرح کا تھا۔ شائیدہ بھی میری نسوانیت کا عاشق تھا اور مجھے صرف بیوی کی حیثیت دینا چاہتا تھا جو اس کے بچوں کی ماں ہو۔ وہ کوئی پہلا مرد نہ تھا جو مجھ سے اس کی توقع رکھتا تھا، ممکن ہے وہ یہ جان جائے کہ میں ایسی نہیں بن سکتی۔ کبھی بھی نہیں! میں اپنی راہ متعین کر چکی ہوں: کوئی بھی مرد مجھے اس راہ پر سے نہیں ہٹا سکتا۔

میں چلتے چلتے رک گئی۔ اِڈا بھی ٹھہر گیا۔ میں نے اس کے چہرے پر درد واندوہ دیکھ لیا اس کے بعد وہ یہ کہہ سکا ''جان من از راہ کرم چل پڑو دوسری صورت میں سامعین کا ٹھٹ لگنے جا رہا ہے'' اس نے بڑی نرمی سے میرا بازو تھام لیا مگر میں چھڑا کر تیزی سے اکیلی چل دی۔

اِڈا کے ساتھ میری زندگی بھرپور اور تابناک گزری تھی جس میں کبھی کوئی بال نہ آیا تھا۔ لیکن اب ایسا ہو گیا۔ اپنی مخلص

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کامریڈی اور خوابناک محبت سے کچی نیند کی طرح چونک پڑی۔ اِڈ نے اپنی خواہشات کبھی نہ ظاہر کی تھیں سوائے ایک واقع کے جب اس نے میرے بے روزگاروں کی تحریک میں شامل ہونے کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ میں یہ سمجھی کہ اس کی تہہ میں صرف میری صحت کے لیے تردد کارفرما ہے۔ یہ مجھے کیسے معلوم ہوتا کہ اس کے پیچھے کوئی اور جذبہ ہے۔ مردانہ مفاد؟ ہو نہ ہو یہی بات تھی، مرد کی قبضے میں رکھنے کی جبلت۔ جو کسی اور دیوی کو برداشت نہیں کرتی ماسوا اپنی ذات کے۔ ٹھیک ہے، یہ نہیں ہوسکتا، چاہے مجھے اِڈ سے ہاتھ دھونا پڑے۔ میں جی چھوڑ کر رونے لگی۔ کیا اِڈ کے بغیر میں جی سکتی ہوں، اس سرور کے بغیر جو اِڈ نے مجھے دیا تھا؟

میں ستم رسیدہ تھکی ہاری تھی اور میرے خیالات اِڈ کے گرد گردش کر رہے تھے اور ماریا روڈا اور سانتا کاسیرو کی یادوں کے گرد۔ آخر الذکر کی شبیہ میرے دماغ میں ان انقلابی واقعات کو لے آئی جو حالیہ دنوں میں فرانس میں ہوئے تھے۔ وہاں لاتعداد کارروایاں ہو چکی تھیں۔ وہاں ایمایل ہنری اور اگسٹ ویلان کی رہنمائی میں سیاسی بدعنوانیوں کے خلاف احتجاج بھی ہوئے تھے۔ نہر پانامہ کے لیے مختص سرمایہ پر ہیجانی سٹہ بازی ہوئی جس کے نتیجے میں کئی بینک دیوالیہ ہوگئے اور اس میں لاکھوں اپنی پس انداز کی ہوئی ساری پونجی سے محروم ہوگئے۔ جس سے چہار طرف مایوسی اور بے چارگی پھیل گئی۔ دونوں کو پھانسی دی گئی۔ ویلان کی کارروائی جان لیوا نہ ہوسکی۔ نہ کسی کی جان گئی اور نہ ہی کوئی گھائل ہوا تھا۔ پھر بھی اسے سزائے موت سنائی گئی۔ کئی ممتاز افراد جن میں فرانس کوپے، ایمایل زولا سمیت کئی لوگوں نے صدر کارنوٹ سے درخواست کی تھی کہ اس کی سزا بدل کر کم کر دی جائے۔ اس نے انکار کر دیا اور ویلان کی معصوم بچی کے دردناک خط کو بھی نظر انداز کر دیا جس کی عمر ابھی نو برس تھی۔ جس نے اپنے باپ کی زندگی بخش دینے کی درخواست کی تھی۔ ویلان کو گلوٹین کو نذر کر دیا گیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد جب صدر کارنوٹ اپنی بگھی میں جا رہا تھا تو ایک نوجوان اطالوی نے اسے خنجر کے وار سے ہلاک کر دیا۔ اس کے خنجر پر یہ کھدا ہوا تھا ''ویلان کا انتقام'' اطالوی کا نام سانتا کاسیریو تھا اور وہ اٹلی سے پیدل چل کر اپنے کامریڈ ویلان کا بدلہ لینے آیا تھا۔

میں نے اس کارروائی اور اس سے ملتی جلتی دیگر کارروایوں کو انارکسٹ جریدوں میں پڑھا تھا جنہیں اِڈ چوری چوری جیل میں پہنچاتا۔ ان کی روشنی میں میرا ذاتی دکھ جو اِڈ سے ہونے والی پہلی بدمزگی سے پیدا ہوا تھا' پربت کے مقابلے میں رائی لگا' جب کہ سماجی افق خون اور درد سے بھرا ہوا تھا۔ یکے بعد دیگرے ان سورماؤں کے نام میرے سامنے آنے لگے جو اپنی جانیں اپنے آدرش پر نثار کر چکے تھے یا میری نگاہوں کے سامنے اب بھی جیلوں میں شہید کیے جا رہے تھے۔ میرا اپنا ساشا اور اس جیسے دوسرے۔۔ وہ دنیا کی ناانصافی کے چنگل میں کیسے آ گئے، کیسے عالی دماغ جو سماجی قوتوں کے اردب میں آ کر وہ کام کر بیٹھے جس سے وہ کراہت رکھتے تھے یعنی انسانی زندگی کا اتلاف' میرے ضمیر کی گہرائی میں کسی انجانی شے سے اس المناک زیاں پر سرکشی دکھائی۔ لیکن میرے علم میں تھا کہ اس سے مفر بھی نہیں ہے۔ میں منظم تشدد کے خوفناک نتائج سے واقف تھی۔ اس کا ناگزیر نتیجہ مزید خوں ریزی ہوتی ہے۔

تاہم خوش قسمتی سے ساشا کی روح مجھ پر ہمیشہ سایہ فگن رہتی جس سے ذاتی آلام کو بھولنے میں مدد ملتی۔ میری رہائی پر میرے استقبال کرنے کے لیے اس نے جو خط لکھا تھا وہ اس کے ملنے والے خطوط میں سب سے زیادہ حسین تھا۔ اس میں اس نے نہ صرف میری محبت کا اعادہ کیا۔ اور اس کے علاوہ مجھ پر اپنے اعتماد کو بھی ظاہر کیا۔ بلکہ اپنی جرات اور کردار کی قوت بھی ظاہر کی۔ اِڈ کے پاس گیفا نگس۔ بلیتین جریدے کی کاپیاں محفوظ تھیں۔ ایک چھوٹا سا رسالہ جسے ساشا، نولڈ اور باورمل کر خفیہ طور پر جیل میں نکالتے تھے۔ جینے کے لیے ساشا کا عزم بہ ظاہر ہر لفظ سے جھلکتا، اس کا اٹل ارادہ کہ وہ لڑے گا اور دشمن کو یہ موقع نہ دے گا کہ وہ اسے کچل دے۔ تیئیس برس کے لڑکے میں غیر معمولی ہمت تھی۔ اپنی کم ہمتی پر مجھے شرم آتی تھی۔ پھر بھی مجھے معلوم تھا کہ یہ شخص میری زندگی میں اہم کردار ادا کرنے والا ہے۔ میں ایک ڈھیلے سے نہیں بنی تھی بلکہ ساخت میں آویزش اور کئی رنگوں کا مرکب تھی۔ آخری دم تک میں دو حصوں میں منقسم رہوں گی جو ذاتی زندگی بسر کرنے کی آرزو اور اپنے نصب العین پر سب کچھ نچھاور کر دینے کے خیال کا سنگم ہوگا۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اگلے روز اِڈ صبح میں جلدی آ گیا۔ وہ معمول کے مطابق بنا سنورا ہوا تھا اور ظاہراً پرسکون۔ لیکن میں اس کی روح میں برپا تلاطم کو دیکھ چکی تھی جو اس کے لیے دیے رہنے والے اطوار سے جھلکنے لگتا۔ اس کی تجویز تھی کہ ہمیں شہر سے باہر کا پھیرا لگانا چاہیئے۔ مجھے جیل سے رہا ہوئے کوئی پندرہ دن ہو چکے تھے مگر ہمیں ایک ساتھ پورا دن گزارنے کا موقع نہ ملا تھا۔ ہم دونوں مین ہٹن کے ساحل پر چلے گئے۔ نومبر کی تند ہوا چل رہی تھی سمندر طوفانی تھا لیکن سورج آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اِڈ کوئی باتونی آدمی نہ تھا۔ لیکن اس دن وہ اپنے لیے کھل کر بولا، تحریک میں اس کی دلچسپی اور مجھ سے اپنی محبت کے متعلق۔ دس برس کی قید و بند نے اسے سوچ بچار کے لیے بہت وقت دیا۔ جیل سے نکلتے وقت انارکزم کی سچائی اور حسن پر اس کا عقیدہ کہیں زیادہ مستحکم تھا بمقابلہ اس وقت کے جب اسے پہلی مرتبہ جیل بھیجا گیا تھا۔ اسے اب بھی یقین تھا فتح بالآخر ہماری ہوگی مگر اس کا بھی قائل ہے کہ منزل بہت دور ہے۔ اسے امید نہیں تھی کہ اس کی حیات میں کوئی بڑی تبدیلی ہو سکے گی۔ اب وہ یہی کر سکتا ہے کہ اپنی زندگی کو یوں ترتیب دے جو اس کے نظریات سے اس حد تک مطابقت رکھتے ہوں جتنا ممکن ہے۔ باقی ماندہ زندگی کے لیے وہ اپنی جان کے عوض میرا طلبگار تھا۔ وہ یہ بھی قبولا کہ وہ کہیں زیادہ خوش ہوگا اگر میں خطابت چھوڑ دوں اور مطالعے پر اپنا وقت صرف کروں اور تصنیف و تالیف کو بطور پیشہ اختیار کروں۔ یوں اسے میری زندگی اور آزادی سے متعلق دائمی تشویش سے نجات مل جائے گی۔ تمہارے مزاج میں بڑی شدت اور تیزی ہے، اس کے بقول ''مجھے تمہارے تحفظ کی فکر رہتی ہے'' اس نے گڑگڑا کر کہا کہ میں ناراض نہ ہوں اسے یقین ہے کہ عورت پہلے ماں ہے۔ اسے اس کا بھی یقین تھا کہ تحریک سے میری گہری وابستگی کا سبب غیر آسودہ مامتا ہے جسے نکاسی کے لیے کوئی وسیلہ چاہیئے۔ ''تم ماں پہلے ہو، اے میری پیاری سی ایما، جسمانی لحاظ سے اور احساسات میں۔ تمہاری نزاکت اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے''

مجھ پر بے خودی طاری ہوگئی۔ اور جب میری گویائی لوٹی اور میں عاجزانہ اور ناکافی الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے قابل ہوئی جو میں محسوس کر رہی تھی، میں اسے صرف اس سے اپنی چاہت بیان کر سکی اور وہ میری کتنی بڑی ضرورت ہے اور اپنی گہری خواہش کو جو میں اسے وہ دے سکوں جس کی اسے آرزو تھی۔ کیا میرے نصب العین کا سبب میری نیم واکوکھ اور ترساں مامتا تھی؟ اس نے مجھ میں بچے کی دیرینہ آرزو کو جگا دیا تھا۔ اور آفاقی آدرش کے لیے میں نے بچے کی صدا کا گلا گھونٹ دیا۔ میرے جنون نے مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا۔ مرد بھی آدرشوں پر فدا ہوتے ہیں پھر بھی بچوں کے باپ بنتے ہیں۔ لیکن بچے کی پیدائش میں مرد کا جسمانی کردار محض چند لمحات کا ہوتا ہے۔ عورتوں کا برس ہا برس چلتا ہے۔ اور واحد انسانی ذات میں اتنا انہماک پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں پوری انسانیت نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ میں ایک کے لیے دوسرے کو کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ لیکن میں تمہیں محبت اور والہانہ وابستگی ضرور دوں گی۔ یہ بھی صحیح اور ممکن ہے کہ ایک مرد اور عورت حسین تعشقانہ زندگی بسر کریں اس کے باوجود ایک عظیم مقصد سے وابستہ رہ سکتے ہیں۔ میں نے تجویز پیش کی کہ ہمیں کوشش کر کے ایک جگہ حاصل کرنا چاہیئے جہاں ہم رہ سکیں۔ غریب ہونے کے باوجود رواج کے مطابق ہمارا اپنا گھر نہ ہونا چاہیے جو بعد میں تفرقے کا سبب بنتا ہے۔ ہماری محبت اس کی تزئین و آرائش کر دے گی اور ہمارا کام اس میں معنویت بھر دے گا۔ اس خیال سے اِڈا چھل پڑا اور مجھے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا، میرا تنومند اور طاقتور محبوب عوامی جگہوں پر اظہار جذبات کو سخت ناپسند کرتا۔ خوشی کے مارے وہ بھول گیا کہ ہم ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔ میں اسے اس بات پر چھیڑنے لگی کہ اس نے اپنے اچھے اطوار کو ترک کر دیا۔ لیکن وہ ایک بچہ لگ رہا تھا خوش باش اور چنچل۔ اس سے پہلے میں نے اسے اس حالت میں کبھی نہ دیکھا تھا۔

اس بات میں کوئی چار ہفتے لگ گئے جب ہمارا منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اخبارات مجھے نامور لوگوں کی صف میں کھڑا کر چکے تھے۔ اور جلد ہی مجھے جرمن ضرب المثل یاد آنے لگی (آنے والے کل کی خبر نہیں' انسان اس کا قیاس بھی نہیں کر سکتا) مجھے امریکیوں کے جذبات کا علم تھا جو وہ نامور لوگوں کے متعلق رکھتے ہیں۔ خصوصاً وہ ایسی عورتوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جو شہرت کی چکاچوند کا مرکز بنیں۔ چاہے وہ انعام لینے کی ہوڑ میں ہوں، بیس بال کی کھلاڑی یا سینما کی ہیروئن ہوں۔ بیوی کے قاتل یا ان کا تعلق

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

یورپ کے خستہ حال اشرافیہ سے ہو۔جیل یاترا کے طفیل میرا نام اخبارات کی زینت بنا جس سے مجھے شہرت مل گئی۔ ہر روز مجھے ظہرانوں اور عشائیوں کے لاتعداد دعوت نامے موصول ہونے لگے۔لگتا تھا جیسے ہر ایک مجھے سر پر بٹھانے کو بے چین ہے۔

بہت سے دعوت ناموں میں سے ایک جس کی میں منتظر تھی وہ سوینٹن والا تھا۔انہوں نے لکھا کہ میں ان کے ہاں عشائیے میں آؤں اور اپنے ہمراہ اِڈاور جسٹس کو بھی لاؤں۔ان کا اپارٹمنٹ سادہ مگر آرائش لاجواب تھی جو تحایف اور نرالی چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔وہاں ایک دلکش سماور رکھا ہوا تھا جسے روسی جلاوطنوں نے جنگ آزادی کے سلسلے میں اس کی انتھک کوششوں کے اعتراف میں بھیجا تھا۔ایک نہایت عمدہ اور نازک کام کا چینی کا برتن جو کمیون کے حامی فرانسیسیوں نے بھیجا تھا جو ۱۸۷۱ء میں پیرس کمیون کے مختصر مدت والے کمیون کے بعد (تی ایئر اور گالیفے) کے خوں ریز حملوں سے بچ نکلے تھے ہنگری کے کسانوں کی بنائی ہوئی سوزن کاری کے نمونے اور دیگر تحائف' جن سے امریکیوں کی عالیشان جسمانی اور روحانی جذبہ حریت کی ترجمانی ہوتی تھی۔

جب ہم پہنچے تو سوینٹن کو اپنے سفید بالوں پر ایک ریشمی ٹوپی رکھے سیدھا اور تن کر کھڑے پایا' چھوٹتے ہی میری سرزنش کرنے لگا کہ تم نے جیل میں قیام کے دوران میں حبشیوں کے لیے کیا کہا تھا۔دی نیویارک ورلڈ میں وہ باتیں پڑھ چکا تھا جو میں نے اصلاحی جیل کے حالات بیان کرنے میں افشاء کی تھیں۔اس نے مقالے کو پسند کیا تھا لیکن اس سے دکھ پہنچا تھا کہ ایما گولڈمان ''رنگ دار لوگوں کے خلاف سفید فام لوگوں کے تعصّبات کی'' حامل ہے۔میں تو سناٹے میں آ گئی۔میرے لیے یہ بات فہم سے بالاتر تھی کہ کوئی شخص وہ بھی جان سوینٹن کے کینڈے کا آدمی میرے مقالے میں نسلی تعصب کا شک کرے۔میں نے تو اشارتاً محض اس امتیازی کارروائی کا ذکر کیا تھا جو فاقہ زدہ سفید فام عورتوں اور منظورِ نظر حبشیوں کے درمیان رکھی جاتی ہے۔میں اس وقت بھی اتنا ہی احتجاج کرتی اگر سیاہ فام عورتوں کو راشن سے محروم کیا جاتا۔'' پکی بات ہے، پکی بات'' سوینٹن نے جواب دیا پھر بھی تمہیں اس جانبداری کا تذکرہ نہ کرنا چاہیے تھا۔ہم سفید فام لوگوں نے ان حبشیوں پر اتنے مظالم ڈھائے ہیں کہ کسی خلاف معمول نوازش سے بھی اس کا کفارہ ممکن نہیں ہے۔اس میں شک نہیں کہ میٹرن ایک درندہ ہے مگر میں اس کے تمام جرائم اس لیے معاف کرتا ہوں کیونکہ وہ ان بے چارے سیاہ فام اسیروں سے ہمدردی رکھتی ہے۔''لیکن اس کی ان کارروایوں کے پیچھے نیک محرکات نہ تھے۔'' میں نے احتجاج کیا'' وہ ان پر اس لیے مہربان تھی تاکہ ان سے ہر ذلیل کام کروا سکے۔سوینٹن قائل نہ ہوا۔وہ غلامی کے خاتمے کی تحریک چلانے والوں کا دیرینہ حلیف تھا۔وہ خانہ جنگی میں لڑا تھا اور زخمی بھی ہوا تھا۔یہ ظاہر تھا کہ رنگدار لوگوں کے لیے اس کے احساسات نے اسے جانبدار بنا دیا تھا۔اس مسئلے پر مزید دلائل بے سود تھے اس کے علاوہ بیگم سوینٹن ہمیں کھانے کی میز کی طرف بلا رہی تھیں۔

وہ دل آویز میزبان تھے خصوصاً جان نہایت کریم اور گرم جوشی کا مرقع تھا۔وہ لوگوں اور دیگر معاملات میں بہت تجربہ رکھتا تھا اور وہ میرے لیے متنوع اطلاعات کی اسم بامسمّیٰ کان ثابت ہوا۔پہلی مرتبہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس نے شکاگو کے انارکسٹوں کو پھانسی کے پھندے سے بچانے کے لیے کیا جتن کیے تھے اور دیگر عوام دوست امریکیوں کے متعلق جنہوں نے میرے کامریڈوں کی کس جرات سے مدافعت کی تھی۔مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ امریکہ۔روس کے درمیان ملک بدری کے معاہدے کے خلاف سوینٹن نے کتنا بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔اور کارکنوں کی تحریک میں اس کا اور اس کے دوستوں کا کتنا حصہ تھا۔سوینٹنوں کے ساتھ گزاری ہوئی شام نے مجھے اپنے اختیار کردہ وطن کے متعلق ایک نیا زاویہ نظر دیا۔اپنی اسیری تک میں یہی سمجھتی رہی کہ البرٹ پارسنز، ڈاریڈی لم والیٹرائین ڈی کلیر اور چند دوسروں کو چھوڑ کر امریکہ مثالیت پسندوں کا صحرا ہے۔اس کے مردوزن صرف مادی اشیا کی چھینا جھپٹی میں لگے رہتے ہیں۔یہ میرا خیال نکلا۔آزادی کے متوالوں کے متعلق سوینٹن کے بیان سے جو آج بھی ہر قسم کے جبر کے خلاف صف آرا ہیں نے میرے سطحی فیصلے کو بدل دیا۔جان سوینٹن نے میرے دل میں یہ بات اتار دی کہ اگر آپ امریکیوں کو ایک مرتبہ قائل کر لیں تو وہ مثالیت اور قربانی دینے کی اتنی ہی صلاحیت رکھتے ہیں جتنی میرے روسی سورما مرد اور خواتین۔جب میں سوینٹن میاں بی بی سے رخصت ہو رہی تھی تو امریکہ پر اعتماد اور امکانات پر نیا یقین پیدا ہو چکا تھا۔مرکز شہر کی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

طرف جاتے ہوئے راستے میں میں نے اِڈاور جسٹس سے بات کی اور کہا کہ آج سے میں تمام نشرواشاعت کا کام انگریزی زبان میں کروں گی اور اہل امریکہ میں ۔بے شک تارکین وطن کے حلقوں میں کام کرنا بھی ضروری ہے مگر حقیقی سماجی تبدیلیاں صرف مقامی آبادی لاسکتی ہے۔اس لیے ان میں روشن خیالی پیدا ہونا اشد ضروری ہے،ہم سب متفق تھے۔

آخر کار اِڈاور میرے پاس رہنے کے لیے اپنی جگہ ہوگئی۔دی نیویارک ورلڈ میں جیل سے متعلق میرے مضمون کے عوض مجھے ڈیڑھ سو ڈالر ملے جس سے ہم نے گیارہویں کوچے میں ایک چار کمرے کا فلیٹ لیا اور آرائش بھی کرلی۔ہمارا زیادہ تر فرنیچر استعمال شدہ تھا۔لیکن بیڈ اور صوفہ نیا تھا۔اولالذکر کے ساتھ ایک میز اور چند کرسیاں تھیں اور حجرہ تیار ہوگیا۔اِڈاس وقت حیران ہوگیا جب میں نے ذاتی استعمال کے لیے کمرے پر اصرار کیا۔کیا اوقات کار میں ہماری جدائی کافی نہیں ہے،وہ بولا،فارغ وقت میں تمہیں میرے پاس ہونا چاہیئے۔مگر میں اپنے گوشہ عافیت پر اڑی رہی۔میرا بچپن اور جوانی اس بات سے مسموم رہا کہ کوئی نہ کوئی میرے کمرے کا شراکت دار بن جاتا۔جب سے میں ایک خودمختار فرد بنی ہوں۔میں نے اپنی خلوت پر اصرار کیا ہے تاکہ دن اور رات کا کچھ حصہ تنہائی میں بسر کروں۔

مذکورہ الجھن کو چھوڑ کے اس گھر میں ہماری زندگی تابناک تھی۔اِڈ بطور انشورنس ایجنٹ سات ڈالر ہفتہ کمارہا تھا۔مگر وہ کام سے واپسی پر شائید ہی کبھی خالی ہاتھ آتا اور اس کے پاس پھول یا چھوٹا سا تحفہ ہوتا چینی کا خوبصورت پیالہ یا پھول دان۔اسے رنگوں سے میری چاہت کا علم تھا اور کوئی چیز لانا نہ بھولتا جس سے گھر خوش تر اور چمکنے نہ لگے۔ہمارے ملنے والے بہت سے آتے اور اتنے زیادہ جس سے اِڈ کا صبر متاثر ہوجاتا۔وہ سکوت چاہتا اور میرے ساتھ تنہا رہنا چاہتا۔مگر فیدیا اور کلاس ماضی میں زندگی کا حصہ رہ چکے تھے اور میری جدوجہد کا حصہ بھی تھے مجھے ان کی رفاقت درکار تھی۔

بلیک ویل جزیرے پر کلاس کا قیام خیریت سے گزر گیا۔بلاشبہ اس کی قیمتی بیر چھٹ چکی تھی اس کے علاوہ اس نے وقت خوب گزارہ تھا۔جزیرے سے رہائی کے بعد اس نے ایک انارکسٹ اخبار نکالا جس کا نام 'دیر اسٹورم فوگل' رکھا۔اس کی تمام تحریروں کا وہ خود قلمکار تھا۔طباعت کی تمام ذمہ داریوں کے علاوہ اس کی تقسیم بھی خود کرتا۔لیکن اتنی مصروفیات کے باوجود اپنی شرارتوں سے نہ باز آتا۔اِڈ کے لیے وہ بلائے جان بن گیا اور اس نے اس کی عرفیت 'بچو وگل' رکھ دی۔

میرے جیل جاتے ہی فیدیا کو نیویارک کے ایک طباعتی ادارے میں روزگار مل گیا۔وہ وہاں قلم دوات سے لوگوں کی شبیہیں بناتا اور اپنے میدان کے سب سے اچھے فنکاروں میں شمار ہونے لگا تھا۔اس کی ابتدا پندرہ ڈالر ہفتہ سے ہوئی تھی جس سے وہ باقاعدگی سے دس ماہ کی اسیری میں میری ضروریات پوری کرتا رہا۔اب چونکہ وہ پچیس ڈالر فی ہفتہ پا رہا تھا تو وہ اس پر مصر ہوا کہ میں دس ڈالر ہفتہ قبول کرلیا کروں تاکہ اور کامریڈوں سے مانگنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔جو وہ سمجھتا تھا کہ مجھے ناگوار گذرتا ہے۔وہ حسب سابق مجھ پر مہربان تھا' زیادہ پختگی آگئی تھی اور اس کے ذاتی اعتماد میں اضافہ کے ساتھ اپنے ہنر میں بھی۔

وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اگر اسے اپنی ملازمت برقرار رکھنا ہے تو وہ ہماری صفوں میں کھلم کھلا نہیں آسکتا۔لیکن تحریک میں اس کی دلچسپی جاری رہی اور ساشا سے متعلق تشویش میں بھی کوئی کمی نہ آئی۔میری اسیری کے زمانے میں اس نے ساشا کے لیے کئی اشیا خریدنے میں دستگیری کی تھی۔یہی بہت تھا کہ مغربی اصلاحی جیل تک کسی کی رسائی ہورہی تھی۔گاڑھا دودھ،صابن،زیر جامے اور موزے چلے جاتے۔ان معاملات کا ذمہ دار اِڈ تھا۔اب میں متمنی تھی کہ ان چیزوں پر توجہ دوں اور میں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ ساشا کی سزا کی تخفیف کے لیے ایک اور مہم شروع کی جائے۔

جیل سے آئے ہوئے مجھے دو ماہ گزر چکے تھے۔لیکن میں بدنصیب قیدیوں کو نہ بھولی تھی۔میں ان کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی۔اس مقصد کے لیے مجھے رقم درکار تھی اور میں اپنی کفالت کے لیے بھی کمانا چاہتی تھی۔

اِڈ کی سخت مخالفت کے باوجود میں نے بطور کارکن نرس کے کام کرنا شروع کردیا۔ڈاکٹر جولیس ہافمین اپنے نجی مریضوں کو سینٹ مارکس اسپتال میں علاج معالجے کے بعد میرے پاس بھیج دیتا۔جیل سے روانگی سے پہلے ڈاکٹر وڈ نے کہا تھا کہ وہ اپنے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دفتر میں مجھے کام دے گا۔ وہ اپنے مریضوں کو مجھ سے رابطہ کرنے کی سفارش اس لیے نہیں کرسکتا کیونکہ "ان میں زیادہ تر پرلے درجے کے احمق ہیں، انہیں ہر وقت یہ خوف دامن گیر رہے گا کہ کہیں تم انہیں زہر نہ دے دو۔" وہ مردِ عزیز اپنی بات کا سچا نکلا۔ اس نے مجھے کئی گھنٹے یومیہ کی ملازمت دے دی۔ اس کے علاوہ نو تعمیر شدہ 'بیت اسرائیل' اسپتال میں جو مشرقی براڈوے پر تھا کام مل گیا۔ مجھے اپنا پیشہ دلچسپ لگا اور میں اتنی رقم کمانے لگی جتنی ماضی میں کبھی نہ ہوئی تھی۔ مشین کی چکی پیسنے سے جو نجات ملی یا کارخانے کے کام سے تو اس سے بہت خوشی ہوئی۔ اس خوشی سے بڑھ کر یہ اطمینان کہ اب مطالعے کے لیے زیادہ وقت ملنے لگا اور عوامی سرگرمیوں کے لیے بھی۔

جب سے میں انارکسٹ تحریک میں شامل ہوئی تھی میری تمنا رہی کہ میری کوئی ایسی دوست بنے جو میری ہی صنف کی ہو۔ اور ایسی فروزاں روح کی ہو جسے میں اپنے انتہائی نجی خیالات اور احساسات میں شریک کروں جو میں مردوں سے نہیں بیان کرسکتی تھی یہاں تک کہ اِڈ تک سے نہیں۔ عورتوں سے دوستی کے بجائے مجھے حریفانہ رویئے اور ادنیٰ رشک وحسد سے اس لیے واسطہ پڑا کہ مرد مجھے کیوں پسند کرتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ چند مستثنیات بھی تھیں۔ مثلاً اپنی تنٓر جو ہمیشہ وسیع القلب اور فیاض تھی، ہناشانوتکن، ماریالویس کے علاوہ ایک دو اور۔ مگر میں ان سے تحریک کی وجہ سے جڑی ہوئی تھی۔ ہم میں کوئی نزدیکی ذاتی اور بے تکلفی کے نکتے پر میل جول نہ تھا۔ میری زندگی میں والٹیرا ین ڈی کلیر کے آ جانے سے یہ امید پیدا ہوئی کہ نفیس دوستی جنم لے گی۔

جیل میں مجھ سے ملنے کے لیے آنے کے بعد سے وہ مجھے بہت عمدہ خطوط لکھتی رہی جن میں کامریڈی اور محبت ظاہر ہوتی۔ ان میں سے کسی ایک میں اس نے تجویز دی کہ رہائی کے بعد مجھے پہلے اس کے پاس آنا چاہیے۔ وہ مجھے اپنی انگیٹھی کے پاس بیٹھا کر چین و راحت کا انتظام کرے گی۔ وہ میری خدمت میں حاضر رہا کرے گی۔ پڑھ کر سنائے گی اور کوشش کرے گی کہ میں اپنے آسیبی تجربے کو فراموش کرلوں۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد اس کا خط آیا کہ وہ اور اس کے دوست اے۔ گورڈن نیویارک آ رہے ہیں اور مجھ سے ملاقات کے لیے بے چین ہیں۔ میں یہ بھی نہ چاہتی تھی کہ اسے انکار کردوں۔ وہ میری خیراندیش تھی۔ لیکن میں گورڈن سے ملنے کی روادار نہ تھی۔ جب میں پہلی مرتبہ فلیڈیلفیا گئی تھی تو ایک حلقے میں میں اس شخص سے ملی تھی، اس نے مجھ پر ناخوشگوار تاثر چھوڑا تھا۔ وہ موسٹ کا پیروکار تھا اس لیے مجھ سے متنفر تھا۔ کامریڈوں کی محفل میں اس نے یہ اعلان کردیا کہ میں تحریک میں رخنہ اندازی کررہی ہوں اور مجھ پر یہ الزام بھی لگایا کہ میں سفلی مقاصد کے لیے شامل ہوئی ہوں۔ وہ کسی بھی ایسے جلسے میں نہ جائے گا جہاں میں خطاب کرنے والی ہوں گی۔ وہ اتنا سادہ لوح بھی نہ تھا کہ قید وبند کی سزا نے میری اہمیت میں معتدبہ اضافہ کردیا ہے۔ مجھے تو کوئی ایسی بات نظر نہ آتی تھی جس نے میرے متعلق گورڈن کے خیالات بدل دیے ہوں۔ میں نے بے تکلفی سے والیٹرا ین کو لکھ دیا اور وضاحت کردی کہ گورڈن سے میں کیوں نہیں ملنا چاہتی۔ ہر ماہ مجھے دو ملاقاتوں کی اجازت تھی۔ میں اِڈ کی ملاقات سے دستبردار نہیں ہوسکتی تھی اور دوسری ملاقات میں میرے قریبی دوست آئیں گے۔ اس کے بعد سے والیٹرا ین نے کوئی خبر نہ لی۔ پھر بھی اس کی خاموشی کو میں نے بیماری پر محمول کیا۔

اپنی رہائی پر مجھے بہت سے خط ان دوستوں کی طرف سے ملے جو نظریاتی طور پر میرے ہم خیال تھے اور ان میں ایسے بھی تھے جن سے میں ناواقف تھی۔ لیکن والیٹرآین کی جانب سے ایک لفظ نہ سنائی دیا۔ جب میں نے اِڈ سے اس مسئلے پر اپنی حیرانی ظاہر کی تو اس نے بتایا کہ والیٹرآین کو اس بات سے بہت دکھ پہنچا ہوگا کیونکہ میں نے گورڈن کو جزیرے پر آنے سے منع کردیا تھا۔ مجھے اس بات پر بہت افسوس ہوا کہ اتنی شاندار انقلابی خاتون مجھ سے اس لیے برگشتہ ہوجائے کہ میں نے اس کے دوست سے ملنے سے انکار کردیا تھا۔ میرے صدمے کو دیکھ کر اِڈ نے تبصرہ کیا "گورڈن محض اس کا دوست نہیں ہے، وہ اس سے بڑھ کر ہے" لیکن اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی کہ ایک مختارِ کل عورت اپنے دوستوں سے یہ توقع رکھے کہ وہ اس کے چاہنے والے سے بھی سلام دعا رکھے۔ میں نے محسوس کیا کہ والیٹرآین نے اپنی انتہائی تنگ نظری ظاہر کردی جس کی وجہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سے میری کبھی ہمت نہ پڑے گی کہ میں اس سے بے تکلفی سے پیش آؤں۔اس سے گہری دوستی ہوجانے کی میری آس ٹوٹ گئی۔

ایک حد تک اس کی تلافی ایک اور عورت نے کردی جو نوجوان اور حسین تھی اور میری زندگی میں داخل ہوئی۔اس کا نام ایمالی تھا۔میری اسیری کے زمانے میں اس نے اِڈ سے اپنی خط و کتابت میں میرے مقدمے میں دلچسپی لی۔اس کے خطوط میں اس کے نام کے بجائے صرف دو حروف تہجی ہوتے۔اس کا طرز تحریر نہایت مردانہ تھا۔اِڈ اسے مرد ہی سمجھتا رہا۔''میری حیرانی کا اندازہ لگاؤ'' اِڈ نے مجھے اس کے ایک پھیرا لگانے سے پہلے کہا جب ایک جوان اور دلکش عورت غیر شادی شدہ عورتوں کے حاطے میں داخل ہوئی۔ایمالی صرف دلکش ہی نہ تھی بلکہ صاحب فراست تھی اور حس مزاح بھی موجود تھی۔نظر پڑتے ہی وہ میرے دل میں اتر گئی جب اِڈ کے ہمراہ وہ مجھ سے ملنے جیل میں آئی۔رہائی کے بعد ایمالی اور میں نے کافی وقت اکٹھا گزارا۔ابتدا میں وہ اپنی ذات کے لیے کم گو رہی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس کی سرگزشت مجھے معلوم ہوئی۔اسے مجھ میں اس لیے دلچسپی پیدا ہوئی کیونکہ ایک زمانے میں وہ بھی جیل میں رہی تھی اور اس کی ہولناکیوں سے واقف تھی۔وہ ایک آزاد خیال مفکر ہوچکی تھی اور عقائد کی ان بیڑیوں کو کاٹ چکی تھی کہ جنسی تعلق اسی وقت جائز ہوتا ہے جب قانون اجازت دے۔اس کی ایسے شخص سے ملاقات ہوچکی تھی جو اس کا ہم خیال نکلا۔وہ شادی شدہ اور نہایت ناخوش تھا۔اس کے بقول اس میں کامریڈ سے بڑھ کر کوئی چیز ملی تھی اور وہ اس کی محبت میں گرفتار ہوگیا۔اسے بھی مرد سے عشق ہوگیا۔لیکن جلد ہی ان کے رشتے کا جنوب کے چھوٹے سے قصبے کی منافقانہ فضا میں پنپنا ناممکن ہوگیا۔وہ واشنگٹن چلے گئے لیکن وہاں بھی دارو گیر کھدیڑنے لگی۔انہوں نے نیویارک میں پناہ لینے کا منصوبہ بنایا اور ایمالی اپنے آبائی قصبے جا پہنچی تاکہ ایک چھوٹا سا قطعہ اراضی جو اس کی ملکیت تھا ٹھکانے لگادے۔اسے وہاں کے قیام کو ابھی ہفتہ بھر بھی نہ ہوا تھا کہ اس کی رہائش کو آگ لگادی گئی گھر بیمہ شدہ تھا اس لیے ایمالی کو فوراً آتش زنی کے الزام میں دھرلیا گیا۔اس کو سزا سنادی گئی یعنی پانچ سال کی قید۔اس تمام مدت میں مرد کو سانپ سونگھ گیا۔وہ مجھے بھگتان بھگتنے کو چھوڑ گیا اور کسی مشرقی شہر میں روپوش ہے۔

اس ناگوار انداز میں اس کی نگاہوں کے سامنے سے پردہ ہٹا کہ اسے برداشت کرنا قید و بند سے بھی زیادہ مشکل تھا۔جنوبی اصلاحی جیل میں گزر بسر کا جو نقشہ ایمالی نے کھینچا موازنہ کرنے پر بلیک ویل جزیرے میں قیام بہشت جیسا لگا۔اس دوزخ کے ہاویے زاویے میں حبشی مجرمین کو چاہے وہ مرد یا عورتیں ہوں قانون کے سر موانحراف پر کوڑے برسائے جاتے۔سفید فام عورتیں بھوگ کراتیں یا پھر فاقہ کشی کرتیں۔وہاں کا ماحول لرزہ خیز تھا جس میں شرمناک گفتگو ہوتی یا شرمناک کارروائیاں ہوتی رہتیں جس میں اسیر اور عملہ برابر کے شریک تھے۔ایما کو وارڈن اور جیل کے ڈاکٹروں کے مطالبات کے خلاف ہر لمحے چوکس رہنا پڑتا۔ایک مرتبہ یہ نوبت آگئی جب تحفظ ذات کے لیے وہ قتل پر تل گئی۔وہ جیل سے زندہ نہ نکل پاتی اگر اس قصبے میں اپنی ایک دوست کو ایک رقعہ نہ بھیج پاتی، جو ایک عورت تھی۔اس نے کچھ لوگوں کو اس پر آمادہ کیا جنہوں نے خاموشی سے گورنر تک رحم کی درخواست پہنچادی۔بالآخر ایمالی کے لیے معافی نامہ حاصل کرلیا گیا جب وہ دو سال کی قید بھگت چکی تھی۔

اسی وقت سے اس نے جیل کے ماحول میں بنیادی تبدیلیاں لانے کا بیڑا اٹھالیا۔وہ پہلے ہی یہ کامیابی حاصل کرچکی تھی جس میں اپنے سابق ستمگاروں کی برطرفی شامل تھی۔اب وہ جیل میں اصلاحات کی کمیٹی کی سوسائٹی کی اعانت کررہی تھی۔

ایمالی کی ذات میں ایک نادر روزگار روح پنہاں تھی وہ تعلیم یافتہ نفیس اور آزاد خیال تھی حالانکہ اس نے آزادی فکر والا ادب کم ہی پڑھا تھا۔اپنے اوپر گزرنے والے واقعات سے وہ جنوبی خطے کے حبشی دشمن تعصب سے نجات پاچکی تھی۔سب سے زیادہ قابل تحسین بات اس میں یہ تھی کہ مردوں کے خلاف اس کے دل میں کوئی تلخی نہ تھی۔اس کی اپنی محبت کی ناکامی نے بھی زندگی کے متعلق نظریات میں کوئی یک رخی نہ پیدا کی تھی۔مردوں کے مزاج میں خودغرضی ہوتی ہے اور عورتوں کی ضروریات کی طرف سے لاپرواہ ہوتے ہیں، وہ کہتی۔ان میں جو سب سے زیادہ آزاد خیال ہے وہ بھی عورتوں کو اپنی ملکیت میں رکھنا چاہتا ہے۔لیکن بہت دلچسپ اور دل بہلانے والے ہیں۔میں اس کی اس بات سے متفق نہ تھی کہ وہ خودغرضی پر مائل رہتے ہیں اور میں جب

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آڈ کو بہ طور مشثیات پیش کرتی تو وہ جواب میں کہتی ''اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمہیں چاہتا ہے۔لیکن، لیکن۔'' تاہم وہ اب تک باز پرس سے بچ نکلنے میں مشہور ہیں۔وہ ہر چیز پر لڑے ہیں مگر یہ سب کچھ دوستانہ جذبہ میں ہوا۔میں نے انہیں ایک لڑی میں پروے رکھا۔میری بہن ہیلینا کو چھوڑ کر کسی اور عورت نے مجھے اتنا نہیں چاہا جتنا آیما چاہتی تھی۔جہاں تک آڈ کا تعلق ہے اس نے اپنی چاہت اتنے طریقوں سے دکھائی کہ میں اس پر شک نہیں کر سکتی۔پھر بھی میں یہ مانتی ہوں کہ ان دونوں میں یہ آیمالی تھی جو میری روح میں زیادہ گہرائی تک اتر گئی۔

ایمالی ہنری سٹریٹ پر سٹلمنٹ کی نرسوں کے دفتر میں کام کرتی تھی جو بے آسرا ہوتی تھیں۔میں اس سے ملنے اکثر وہاں جاتی تھی۔کبھی اس ادارے کی افسر اعلیٰ خاتون کی مہمان کی حیثیت سے بھی۔مس للیان۔ڈی۔والڈ، لدینیا ڈوک اور مس میکڈوویل امریکہ کی ان خواتین میں پہلی تھیں جن سے میں ملی جو عوام الناس کی اقتصادی حالت میں دلچسپی رکھتی تھیں۔وہ صمیم قلب سے مشرقی خطے کی لوگوں کے لیے فکر مند تھیں۔جان سوینٹن کی طرح میرا ان سے ارتباط ان نئے قسم کے امریکیوں سے قربت کا باعث ہوا جو نصب العین کے زن و مرد تھے اور جو عمدہ اور فیاضی سے لبریز کارنامے انجام دے سکتے تھے۔چند روسی انقلابیوں کی طرح وہ بھی دولتمند گھرانوں کے فرد تھے اور اپنے عظیم مقاصد کے لیے انہوں نے تمام راحتیں تج کر دی تھیں۔تاہم مجھے ان کا کام محض درد گھٹانے والا لگا۔''غریبوں کو یہ بتانا کہ چھری کانٹے سے کیسے کھایا جاتا ہے، میں نے ایک دن ایمالی سے کہا ''لیکن اس سے ان لوگوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے جن کے پاس کھانے ہی کو کچھ نہ ہو؟'' انہیں پہلے زندگی پر اختیار ملنا چاہیے تب وہ یہ بھی سیکھ جائیں گے کہ کیسے کھایا جائے اور کیسے رہا جائے۔وہ میرے اس خیال سے بھی متفق ہوگئی کہ بے آسرا لوگوں کے لیے کام کرنے والے انتہائی پر خلوص ہونے کے باوجود کسی فائدہ پہنچانے کی جگہ ضرر رسانی کر رہے ہیں۔وہ ان ہی لوگوں میں امارت پرستی پیدا کر رہے تھے جن کی بے بسی کم کرنے میں وہ لگے ہوئے تھے۔مثال کے طور پر ایک نوجوان لڑکی جو قمیص بنانے والوں کی ہڑتال میں بطور کارکن بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی وہ ان کی نمائندہ سمجھ لی گئی اور نرسوں کے ادارے کی نمائندہ بنا دی گئی۔لڑکی بڑے طمطراق سے یہ کہے جاتی کہ ''غریب جاہل ہوتے ہیں'' ان میں تمدن اور شائستگی کا شعور نہیں ہوتا۔''غریب نہایت کندہ ناتراش اور گنوار ہوتے ہیں!'' اس نے یہ بات ایک مرتبہ آیما کو بتائی۔اس کی شادی ادارے کے حاطے میں ہونے والی تھی۔آیما نے مجھے تقریب میں شرکت کی دعوت دی۔

وہاں ہر چیز زرق برق اور بھڑکیلی اور سوقیانہ تھی۔دلہن جو بازاری آرائش و زیبائش سے لدی پھندی تھی جگہ کے لحاظ سے مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگ رہی تھی۔ایسا نہ تھا کہ سیٹلمنٹ کی عورتیں عیش و عشرت میں رہ رہی تھیں اس کے برعکس ہر چیز سادہ تھی مگر اول درجے کی۔ماحول کی سادگی میں نو بیاہتا جوڑے کی شرمناک مفلسی نمایاں ہو کر راسخ العقیدہ والدین کے لیے پشیمانی کا سبب بن رہی تھی۔اسے نظر بھر کر دیکھنا بہت تکلیف دہ تھا کہ دلہن کس بھونڈے پن سے پری بننے کی کوشش کر رہی تھی۔جب میں نے اسے اس بات پر مبارک باد دی کہ اس نے کتنے وجیہ آدمی کو بطور شوہر منتخب کیا ہے تو وہ کہنے لگی ''ہاں وہ کافی اچھا ہے، مگر بلاشبہ میری حیثیت کا نہیں ہے، آپ ذرا دیکھئے میں ایسے شخص سے بیاہ کر رہی ہوں جو میرا ہم پلہ بھی نہیں ہے۔''

پورے موسم سرما میں اِڈ پیٹھ کی تکلیف میں مبتلا رہا۔زیادہ چلنے پھرنے اور سیڑھیاں چڑھنے سے ناقابل برداشت درد ہونے لگتا۔موسم بہار کی ابتدا میں اس کی حالت اتنی بگڑ گئی کہ اسے بیمہ کمپنی کی ملازمت کو خیر باد کہنا پڑا۔میں جو کما رہی تھی وہ ہم دونوں کے لیے بہت تھا۔مگر اِڈ کے لیے یہ قابل قبول نہ تھا کہ ''ایک عورت کفالت کرے'' میرا مغرور محبوب اس پر مجبور ہو گیا کہ بے روزگاروں کی صف میں کھڑا ہو کر کام کی تلاش شروع کر دے۔اس شہر بے کراں نیویارک میں اس کینڈے کے آدمی کے لیے کچھ بھی نہ تھا جو اتنا متمدن اور کئی زبانوں کا ماہر تھا۔''اگر میں کوئلہ ڈھونے والا یا درزی ہوتا'' وہ کہا کرتا ''مجھے ضرور کام مل جاتا، لیکن میں ایک فضول سا انٹیلکچول ہوں'' وہ پریشان رہنے لگا، نیند اڑ گئی دبلا ہو کر بہت افسردہ رہنے لگا۔اسے سب سے بڑی تکلیف

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

یہ تھی کہ اسے گھر پر رہنا پڑتا اور میں کام پر چلی جاتی۔اس میں موجود مرد ہونے کا مخفی احساس ایسی صورت حال کو برداشت نہ کرنے دیتا۔

میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کہ یہ ہماری ورسٹر جیسی آئسکریم کی دکان چلانے میں دلچسپی لے۔ وہاں تو اسے بڑی کامیابی ملی تھی نیویاک میں کیوں نہیں ہوسکتی ؟ اِڈ نے منصوبے پر صاد کر دیا اور کہا کہ ہمیں کارروائی شروع کر دینا چاہیے۔

میں نے تھوڑی سی رقم پس انداز کر لی تھی اور فیدیا نے مزید رقم کی پیشکش کی۔ دوستوں نے براونزویل کا مقام طے کیا۔ یہاں رونق بڑھ رہی تھی۔اور گھڑ دوڑ کے میدان سے کچھ ہٹ کر ایک دکان حاصل کی جاسکتی تھی۔ جہاں روزآنہ ہزاروں لوگ گزرتے تھے۔تو جناب ہم براونزویل کی طرف روانہ ہوگئے اور ایک خوبصورت جگہ بنالی۔ وہاں سے ہزاروں ضرور گزرتے مگر وہ ٹھہرتے نہ تھے۔انہیں ریس کورس پہنچنے کی جلدی ہوتی۔اور گھر جاتے ہوئے انہیں پہلے ہی کوئی اور آئسکریم کی دکان پڑتی جو ریس کے میدان کے قریب تھی۔ ہماری روزانہ کی یافت اتنی نہ ہوتی جس سے اخراجات پورے ہوتے۔ہم اپنی ہفتہ وار ادائیگی کرنے سے بھی قاصر تھے جو اس فرنیچر پر واجب ہوتا جو ہم نے دو کمرے کی دکان میں رکھنے کے لیے براونزویل میں کرائے پر لیا تھا۔ایک سہ پہر ایک گاڑی نمودار ہوئی اور بستروں، میزوں، کرسیوں اور دیگر اشیاء کو جو ہماری ملکیت تھیں سب کو لے کر چل دی۔ اِڈ نے ہماری بیچارگی کو ہنس کر اڑانے کی کوشش کی مگر اس کا دلگیر ہونا واضح تھا۔ہم نے کاروبار کو خیرباد کہا اور نیویارک لوٹ آئے۔تین ماہ میں ہم نے پانچ سو ڈالر ڈبوئے تھے۔ یہ اس محنت کے علاوہ تھا جو اِڈ، کلاس اور میں نے اس جھاڑ و پیٹے جان جوکھوں میں ڈالنے والے کام میں لگائے تھے۔

جب میں نے نرسنگ کا کام شروع کیا تھا تو اسی وقت مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ مجھے کسی تربیت کے اسکول میں باقاعدہ نصابی تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔کارکن نرسوں کو کم معاوضہ ملتا اور ان سے خادموں کی طرح سلوک کیا جاتا۔اور بغیر سند کے میں یہ امید نہیں رکھ سکتی تھی کہ مجھے تربیت یافتہ نرس والی کوئی ملازمت ملے گی۔ڈاکٹر ہافمین نے یہ بات سجھائی کہ مجھے سینٹ مارکس اسپتال میں داخلہ لے لینا چاہیے۔ جہاں وہ مجھے ایک سال کی مدت کی رعایت اس لیے دلاسکتا ہے کیونکہ مجھے اس کا تجربہ ہے۔ یہ بہت بڑا حیلہ تھا۔لیکن اس کے علاوہ ایک اور حیلہ بھی تھا جو میرے لیے اس سے بھی زیادہ پرکشش تھا۔ یہ تھا یورپ۔

اِڈ جب بھی ویانا کا تذکرہ کرتا تو اس کی باچھیں کھل جاتیں۔اس کی خوبصورتی اس کی دل آویزی اور امکانات۔وہ چاہتا تھا کہ میں وہاں جا کر 'المانیہ کریکنہا وس' اہل جرمن کی جائے پناہ میں تعلیم حاصل کروں۔میں دایہ گیری کے علاوہ نرسنگ کی دیگر شاخوں میں داخلہ لے سکتی ہوں۔اس سے مجھے بعد میں مزید مادی آزادی نصیب ہوجائے گی اور ہمیں یکجا رہنے کے لیے اور وقت ملے گا۔مزید ایک سال کی جدائی ناقابل برداشت ہوگی جب کہ میں بہ مشکل اسے ایک سال دے پائی تھی۔لیکن وہ مجھے رخصت کرنے پر آمادہ تھا جانتا تھا کہ اس میں میرا مفاد ہے۔ یہ ہم جیسے مفلس لوگوں کے لئے خوابناک خیال تھا مگر اِڈ کے جوش وخروش نے بتدریج مجھے متاثر کر دیا میں ویانا جانے پر آمادہ ہوگئی۔لیکن میں اس طرح جاؤں گی کہ اس میں انگلینڈ اور سکاٹ لینڈ میں لیکچر دینے کے لیے بھی قیام کروں۔ ہمارے برطانوی کامریڈ کئی مرتبہ آنے کے لیے کہہ چکے تھے۔

اِڈ کو ایک ہنگری نژاد واقف کار کے لکڑی کے کارخانے میں کام مل گیا۔اس شخص نے اسے کچھ رقم بطور قرض دینے کا وعدہ کیا۔مگر فیدیا کا کہنا یہ تھا کہ قدیم دوستی کی بنا پر یہ اس کا حق ہے۔وہ میرے ٹکٹ کے اخراجات برداشت کرنے کے علاوہ میرے ویانا کے قیام کے دوران پچیس ڈالر ماہانہ بھی بھیجتا رہے گا۔

مورنا چا، ناچا اور پیر دیکھ کر کھلا گیا۔ساشا کا جیل میں ہونا۔یورپ تو بہت دور ہے! اِڈ اور ایما نے حامی بھر لی کہ وہ اس سے خط وکتابت کرتے رہیں گے اور اس کی ضروریات پوری کرتے رہیں گے۔ساشا نے خود بھی مجھ سے جانے کی تاکید کی۔اب

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اس کے لیے مزید کچھ نہیں کیا جا سکتا، اس نے لکھا اور یورپ جانے سے مجھے اپنے عظیم لوگوں سے ملنے کا موقع ملے گا جن میں کروپوتکن، مالاٹیسٹا اور لویس مائیکل ہیں۔ میں ان سے بہت کچھ سیکھ سکوں گی اور امریکی تحریک کو چلانے کے لیے مجھ میں بہتر صلاحیتیں آجائیں گی۔ یہ صرف میرا صید ساشا ہی سوچ سکتا ہے جو میرا مفاد بھی ہمیشہ کی طرح تحریک کے پس منظر میں دیکھتا ہے۔

میں پندرہ اگست ۱۸۹۵ء کو بذریعہ دخانی جہاز برطانیہ کے لیے روانہ ہوئی جس دن مجھے امریکہ میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کیے ٹھیک چھ سال ہو چکے تھے۔ میری روانگی میری ۱۸۸۹ء میں نیویارک آمد کے مقابلے میں بالکل مختلف انداز میں ہوئی۔ میں اس وقت بہت غریب تھی۔ مادی اشیا کی مفلسی کے علاوہ دیگر مفہوم میں بھی۔ میں بچہ تھی، ناتجربہ کار اور امریکی شہر بے کراں کے گرداب میں۔ اب میں تجربہ کار ہوں، نامور ہوں، میں تکالیف کے پاٹوں میں سے نکلی ہوں، میرے دوست بھی ہیں۔ سب سے بڑھ کر ایک حسین شخصیت مجھے چاہنے والی ہے۔ میں امیر ہوتے ہوئے بھی افسردہ ہوں۔ مغربی اصلاحی جیل میرے سینے پر بھاری سل کی طرح رکھی ہے اور ساشا کا خیال سایہ فگن ہے۔

میں آج بھی ارزاں ترین درجے میں سفر کر رہی ہوں۔ میرے وسائل سولہ ڈالر سے زیادہ کرایہ ادا کرنے کے متحمل نہیں ہیں۔ مگر عرشے پر زیادہ مسافر نہیں ہیں، مگر ان میں چند ایسے بھی ہیں جن کا قیام امریکہ میں میری طرح بہت کم عرصے کا ہے۔ وہ خود کو امریکی سمجھتے ہیں اور اسی مناسبت سے ان سے سلوک کیا جاتا ہے۔ زیادہ باوقار طریقے سے بمقابلہ ان مہاجرین کے جو ایک طویل سفر کر کے ۱۸۸۹ء میں میری طرح ارض موعود کی طرف آ رہے تھے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۱۴

امریکہ میں بند جگہوں کے باہر جلسوں کا انعقاد شاذ و نادر ہوتا ہے۔ فضا میں اتنی تناتنی پیدا ہو جاتی ہے جس سے سامعین اور پولیس کے درمیان ممکنہ تصادم کا خطرہ ہر وقت منڈلاتا رہتا ہے مگر انگلستان میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں کھلی جگہ میں اجتماع کا ہونا ایک طے شدہ امر ہے اور ادارہ بھی ہے۔ یہ اہل برطانیہ کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے جیسے ناشتے مین لحم خنزیر۔ انتہائی متصادم نظریات اور فرقے انگلستان کے شہروں کے پارکوں اور چوراہوں میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ یہاں یہ نوبت کبھی نہیں آتی کہ غیر معمولی تہلکہ مچ جائے اور اسی لیے مسلح دستوں کی نمائش بھی نہیں ہوتی۔ اکلوتا، بوبی (پیارا پولیس والا) مجمع سے ہٹ کر بطور علامت کھڑا رہتا ہے مگر اس کے فرائض میں یہ نہیں ہے کہ وہ مجمع کو منتشر کرے یا لوگوں پر ڈنڈے برسائے۔

عوام الناس کا سماجی مرکز" گھر سے دور ایک پارک ہوتا ہے۔ اتوار کے دن وہ اسی طرح وہاں جمع ہوتے ہیں جیسے کام کاج کے ایام میں موسیقی کی محفلوں میں۔ اس پر اخراجات بالکل نہیں ہوتے اور اجتماع بہت پر لطف ہوتے ہیں۔ لوگ جو تعداد میں ہزاروں ہوتے ہیں ایک چبوترے سے دوسرے چبوترے کی طرف ٹہل جاتے ہیں جیسے لوگ دیہاتی میلوں میں کرتے ہیں اس کا مقصد نہ تو توجہ سے سننا ہوتا ہے اور نہ ہی سمجھنا بلکہ تفریح ہوتی ہے۔ ان اجتماعات کے روح رواں سوال پوچھنے والے ہوتے ہیں۔ یہ اس میں بہت لطف لیتے ہیں اور مقرر پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ انہیں دق کیا جاتا ہے جو اپنے ستمگروں کی بھاکا نہ سمجھ پاتا یا جوان کو پھڑکتا ہوا جواب نہ دے سکتا۔ مقرر جلد ہی ہراساں ہو جاتا اور بے چارہ اکھڑ مذاق کا تختۂ مشق بن جاتا۔ یہ سب مجھے اس وقت سمجھ میں آیا جب میں ہائیڈ پارک میں ہونے والے اپنے پہلے جلسے میں ملول سی ہو گئی۔

کھلی فضا میں تقریر کرنا میرے لیے ایک نادر تجربہ تھا جب ایک حلیم پولیس والا تماشائی لگ رہا ہو۔ ہائے افسوس مجمع بھی اتنا ہی پر سکوت تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں ستواں پہاڑ پر چڑھ کر اس جمود کو توڑ رہی ہوں۔ میں بہت جلد تھک گئی اور حلق دکھنے لگا مگر میں بولتی رہی۔ یکا یک سامعین میں زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ سوالوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی جو گولیوں کی طرح تھے جو ہر جانب سے مجھ پر برس رہی تھیں۔ ایک خلاف معمول حملہ ایسا تھا جس کے لیے میں تیار نہ تھی اس نے مجھے حیران کر کے پریشان کر دیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میرے خیالات کا تسلسل میرے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے اور مجھے غصہ آ رہا ہے۔ اس وقت اگلی صف میں سے ایک شخص چیخا "اس پر توجہ نہ دو بڑی بی، سیدھی چلتی رہو" سوالوں کی بوچھاڑ کرنا برطانیہ کی قدیم روایت ہے" "تم اسے اچھی سمجھتے ہو؟" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "میرے خیال میں یہ بہت بری بات ہے کہ تقریر کے بیچ میں مداخلت کی جائے، لیکن کوئی بات نہیں، شروع کرو اور پھر مجھ پر الزام نہ دھرنا اگر اس سودے میں تمہیں گھاٹا ہو" "بالکل ٹھیک ہے عزیز بڑھیا" سامعین شور مچانے لگے، "چلو چلو، ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہمارا کیا بگاڑ لیتی ہو۔"

میں بول رہی تھی کہ سیاست ایک فضول شے ہے جو بدعنوانی کو جنم دیتی ہے کہ ناگاہ پہلی گولی چلی۔ "دیانت دار سیاستدانوں کے متعلق کیا خیال ہے، آپ کے خیال میں کیا ایسے لوگ نہیں ہوتے؟" "اگر ایسے لوگ ہیں بھی تو میں نے کبھی نہیں سنا" میں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ "انتخابات سے پہلے سیاستدان آپ سے بہشت لانے کو وعدہ کرتے ہیں اور بعد میں دیتے ہیں جہنم" "واہ بھئی وا! وہ حمایت میں چلائے۔ میں بہ مشکل اپنی تقریر شروع کر سکی تھی کہ ایک اور کڑکا "میں کہتا ہوں، بڑی بی تم ہم سے جنت کی باتیں کیوں کر رہی ہو؟ کیا تم کسی ایسے مقام پر یقین رکھتی ہو" "بلاشبہ نہیں" میں نے جواب دیا۔ "میں نے جنت کا حوالہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اس لیے دیا کہ تم اپنی حماقت میں اس پر اعتقاد رکھتے ہو'' ''اچھا اگر جنت کہیں پر نہیں ہے تو بیچارے غریبوں کو صلہ کہاں ملے گا؟'' ایک اور بوجھ بجھکڑ بولا۔ ''کہیں سے بھی نہیں، جب تک اپنے حقوق کے لیے وہ اصرار نہیں کرتے۔'' ''ان کا حق لینے کے لیے روئے زمیں پر قبضہ کرلو'' میں بولے جارہی تھی کہ بہ فرض محال اگر کوئی جنت موجود بھی ہے تو عام آدمیوں کو وہاں نہ برداشت کیا جائے گا'' آپ سمجھے ''عوام الناس اتنا عرصہ جہنم میں رہ چکے ہیں کہ انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ جنت میں کیسے رہا جاتا ہے۔ جنت کا داروغہ ان کے بداطوار کی وجہ سے انہیں کان پکڑ کر نکال باہر کرے گا۔'' اس کے بعد آدھ گھنٹے تک مزید پٹے بازی ہوتی رہی۔ جس سے ہجوم وجد میں آ گیا۔ آخر کار سب نے سوال پوچھنے والوں کو روک دیا۔ اپنی شکست مان لی اور مجھے اپنی تقریر مکمل کرنے دی۔

میری شہرت تیزی سے پھیلنے لگی اور ہر جلسے میں مجمع بڑھتا گیا، ہمارا لٹریچر بڑی مقدار میں بکنے لگا جس سے میرے کامریڈ خوش ہوگئے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں لندن ہی میں رہوں کیونکہ یہاں رہ کر میں بہت کچھ کرسکتی تھی۔ لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ کھلی جگہوں میں تقریر کے لیے میں مناسب نہیں ہوں۔ میرا نرخرہ کھلی جگہ کا دباؤ برداشت نہیں کرسکتا اور گلی کوچوں میں ہونے والے شوروغل سے بھی بہت خلل پڑتا جو قرب وجوار میں ہوتا رہتا۔ یہ بھی مجھے اندازہ ہوا کہ جو لوگ گھنٹوں کھڑے رہتے وہ تھک کر اتنے بے چین ہوجاتے کہ ان کے لیے کسی سنجیدہ موضوع پر توجہ دینا ممکن نہ رہتا۔ میرا کام میرے لیے اتنا اہمیت رکھتا تھا جیسے نٹ کا کھیل اور بازی گری نہیں بنایا جاسکتا جس سے اہل برطانیہ کا جی بہلایا جائے۔

پارکوں میں اپنی کامیابیوں سے بڑھ کر مجھے لوگوں سے ملنے سے اور انارکسٹ تحریک میں توانا روح کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہونے والی سرگرمیاں تقریباً غیر ملکی تارکین وطن عناصر کے دوش پر چل رہی تھیں۔ امریکہ میں مقامی انارکسٹ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ جب کہ برطانوی تحریک کئی ہفت روزہ اور ماہانہ مطبوعات کی پشت پناہی کررہی تھی۔ ان میں سے ایک کا نام فریڈم تھا۔ ان مطبوعات کو کئی شاندار اور باصلاحیت لکھنے والوں اور ہم کاروں کی اعانت حاصل تھی جن میں پیٹر کروپوٹکن، جان ٹرنر، الفریڈ مارٹن، ولیم ولیس اور دیگر۔ لبرٹی ایک دوسرا انارکسٹ رسالہ تھا جسے لندن سے جیمس ٹوچاٹی شائع کرتا۔ جو شاعر ولیم مورس کا پیروکار تھا۔ ٹارچ ایک چھوٹا سا رسالہ تھا جسے دو بہنیں اولیو یا اور ہیلین روسیٹی شائع کرتیں۔ وہ بالترتیب چودہ اور سترہ سال کی تھیں۔ لیکن فکری اور جسمانی لحاظ سے وہ اپنی عمروں سے کہیں زیادہ تھیں۔ اخبار کے لیے ساری تحریریں وہ لکھتیں، ٹائپ جماتیں اور چھپائی کے کام کی خود دیکھ بھال کرتیں۔ ٹارچ کا دفتر جو کبھی لڑکیوں کا باغیچہ تھا غیر ملکی انارکسٹوں کا ٹھیا بن چکا تھا خصوصاً اطالویوں کے لیے کیونکہ وہاں دارو گیر زوروں پر تھی۔ قدرتاً سارے پناہ گیر روسیٹیوں کے گرد جمع ہوجاتے جو خود بھی اطالوی نژاد تھیں۔ ان کا دادا گیبریل روسیٹی جو محب وطن شاعر تھا اسے ۱۸۲۴ء میں آسٹریا نے سزائے موت دی تھی۔ جو اس زمانے میں اٹلی کے جوئے کے نیچے تھا۔ گیبریل فرار ہوکر انگلستان آ گیا اور لندن میں بس گیا۔ جہاں وہ کنگز کالج میں اطالوی زبان کا پروفیسر مقرر کردیا گیا۔ اولیو یا اور ہیلین اس کے دوسرے بیٹے ولیم میخائل روسیٹی کی بیٹیاں تھیں جو نامور نقاد تھا۔ لگتا تھا جیسے دونوں لڑکیوں کو انقلابی جھکاؤ اور ادبی صلاحیت ورثے میں ملی ہو۔ اپنے لندن کے قیام میں میرا زیادہ وقت ان کے ساتھ بسر ہوا۔ ان کی حیرت انگیز مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوئی اور ان کے حلقے کی ولولہ خیز فضا سے بھی۔

ٹارچ حلقے کے ارکان میں سے ایک ولیم بینہیم تھا جسے بے تکلفی میں ''چھوکرا انارکسٹ'' کہا جاتا۔ وہ میری خدمت پر مامور تھا۔ وہ جلسوں میں میرا رفیق ہونے کے علاوہ شہر کی سیر میں ساتھی بن جاتا۔

انارکسٹ کارروایاں صرف مقامی آبادی تک محدود نہ تھیں۔ دنیا کے ہر خطے کے لوگوں کے لیے انگلستان ایک جنت تھا۔ وہ اپنی سرگرمیاں بلا کسی رکاوٹ کے جاری رکھے ہوئے تھے۔ متحدہ امریکہ کے مقابلے میں برطانیہ عظمیٰ سیاسی آزادی کی حد تک لگتا جیسے حضرت مسیح کی عدل وامن کی سرزمین بن چکا ہے۔ مگر معاشی نقطہ نظر سے یہ ملک امریکہ سے بہت پیچھے تھا۔

میں خود احتیاج جھیل چکی ہوں اور امریکہ کے بڑے صنعتی مراکز میں موجود غربت سے واقف ہوں۔ لیکن میں نے کبھی ایسی ذلیل غربت اور چیخ وپکار نہ دیکھی تھی۔ جیسی لندن، لیڈز اور گلاسکو میں نظر آئی۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ گزشتہ دنوں یا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

برسوں کا معاملہ نہ تھا بلکہ صدیوں پرانا معاملہ تھا جو نسل بعد نسل چلا آ رہا تھا۔ اور بظاہر برطانوی خلقت کی ہڈیوں کے گودے میں اتر چکا ہے۔ سب سے بھیانک منظر وہ ہوتا جب ہٹے کٹے آدمی کو میں ایک گاڑی کے آگے آگے دوڑتا دیکھتی کہ وہ پہیوں کے آگے بروقت گنکا لگا دے تاکہ ایک ''جنٹلمین'' کے اترنے کے لیے دروازہ کھولا جا سکے۔ ان خدمات کے عوض انہیں ایک پینی یا حد سے حد دو پنی ملتی۔ انگلینڈ میں ایک ماہ کے قیام کے بعد یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ یہاں کی سیاسی آزادی کا کیا سبب ہے۔ یہ خوفناک مفلسی کے انجرات کے نکاس کا راستہ تھا۔ برطانوی حکومت کو بلاشبہ اس بات کا علم تھا کہ جب تک رعایا کو بلا رکاوٹ اپنی بھڑاس نکالنے کی اجازت رہے گی اس وقت تک کسی بغاوت کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس جمود اور بے حسی کے لیے میری سمجھ میں کوئی اور وجہ نہ آئی کہ یہاں کے لوگ غلامی کے کیوں خوگر ہیں۔

میری انگلینڈ یاترا کی ایک مصلحت یہ تھی کہ میں انارکسٹ تحریک کی ممتاز شخصیات سے ملوں۔ بدقسمتی سے کروپوتکن شہر میں نہ تھا۔ میرے رخصت ہونے سے پہلے وہ آنے والا تھا۔ انریکو ملاٹسٹا شہر میں موجود تھا۔ وہ اپنی دکان کے عقب میں مقیم تھا۔ مگر کوئی ایسا نہ ملا جو میرے لیے مترجم کے فرائض انجام دیتا اور مجھے اطالوی نہیں آتی تھی۔ اس کی کریمانہ مسکراہٹ سے تاہم یہ ظاہر ہوا کہ وہ ہم مزاج شخص ہے اور اپنے برتاؤ سے یہ احساس دلا دیا جیسے میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔ لویس مائیکل سے تو میں آمد کے فوراً بعد ملی تھی۔ جس فرانسیسی کامریڈ کے ہاں میرا قیام تھا اس نے لندن میں میری آمد کے بعد پڑنے والے پہلے اتوار کو ایک استقبالیہ ترتیب دیا تھا۔ اسی دن سے میں نے پیرس کمیون کے متعلق پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کا درخشاں آغاز اور اندوہناک انجام لویس مائیکل پر تمکنت انداز میں انسانیت کی محبت پر ڈٹی رہی۔ جرأت کی جانفشانی سے کام کرنے میں وہ یکتا تھی۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ اور نحیف ونزار تھی اور اپنی عمر سے زیادہ سن رسیدہ لگتی (وہ صرف باسٹھ برس کی تھی) لیکن اس کی آنکھوں میں جوانی اور جذبہ موجزن تھا۔ اور ایک ایسا مہین سا تبسم جس نے فوراً میرا دل موہ لیا۔ اچھا تو آپ وہ خاتون ہیں جو معززین پیرس کے وحشی یلغار کو جھیل گئیں۔ اس کے خونخوار طیش میں پورا کمیون کارکنوں کے خون میں غوطے کھانے لگا اور جس سے پیرس کے گلی کوچے ہزاروں لاشوں اور زخمیوں سے اٹ گئے۔ جب اس سے جی نہ بھرا تو لوگ لویس کی جانب حملے کو بڑھے۔ اور اسے متعدد بار موت سے واسطہ پڑا، پیرلاشیز کے ناکے پر جو پیرس کمیون کے ارکان کا آخری گڑھ تھا۔ لویس نے اپنے لیے سب سے زیادہ خطرناک سزا کا انتخاب کیا تھا۔ دربار میں اس نے اپنے لیے اسی سزا کا مطالبہ کیا جو اس کے کامریڈوں کو دی گئی تھی صنف کی بنیاد پر رعایت حاصل کرنے کو اس نے تحقیری نظر سے دیکھا۔ وہ نصب العین پر مرنے کو آمادہ تھی۔ نہ جانے خوف سے یا اس کی ذاتی وجاہت سے مرعوب ہو کر پیرس کے قاتل پیشہ بغ ژواز اسے نہ قتل کر سکے۔ انہوں نے اس بات کو ترجیح دی کہ اسے نیو کیلیڈونیا میں سسک سسک کر مرنے کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن وہ لویس مائیکل کی قوت برداشت اور حوصلہ مندی کی گہرائی کا اندازہ نہ لگا سکے۔ اپنے زخمی اور ستم رسیدہ ساتھیوں کے لیے اس کی لگن اور جاں نثاری اتھاہ تھی۔ نیو کیلیڈونیا میں جلاوطنوں کے لیے وہ ولولے اور امید کی تتلی تھی۔ بیماری کے دوران میں وہ ان کے جسموں کی تیمارداری کرتی اور افسردگی میں ان کی روحوں میں جولانی لاتی۔ جب پیرس کمیون کے تمام ارکان کو عام معافی ملی تو لویس بھی ان کے ساتھ فرانس لوٹی۔ وہاں آ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ فرانسیسی عوام کی مسلمہ دیوی بن چکی ہے۔ وہ اس کی پرستش کرتے اور کہتے یہ ہماری مدر لویز (پیاری ماں)

اپنی جلاوطنی سے واپسی کے کچھ ہی عرصے کے بعد لویس کی اگوائی میں بے روزگاروں کا ایک جلوس نکلا جو اسپیلا ندلے دیس انوالایدز تک گیا۔ ہزاروں لوگ بے روزگار ہو چکے تھے اور بھوکے تھے۔ لویس ان جلوسوں کو نانبائیوں کی دکان میں لے گئی جس کے لیے وہ گرفتار کر لی گئی اور پانچ سال قید کی سزا دے دی گئی۔ عدالت میں اس نے بھوکے لوگوں کے لیے روٹی حاصل کرنے کے حق کی مدافعت کی۔ اس میں چاہے اسے چرانا ہی نہ پڑے۔ مقدمے میں تعزیر سے اسے اتنی تکلیف نہ پہنچی جتنی گزند اسے اپنی عزیز ماں کی موت سے پہنچی۔ وہ اس پر جان چھڑکتی تھی تب اس نے اعلان کر دیا کہ اس کا اب دنیا میں کچھ نہیں بچا اس لیے وہ اب محض انقلاب کے لیے جیئے گی۔ ۱۸۸۶ء میں لویس کو معافی دے دی گئی لیکن اس نے ریاست سے کسی بھی قسم کی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

رعایت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لیے اسے جیل سے زبردستی نکالا گیا تا کہ وہ آزاد ہو جائے۔

ہاونے کے مقام پر ایک بڑے جلسے میں اس پر دو گولیاں داغی گئیں جب وہ چبوترے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک تو اس کے ٹوپ میں سوراخ ڈال کر نکل گئی اور دوسری اس کے کان کے پیچھے پیوست ہوگئی۔ اگر چہ جراحی نہایت تکلیف دہ تھی مگر لوئیس سے شکایت کی توقع کرنا عبث تھا۔ اس کے بجائے اس نے اپنے بے چارے پالتو جانوروں کی مظلومی کا ماتم کرنا شروع کر دیا جو اس کی رہائش گاہ میں بے یارومددگار بند پڑے تھے اور اسپتال میں قیام کی وجہ سے جو تاخیر ہو رہی تھی اس سے اس کی ایک خاتون دوست کو جو تکلیف پہنچ رہی تھی جو قریب ہی کے ایک قصبے میں اس کی منتظر تھی۔ جس شخص نے اسے قریب قریب ہلاک کر دیا تھا اسے اس کارروائی کی ترغیب ایک پادری نے دی تھی۔ مگر لوئیس نے مقدور بھر کوشش کی کہ وہ رہا کر دیا جائے۔ اس نے ایک مشہور وکیل کو آمادہ کیا کہ وہ اس پر حملہ کرنے والے کی وکالت کرے اور عدالت میں خود جج کے سامنے پیش ہوئی تا کہ اس کی گلو خلاصی ہو جائے۔ اس میں ہمدردی کے جذبات پیدا کرنے کا سبب حملہ آور کی نوعمر بیٹی تھی۔ جسے وہ بے باپ کا ہوتا نہ دیکھ سکتی تھی اگر اسے سزائے قید ہوگئی۔ لوئیس کے موقف سے جنونی حملہ آور بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔

بعد ازاں لوئیس ویانا میں ہونے والی عظیم ہڑتال میں شریک ہوئی لیکن اسے گاغ دِوُلی اوں میں اس وقت حراست میں لے لیا گیا جب وہ ٹرین میں سوار ہونے والی تھی۔ کابینہ کا وہ رکن جو فورمیز میں کارکنوں کے قتل عام کا ذمے دار تھا اسے لوئیس کی ذات میں ایک ناقابل شکست موت نظر آئی جسے وہ بارہا کچلنے کے جتن کر چکا تھا۔ اب اس نے یہ چال چلی کہ اسے جیل سے نکال کر پاگل خانے میں اس لیے داخل کر دیا جائے کیونکہ وہ دیوانی ہوگئی ہے اور خطرناک ہو چکی ہے۔ اس جنونی جذبے کے تحت لوئیس کو ٹھکانے لگانے کی سن گن پا کر اس کے کامریڈوں نے مجبور کیا کہ وہ انگلستان منتقل ہو جائے۔

فرانس کے بے ہودہ اخبارات اسے مسلسل جنگلی درندہ ٹھہراتے رہے اور مشہور تصنیف ''لاوئیج غوژ'' کہتے رہے۔ جس میں نہ تو کوئی نسوانی اوصاف ہیں اور نہ دلربائی۔'' ان میں جو سب سے زیادہ شائستہ تھا اس نے دھونکنی کی طرح چلتی ہوئی سانس میں لکھا۔ وہ سب اس سے خوف زدہ تھے مگر وہ اس کی طرف دیکھنے پر یوں مجبور تھے کہ شائد ان کی خالی ارواح اور دلوں کو تسکین مل جائے۔ جب میں پہلی ملاقات میں اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ میں سوچ میں پڑ گئی کہ کس طرح کوئی آنکھ کا اندھا نام کا نین سکھ ہو سکتا ہے جسے اس میں دلکشی نہ نظر آئے۔ یہ بھی درست تھا کہ وہ اپنی شکل وصورت پر زیادہ توجہ نہیں دیتی تھی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ میری نظر سے اس کے علاوہ کوئی ایسی عورت نہیں گزری جو اپنی ذات سے متعلق ہر شے سے اتنی غافل رہتی ہو۔ اس کا لباس ملا دلا، سر کی چھجے دار ٹوپی قدیمی۔ وہ جو بھی پہنے ہوتی وہ بے ڈھنگی ہوتی لیکن اس کی پوری شخصیت ایک اندرونی روشنی سے منور نظر آتی تھی۔ آپ اس کی فروزاں شخصیت کے طلسم میں بہت جلد گرفتار ہو جاتے، اس کی قوت نہایت موثر تھی اور اس کی طفلانہ سادگی اتنی ہی گرویدہ کرنے والی تھی۔ لوئیس کے ساتھ اس سہ پہر کا گزارنا میری اس وقت تک کی زندگی کے لاثانی لمحات تھے۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں اور میرے سر پر اس کا مشفقانہ انداز میں سہلانا، اس کے اپنایت بھرے الفاظ جن سے قریبی کامریڈ ہونے کا احساس جس سے میری روح بلند ہو کر اس کے حسن کے مدار میں داخل ہوگئی جہاں پر وہ مقیم تھی۔

میری لیڈز اور گلاسکو سے واپسی پر، جہاں میں نے بڑے جلسوں سے خطاب کیا اور کئی سرگرم اور جاں نثار کارکنوں سے شناسائی پیدا ہوئی، میرے نام کروپوتکن کا ایک خط آیا رکھا تھا جس میں مجھ سے ملاقات کے لیے آنے کو کہا گیا تھا۔ بالآخر میرے دیرینہ خواب کی تعبیر کی گھڑی آن پہنچی۔ یعنی استاد اعظم سے ملاقات۔

پیتر وکروپوتکن شجرہ نسب کے حساب سے کورکس (Kuriks) کا جانشین تھا اور روسی تخت کا پہلا حقدار۔ لیکن وہ انسانیت کے نام پر اپنے لقب اور دولت سے دستبردار ہو گیا۔ اس نے اس سے بڑھ کر یہ کیا کہ جس دن وہ انارکسٹ بنا اسی دن وہ اپنے شاندار سائنسی پیشے سے بھی دستکش ہو گیا تا کہ وہ خود کو پوری طرح انارکسٹ فلسفے کی ترقی اور اس کی تشریح کے لیے وقف کر سکے۔ پھر وہ انارکسٹ کمیونزم کا ممتاز ترین شارح بن گیا، واضح ترین مفکر اور نظریہ ساز۔ اسے اس کے دوست اور دشمن یکساں طور پر عظیم

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ترین مفکرین میں سے ایک اور انیسویں صدی کی ایک نادر روزگار شخصیت تسلیم کرتے تھے۔ جب میں بروملے کے لیے روانہ ہوئی جہاں کروپوٹکن مقیم تھا، میں نے گھبراہٹ محسوس کی۔ مجھے یہ خوف دامن گیر تھا کہ پیتر سے راہ ورسم پیدا کرنے میں دشواری ہوگی جو اپنے کام میں اتنا منہمک ہوگا کہ اس کے لیے عمومی سماجی میل جول کے لیے وقت نکالنا ممکن نہ ہوگا۔

اس کی موجودگی میں پانچ منٹ کے اندر میری الجھن دور ہوگئی۔ اس کے اہل خانہ گھر پر نہ تھے۔ پیتر نے میرا استقبال اتنے کریمانہ اور پُرشان انداز میں کیا کہ جیسے میں اپنے گھر ہی میں ہوں۔ وہ چائے کا انتظام کر چکا تھا۔ اس نے کہا۔ دریں اثنا کیا میں اس کی بڑھئی کے کام کی دکان دیکھوں گی اور ان مصنوعات کو دیکھنا پسند کروں گی جو اس نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہیں؟ وہ مجھے اپنے مطالعے کے کمرے میں لے گیا اور بڑے افتخار سے اشارہ کر کے مجھے میز، بینچ اور چند شیلف دکھائے جنہیں اس نے خود ہی وضع کیا تھا۔ وہ نہایت سادہ چیزیں تھیں جن پر وہ نازاں تھا۔ وہ انسانی محنت کی علامت تھیں جس بات پر وہ ہمیشہ اصرار کرتا رہا کہ ذہنی کاوشوں کو جسمانی کارروایوں سے ملنا اشد ضروری ہے۔ اب وہ دکھا سکتا تھا کہ ان دونوں کو کس خوبی سے مربوط کیا جا سکتا ہے۔

چائے پیتے ہوئے جو اس نے خود بنا کر دی، کروپوٹکن نے امریکہ کے حالات کے متعلق پوچھا، تحریک کے متعلق اور ساشا کے لیے بھی۔ وہ اس کے مقدمے پر ابتداء سے نظر رکھے ہوئے تھا اور اس کے ہر دور سے باخبر تھا۔ وہ ساشا کو خراج تحسین پیش کیے جاتا اور فکرمندی ظاہر کرتا رہا۔ میں نے انگلستان کے متعلق اپنے تاثرات سے آگاہ کیا۔ جس میں مفلسی اور انتہائی دولت کا تضاد تھا جس کے متوازی سیاسی آزادی بھی چل رہی تھی۔ کیا ایک ہڈی ڈال کر عوام الناس کو پھسلایا جا رہا ہے میں نے استفسار کیا' پیتر نے میرے خیالات سے اتفاق کیا۔ اس کے بقول انگلستان بنیوں کی قوم ہے جو ہر وقت خرید وفروخت میں لگی رہتی ہے جبکہ اسے اشیائے ضرورت پیدا کرنا چاہئے تا کہ لوگ فاقہ کشی سے نجات پالیں۔ ''برطانوی بلغ ژواز یہ سمجھتے ہیں کہ بے چینی پھیل سکتی ہے اس لیے سیاسی آزادی ان کے لیے ایک بہترین ڈھال ہے۔ انگلستان کے مدبرین نہایت کائیاں ہیں۔'' اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا'' وہ ہمیشہ اس پر مائل رہے ہیں کہ سیاسی لگام کو ہمیشہ کس کر رکھنا چاہئے۔ عام برطانوی شہری اس خوش فہمی میں رہتا ہے کہ وہ آزاد ہے جس سے وہ اپنے مصائب فراموش کر بیٹھتا ہے۔ یہی برطانوی کارکن طبقات کا روگ اور ستم ظریفی ہے۔ اس کے باوجود انگلستان اپنی آبادی کے ہر زن ومرد اور بچے کا پیٹ بھر سکتا ہے اگر وہ اپنی وسیع وعریض زرعی آراضی کو ایک قدیم اور انحطاط پذیر اشرافیہ کے چنگل سے چھڑوالے۔ پیتر کروپوٹکن سے ملاقات کے بعد میں مزید اس بات کی قائل ہوگئی کہ سچی عظمت اور سادگی کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ وہ دونوں اوصاف کا پتلا تھا۔ اس کے ذہن کی طباعی تابانی اور گرم جوشی کے مرکب سے ایک ایسی جامع ہم آہنگی نے جنم لیا تھا جو دلفریب ہونے کے علاوہ لطیف اور کریمانہ تھی۔

مجھے انگلستان چھوڑتے وقت افسوس ہو رہا تھا، میں اپنے مختصر دورے میں بہت لوگوں سے ملی اور بہت سے دوست بنائے اور اپنے استاد عظیم سے ملی اور مالا مال ہوگئی۔ بلاشبہ یہ سب نہایت زریں دن تھے۔ میں نے کبھی بھی درختوں اور گھانس کا ایسا خوشگوار سبزہ نہ دیکھا تھا۔ نہ ہی اتنے باغات، پارکوں اور پھولوں کے پھوٹتے چشمے دیکھے تھے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کبھی اتنی افسردہ اور ملول کر دینے والی غربت بھی نہ دیکھی تھی۔ لگتا تھا جیسے فطرت خود بھی غربت اور امارت میں امتیاز رکھتی ہو۔ ہمسٹیڈ کا نیلگوں آسمان لنڈن کے ایسٹ اینڈ میں غلیظ اور مٹیالا لگتا۔ سورج کا گولا ایک بجھا ہوا طباق۔ انگلستان کے مختلف سماجی طبقات میں پایا جانے والا ارذل فرق ہولناک تھا۔ جس سے مجھ میں ناانصافی سے نفرت کا اضافہ ہوا اور اپنے نصب العین کے لیے کام کرنے کا عزم بھی بڑھا۔ مجھے یہ بات ناگوار گزرنے لگی کہ میرا کتنا وقت آئندہ شروع ہونے والی نرسنگ کی تربیت میں ضائع ہونے والا ہے۔ مگر میں خود کو تسلی بھی دیئے جاتی کہ جب میں امریکہ لوٹوں گی تو کہیں زیادہ ساز وسامان سے لیس ہوں گی۔ اب میں لندن میں قیام نہیں کر سکتی میری تعلیم اکتوبر کی پہلی کو شروع ہونے جا رہی تھی۔ مجھے ویانا کے لیے روانہ ہونا ہے۔

ویانا اس سے بھی زیادہ دلفریب نکلا جتنا اِڈنے بتایا تھا۔ انگر سٹراس جو وہاں کی جرنیلی سڑک تھی جس پر قدیم شاندار حویلیوں اور گھاٹھ دار کیفوں کی قطاریں تھیں، ایسی کشادہ سبزگاہیں تھیں جن کے دونوں طرف شاہانہ درختوں کی قطاریں کھڑی تھیں۔ خصوصاً

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پغاتے کا کیا کہنا جسے پارک کے بجائے جنگل کہنا چاہئے' ان سب نے مل کر شہر کو ایسا بنا دیا تھا جس کا حسن بے نظیر تھا اور میں نے کہیں نہ دیکھا تھا۔ ان سب سے بڑھ کر اہل ویانا کی خوش مزاجی اور چہ غم ہونے کی ادا تھی۔ اس کے مقابلے میں لندن ایک روضہ لگا۔ یہاں رنگ و بو، زندگی اور مسرت تھی۔ میری تمنا تو یہ تھی کہ یہیں رہ جاؤں اور خود کو اس کے فیاض بانہوں کے سپرد کر دوں۔ کیفوں میں بیٹھی رہوں یا پغاتے پر بیٹھ کر ہجوم کو آتے جاتے دیکھتی رہی۔ مگر میں کسی اور مقصد سے آئی تھی۔ میں کسی قسم کی بے توجہی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

میرے نصاب میں دایہ گیری کے مضمون کے علاوہ امراض اطفال بھی شامل تھا۔ بطور نرس جو مجھے تھوڑا سا تجربہ حاصل ہوا تھا وہ میرا یہ مشاہدہ تھا کہ باضابطہ سند یافتہ نرسیں بچوں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے کس قدر ناموزوں تھیں۔ وہ تلخ اور تحکمانہ مزاج والی ہوتیں اور معاملہ فہمی ان سے چھو کر نہ گزری ہوتی۔ میرا اپنا بچپن اس معاملے میں بڑا گھناؤنا گزرا تھا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے اندر بچوں سے بہت ہمدردی پیدا ہو گئی۔ مجھ میں بالغوں کے مقابلے میں ان کے لیے کہیں زیادہ صبر اور تحمل پیدا ہو گیا۔ ان کا انحصار خصوصاً علالت کے دوران مجھے ہمیشہ بے چین کر دیتا۔ میں محض یہ نہ چاہتی تھی کہ انہیں شفقت دوں بلکہ خود کو ان کی نگہداشت کے لیے اچھی طرح ساز و سامان سے لیس کر لوں۔

الگر مینیز یکنہاوس جو طبی تعلیم اور تمام انسانی امراض کے علاج معالجے کا ادارہ تھا شوقین اور آمادہ طالبعلموں کو شاندار مواقع مہیا کرتا تھا۔ میں نے اس جگہ کو قابل ذکر ادارہ سمجھا جو ایک جگمگاتا شہر لگتا۔ جن میں ہزاروں مریض نرسیں، ڈاکٹر اور مددگار لوگ شامل تھے۔ مختلف شعبوں کے جو لوگ نگراں تھے وہ اپنے مضامین میں عالم گیر شہرت کے حامل تھے۔ خوش قسمتی سے دایہ گیری کا نصاب پڑھانے والوں کا سربراہ وضع حمل کے امراض کا ماہر ایک نامور شخص پروفیسر برآن تھا۔ وہ نہ صرف ایک باکمال استاد تھا بلکہ محبت کے قابل انسان بھی تھا۔ اس کے لیکچر خشک ہوتے اور نہ ہی پیچیدہ۔ کسی نکتے کی وضاحت کرتے یا جراحی کے دوران میں پروفیسر موصوف ماحول میں شگفتگی پیدا کرنے کے لیے کوئی لطیفہ سنا دیتے جس سے جرمن خواتین طالبات شرمانے لگتیں۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے مثال کے طور پر کہتے کہ اور مہینوں کے مقابلے میں نومبر اور دسمبر کے مہینوں میں بچوں کی شرح پیدائش اس لیے بڑھ جاتی ہے کیوں کہ ان کے بقول ''معزز خواتین' یہ میلے ٹھیلے کا زمانہ ہوتا ہے۔ ویانا کے اس پر مسرت میلے میں انتہائی پرہیزگار دوشیزائیں بھی مست ہو جاتی ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ فطری تقاضوں سے جلد ہی مغلوب ہو جاتی ہیں. یہ قدرت کی کارستانی ہے جو انہیں اتنا زرخیز بنا دیتی ہے۔ بس کوئی آدمی انہیں نظر بھر کے دیکھ لے تو بقول کسے وہ حاملہ ہو جاتی ہیں۔ اس لیے ان نوجوان دوشیزاؤں پر الزام دھرنے کے بجائے ہمیں قدرت کو مورد الزام ٹھہرانا چاہئے۔'' ایک مرتبہ پھر پروفیسر برآن نے ان خواتین کو جو روایتی اخلاقیات کی حامی تھیں' ایک مخصوص مریضہ کا قصہ سنا کر ناخوش کر دیا۔ کئی مرد طلباء سے کہا گیا کہ وہ اس کا معائنہ کریں اور عارضے کی تشخیص کریں۔ یکے بعد دیگرے انہوں نے احکام کی تعمیل کی مگر کسی میں اس کی ہمت نہ تھی کہ کچھ کہے۔ وہ اس کے منتظر تھے کہ ان کا پروفیسر پہلے اپنی رائے ظاہر کرے۔ معائنہ کرنے کے بعد وہ بطل جلیل یوں گویا ہوا ''حضرات یہ ایک ایسا کیس ہے جو آپ میں سے اکثر دیکھ چکے ہیں یا ابھی سامنا کرنے والے ہیں یا آئندہ دو چار ہوں گے۔ آپ میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جو اس کے منبع کی مزاحمت کر سکیں گے اور نہ ہی اس کے عروج میں پنہاں خلش کی' نہ ہی اس کے علاج کے اخراجات سے بچ سکیں گے جو اسم بامسمی ہے اور آتشک کہلاتا ہے۔''

ان سب میں جو دایہ گیری کی تعلیم پا رہی تھیں ان میں کئی یہودی لڑکیاں شامل تھیں جو کیف اور ادیسا کی رہنے والی تھیں۔ ان میں تو ایک ایسی تھی جو طویل مسافت طے کر کے فلسطین سے آئی تھی۔ ان میں سے کسی کو بھی اتنی جرمن زبان نہیں آتی تھی کہ لیکچر سمجھ سکیں۔ روس والیاں نہایت غریب تھیں جو دس روبل ماہانہ پر گزر بسر کرنے پر مجبور تھیں۔ ان کی ذات ہمارے لیے روح پرور تھی کہ اپنے پیشے کے لیے کس ہمت اور استقلال کی پیکر تھیں۔ لیکن جب میں نے تعریف کرنا شروع کی تو لڑکیوں کا جواب یہ تھا کہ یہ سب معمول کی بات ہے۔ ہزاروں روسی جن میں یہودی اور غیر یہودی سب شامل ہیں یہی کر رہے ہیں۔ تمام غیر ممالک

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میں مقیم طلباء نہایت قلیل پر جیتے ہیں۔ ہمارے کیا سرخاب کے پر لگے ہیں؟'' مگر تمہیں تو جرمن بھی کم آتی ہے۔'' میں پوچھ بیٹھی تم لیکچر کیسے سمجھو گی اور کتابیں کیسے پڑھو گی؟'' کیا تم پر امید ہو کہ امتحانات میں کامیاب ہو جاؤ گی؟'' انہیں نہیں معلوم تھا مگر وہ کسی نہ کسی طرح مرکھپ کے کر لیں گی۔ کچھ بھی کہیے ہر یہودی تھوڑی بہت جرمن سمجھتا ہے' انہوں نے جواب دیا۔ ان میں سے دو لڑکیاں مجھ پر خصوصاً مہربان تھیں۔ وہ ایک چھوٹی سی کٹھڑیا میں رہتی تھیں جب کہ میں وسیع و عریض کمرے میں مقیم تھی، میں نے ان سے کہا کہ وہ میرے ساتھ رہنے کے لیے اٹھ آئیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ہمیں رات کے اوقات میں اسپتال میں فرائض انجام دینا ہوں گے مگر زیادہ امکان یہ تھا کہ بیک وقت ایسا نہ ہوگا۔ ہمارے ساتھ رہنے سے ان کے اخراجات میں کمی ہو جائے گی اور میں بھی انہیں جرمن زبان پڑھنے میں مدد کر سکوں گی۔ بہت جلد ہماری جگہ روسی طلباء کے دونوں صنفوں کا مرکز بن گیا۔

مجھے ویانا میں مسز ای۔ جی۔ براڈی کے نام سے پہچانا جاتا۔ مجھے مجبوراً اس نام کے ساتھ بیرون ملک سفر کرنا پڑا۔ کیونکہ مجھے اپنے اصل نام سے یہاں داخلہ نہ ملتا۔ میں اس خیال سے کب کا جان چھڑا چکی تھی کہ آپ کوئی فرضی نام نہیں اختیار کر سکتے۔ بے شک میں کرشنر کی شہریت کے کاغذات پر پاسپورٹ حاصل کر سکتی تھی۔ لیکن چونکہ میں اسے چھوڑ چکی تھی اس لیے میں نے اس کا نام نہ استعمال کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے بعد میں اس سے صرف ایک مرتبہ ملی تھی وہ بھی ۱۸۸۳ء میں جب میں روچسٹر میں صاحب فراش تھی۔ میرے لیے اس نام میں محض اندوہناک یادوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ براڈی آئیر لینڈ کا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ میری شناخت کے متعلق کوئی شک نہ جنم دے گا۔ اس زمانے میں پاسپورٹ فرمائش کرنے پر مل جایا کرتے تھے۔

ویانا میں مجھے بہت محتاط رہنا پڑا۔ ہیپس برگ پولیس نہایت استبدادی تھی۔ سوشلسٹوں اور انارکسٹوں کی سختی سے پکڑ دھکڑ ہوتی۔ اس لیے میں اپنے کامریڈوں کے دھڑے سے راہ و رسم نہ رکھ سکتی تھی کیونکہ میں ملک بدری نہ چاہتی تھی۔ مگر یہ امر اس بات میں مانع نہ تھا کہ میں دلچسپ لوگوں سے نہ ملوں جو مختلف سوشل سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔

میری نصابی مصروفیات اور شبینہ اسپتالی فرائض ویانا میں ہونے والی تمدنی دلچسپیوں میں کم شرکت کا باعث نہ بنے جن میں موسیقی اور تھیٹر کی دلچسپیاں تھیں۔ میں ایک نوجوان انارکسٹ گروس مین سے ملی جو شہر کی سرگرمیوں سے کماحقہ واقفیت رکھتا تھا۔ اس میں کئی ایسی کمزوریاں تھیں جنہیں میں ناپسند کرتی۔ وہ اپنے نسب کو چھپانے میں کوشاں رہتا اور غیر یہودیوں کے ہر احمقانہ رنگ کو بالکل گرگٹ کی طرح اختیار کر لینا۔ جب وہ مجھ سے پہلی مرتبہ ملا تو اس نے مجھے بتایا کہ اس کا شمشیر زنی کا استاد اس کی جرمن ٹانگوں کا مداح تھا۔ ''میرے نزدیک تو یہ کوئی قابل ستائش بات نہیں ہے۔'' میں بولی ''پھر بھی اگر وہ تمہاری ایڈیش ناک کو سراہتا تو ضرور ایسی بات ہوتی جس پر تم فخر کر سکتے۔'' تاہم وہ پھر بھی آتا رہا اور میں اسے پسند کرنے پر مائل ہونے لگی۔ اسے مطالعہ کرنے کا ہوکا تھا اور نئے ادب کا بڑا مداح تھا۔ فریڈرک نطشے، ابسن، ہاپٹمین، وان ہاف مانستھل اور دیگر نقیبوں کا، جو قدیم اقدار پر لعنت ملامت کر رہے تھے۔ میں نے ان کی تحریروں کے اقتباسات ''آرم ٹیوفل'' میں پڑھے تھے۔ یہ ہفت روزہ جریدہ تھا جسے روبرٹ ریٹزل ڈیٹرایٹ سے شائع کرتا تھا۔ جو خود اعلیٰ پائے کا مصنف تھا۔ یہ واحد جرمن رسالہ تھا جو امریکہ میں اپنے قارئین کو یورپ کی نئی ادبی تحریکوں سے باخبر رکھتا۔ میں نے اس کے کالموں میں ان عظیم مفکروں کی تحریریں پڑھیں جو یورپ کو جنبش دے رہے تھے انہوں نے میری بھوک چمکا دی۔

ویانا میں آپ جرمن نثر اور نظموں پر دلچسپ لیکچر سن سکتے تھے۔ آپ فنون اور ادب کے نوجوان روایت شکنوں کے شہہ پارے پڑھ سکتے تھے جن میں سب سے زیادہ جرأت مند نطشے تھا۔ اس کی زبان کا سحر، اس کی فراست کا حسن مجھے ایسی رفعتوں پر لے گیا جہاں میرے خوابوں کی رسائی بھی ناممکن تھی۔ میں چاہتی تھی کہ اس کی تحریر کی ہر سطر کو گھول کر پی جاؤں مگر میں اتنی غریب تھی کہ انہیں خرید نہ سکتی تھی۔ خوش قسمتی سے گروس مین کے پاس نطشے اور دیگر جدیدیوں کی تحریر کا تانتا بندھا رہتا۔

میرا مطالعہ اشد ضروری نیند کی قیمت پر ہوتا۔ لیکن نطشے کی وجد آفریں تحریروں کے مقابلے میں میری جسمانی کسلمندی کی کیا حیثیت تھی؟ اس کی روح کا شعلہ جوالہ' نغموں کا ترنم زندگی کو مالا مال' آسودہ اور حیرت ناک بنا دیتا۔ میں اس خزانے میں اپنے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

محبوب کو شریک کرنا چاہتی تھی اس لیے میں نے اسے طویل خط لکھے جن میں اس نئی دنیا کا بیاں ہوتا جسے میں نے حال ہی میں دریافت کیا تھا۔اس کے جوابات کنی کاٹنے والے ہوتے، لگتا اِڈ نئے فنون کے لیے میرے جوش اور ولولے میں شریک ہونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ میری تعلیم اور صحت کے معاملات میں زیادہ دلچسپی لیتا۔ اس نے مجھ سے فرمائش بھی کی کہ میں اپنی توانائی کو فضول مطالعے سے زیر بار نہ کروں۔ مجھے مایوسی بھی ہوئی لیکن میں نے خود کو یہ کہہ کے تسلی دے لی کہ وہ نئے ادب کے انقلابی جذبے کو اسی وقت سراہے گا جب اسے انہیں پڑھنے کا خود موقع ملے گا۔ مجھے رقم کا بندوبست کرنا چاہیئے، میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں اِڈ کے لیے کتابوں کا ڈھیر لے جاؤں گی۔

کسی طالبعلم نے مجھے یہ بتایا کہ ایک ممتاز نوجوان پروفیسر سگمنڈ فرائیڈ لیکچروں کا سلسلہ شروع کررہا ہے۔ تاہم مجھے پتہ چلا کہ میرے لیے اس سلسلہ ہائے لیکچر میں شرکت دشوار ہے، وہاں صرف ڈاکٹر اور خصوصی اجازت ناموں کے حامل لوگ شرکت کرسکتے ہیں۔ میرے دوست نے یہ مشورہ دیا کہ میں اپنا نام پروفیسر بروہوَل کے کورس میں درج کرالوں وہ بھی جنس کے مسائل پر بحث کرتا ہے۔ اس کے اور طلباء کی طرح مجھے بھی فرائیڈ کے لیکچروں میں داخل ہونے کے زیادہ امکانات پیدا ہوجائیں گے۔

پروفیسر بروہوَل ایک ضعیف اور دھیمی آواز میں بولنے والا آدمی تھا۔ جو مضامین وہ پڑھاتا وہ میرے لیے سربستہ راز ہی رہتے۔ وہ ہیجڑوں 'چپٹی' اور دیگر عجیب وغریب مضامین چھیڑتا۔ اس کے سامعین اس سے زیادہ اجنبی ہوتے۔ نسوانی شباہت کے مرد جن کے اطوار سے عشوہ گری جھلکتی اور ایسی عورتیں جو بڑی حد تک مردوں سے ملتی جلتی اور بھرائی ہوئی آوازوں والی۔ یہ ایک چوں چوں کا مربع اجتماع تھا۔ ان موضوعات کی حقیقت اس وقت آشکار ہوئی جب میں نے بعد میں سگمنڈ فرائیڈ کو سنا۔ اس کی سادہ بیانی' بے ساختگی اور اس کے ذہن کی طباعی مل کر سامع پر ایسا اثر ڈالتی جیسے وہ تاریک کوٹھری سے پکڑا کر سورج کی روشنی میں لایا جارہا ہو۔ پہلی مرتبہ اس بات کی پوری اہمیت ذہن نشین ہوئی کہ جنس کے کچل دینے سے انسانی فکر وعمل پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے خود کو بھی سمجھنے میں مدد دی اور میری اپنی ضرورتوں کو۔ اور اس کا بھی مجھے اندازہ ہوا کہ صرف پست ذوق ذہن کے لوگ ہی اس کی معروضات پر معترض ہوسکتے ہیں اور اتنی عمدہ اور عظیم شخصیت کو نجس سمجھ سکتے ہیں۔

میری متعدد دلچسپیوں کے سبب ویانا میں میرے دن کا زیادہ حصہ مصروفیات کی نذر ہوجاتا۔ اس کے باوجود میں ناٹک دیکھنے اور کافی موسیقی سننے کے لیے وقت نکال لیتی۔ میں نے پہلی مرتبہ پورا (رنگ دیس نیبلنجن) اور ویگنر کے دیگر شاہکار سنے۔ موسیقی مجھے ہمیشہ سے متاثر کررہی ہے۔ ویانا کی پیشکش' آوازوں کا جادو، سازندوں کے شاندار طائفے اور ان کے باکمال سردار سب ہی دل موہ لینے والے تھے۔ ان تجربات سے فیضیاب ہونے والے کے لیے کس قدر کرب ناک ہوتا ہے جب آپ کو ایسے پورے کنسرٹ میں شریک ہونا پڑتا جسے ویگنر کا بیٹا چلا رہا ہو۔ ایک شب سگفرِیڈ ویگنر نے اپنی ترتیب دی ہوئی دھنوں والے ڈر بین ہاؤٹر کو پیش کیا۔ وہ اس کی پرچھائیں بھی نہ تھا۔ لیکن جب اس نے اپنے نام ور باپ کی تمثیل کی تو اس کے ہنر کی قلعی کھل گئی۔ میں بیزاری میں کنسرٹ چھوڑ کر چل دی۔

ویانا میں مجھے کئی نئے تجربات ہوئے۔ ان میں سب سے پرشکوہ ایلینو راڈوس کا تھا جب وہ سودرمین کی 'ہیمٹ' میں ماگڈا کے روپ میں جلوہ گر ہوئی۔ کھیل اپنی جگہ ایک نیا ڈرامائی واقعہ تھا۔ لیکن ڈوس نے اس میں ڈوب کر اداکاری کی اور ایسی روح پھونک دی جس نے سودرمین کے کمالات کو گہنا دیا اور اس کے کام میں گہری معنویت پیدا کردی۔ کئی سال گزرے میں نیو ہیون میں سارہ برن ہارٹ کو فیدورا میں کام کرتے دیکھ چکی تھی۔ اس کی آواز، اس کا بھاؤ بتانا اور اس کی گہرائی میرے لیے الہامی تھا۔ میں اس وقت یہ سمجھتی تھی کہ کوئی بھی اس بلندی کو نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن ایلینو راڈوس نے اسے اوج کمال پر پہنچادیا۔ وہ نابغہ روزگار تھی اور اتنی باصلاحیت تھی جس سے وہ اس شاہکار پر موزوں بیٹھ گئی۔ اسٹیج کے گُر استعمال کرنے کے باوجود اس کی موضوع کی ترجمانی بالکل حقیقی لگتی تھی۔ بے حجابہ حرکات وسکنات تھیں نہ ہی غیر ضروری سرگرمیاں، آواز کے اتار چڑھاؤ میں بھی تصنع نہ تھا۔ اس کی آواز پرکیف اور گونجدار تھی اور ہر لہجے کے لیے موزوں تھی۔ اس کے جذبات سے پرخدوخال میں اس کے ذاتی احساسات فراواں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تھے۔ایلینو راڈوس نے میگدا کی متلاطم سرشت کے ہر نازک فرق کی نہایت خوبی سے ترجمانی کی اور اسے اپنی روح میں جذب کرلیا۔یہ فن تھا جو اپنے معراج کو پہنچ چکا تھا اور ایک ستارہ تھا جو زندگی کے آسمان پر درخشندگی پھیلا رہا تھا۔

امتحانات جب سر پر آ گئے اس لیے ڈینوب کے کنارے اس شہر کی خوابناک تحریص کے باوجود میں جی بھر کے اپنے ارمان نہیں نکال سکتی تھی۔بہت جلد میں دو ڈپلموں کی حامل تھی۔ایک دایہ گیری کا اور دوسرا زرسنگ کے لیے۔میں اب اپنے وطن امریکہ لوٹ سکتی تھی۔مگر میں ویانا کو خیر باد کہنے پر مائل نہ تھی جس نے مجھے اتنا بہت سا دیا تھا۔میں نے دو اور ہفتے ٹال دیئے۔اس تمام عرصے کا زیادہ وقت میں نے اپنے کامریڈوں میں بسر کیا اور ان سے آسٹریا میں انارکسٹ تحریک کے متعلق بے بہا معلومات حاصل کیں۔کئی چھوٹی محفلوں میں میں نے لیکچر دیئے جس میں امریکہ کے متعلق بتایا اور اپنے ملک میں اپنی جدوجہد کے متعلق بتلایا۔

فیدیا نے میری واپسی کا کرایہ بھیجا تھا وہ بھی درجہ دوم کا اور سوڈالراس کے علاوہ تاکہ میں اپنے لیے ملبوسات خرید لوں۔میں نے اس رقم سے اپنی پسندیدہ کتب کی خریداری کو ترجیح دی۔ان مصنفین کی سلسلہ ہائے کتب کو خرید لیا جو ادبی دنیا میں تاریخ سازی کر رہے تھے خصوصاً ناٹک میں۔کپڑوں کی الماری میں چاہے جتنے بھی ملبوسات بھر جاتے مگر مجھے وہ مسرت نہ ہوتی جو میری قیمتی چھوٹی سی لائبریری سے ہوئی۔میں نے انہیں صندوق میں رکھ کر علیحدہ سامان میں جمع کرانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے سب کو سوٹ کیس میں بند کر کے اپنے ساتھ رکھا۔

میں اس وقت فرانسیسی کمپنی کے دخانی جہاز کے عرشے پر کھڑی تھی جب جہاز نیویارک کی گودی میں داخل ہوا۔میں نے اِڈ کو اس سے پہلے تلاش کر لیا اس سے پہلے کو وہ مجھ دیکھتا وہ جہاز کی سیڑھی کے نیچے گلابوں کا گلدستہ لیے کھڑا تا۔لیکن جب میرا آمنا سامنا ہوا تو وہ مجھے نہ پہچان سکا۔وہ برسات والے دن کی ایک سہ پہر تھی، میں سوچ میں پڑ گئی یہ سب کچھ کیوں ہوا، دھندلکے کی وجہ سے، میرے بڑے ٹوپ کے سبب یا اس لیے کہ میں بہت دبلی ہو گئی تھی۔چند لمحے تو میں کھڑی رہی اور اسے مسافروں کو متلاشی نظروں سے دیکھنے دیا لیکن جب میں نے اس کے چہرے پر تشویش پیدا ہوتے دیکھی تو میں دبے پاؤں بڑھی اور اپنے پنجوں پر کھڑی ہو کر پیچھے سے اس کی آنکھیں بند کر دیں۔وہ تیزی سے گھوما اور بے خودی میں مجھے کھینچ کر اپنی چھاتی سے لگا لیا اور کپکپاتی آواز میں چلایا ''میری شاٹز کیا معاملہ ہے کیا تم بیمار ہو؟'' ''بکواس ہے'' میں نے جواب دیا۔''مجھ میں زیادہ روحانیت آ گئی ہے، چلو گھر چلیں میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔''

اِڈ بذریعہ خط مجھے اطلاع دے چکا تھا کہ اس نے مکان بدل لیا ہے اور قدرے آرام دہ فلیٹ میں منتقل ہو گیا ہے جس کی زیبائش وآرائش میں فیدیا نے ہاتھ بٹایا تھا۔جو میں نے پایا وہ میری توقعات سے کہیں بڑھ کر تھا، ہمارا اپنا گھر قدیم طرز کا فلیٹ تھا جو گیارہویں کوچے میں جرمن تارکین وطن کے مکینوں کے حصے میں واقع تھا۔وسیع باورچی خانے کی کھڑکی میں سے ایک خوبصورت باغ نظر آتا تھا۔بیرونی کمرہ کشادہ اور اونچی چھت کا تھا۔ساز وسامان سادہ مگر توانائی بخش اور قدیم مہاگنی لکڑی کا بنا ہوا۔دیواروں پر نایاب تصاویر آویزاں تھیں اور میری کتابیں شیلف میں سجی ہوئی تھیں۔مکانیت پر فضا اور باذوق لگی۔

اِڈ میرا میزبان بن گیا اور جو کھانا پکا تھا اس میں ذرا ذرا سی تفصیل کا خیال رکھا گیا تھا جبکہ شراب جسٹس شواب نے بھیجی تھی۔وہ اب دولتمند ہو چکا تھا اس نے مجھے بتایا کہ اسے پندرہ ڈالر ہفتہ ملتا تھا! اس کے بعد اس نے ہمارے دوستوں کے متعلق بتایا، فیدیا، جسٹس، کلاس اور سب سے بڑھ کر ساشا کے متعلق۔جب میں ملک سے باہر تھی تو میں ساشا سے براہ راست خط وکتابت نہ کر سکتی تھی اور اِڈ ہمارے درمیان نامہ بر کے فرائض انجام دیتا جس کے معنی پر تشویش تاخیریں۔جب مجھے معلوم ہوا کہ میرے دلآور لڑکے کا خط میرا منتظر ہے تو میں بہت خوش ہوئی۔یہ بات مجھے بہت خوشگوار لگی کہ وہ اس قابل تھا کہ وہ ایک بڑا اور ٹھوس پیغام مجھ تک بھیج دے اور وہ بھی اس روز جو میری آمد کا دن تھا۔ساشا کا خط ہمیشہ کی طرح تڑپتی روح کا حامل تھا۔اس میں اس کی اپنی زندگی کے متعلق کوئی شکوہ نہ تھا مگر باہر کی سرگرمیوں میں بہت دلچسپی ظاہر ہوتی تھی، میرے کام کے متعلق اور ویانا پر میرے تاثرات کے لیے۔یورپ تو بہت دور تھا، اس نے لکھا میری امریکہ واپسی نے اسے مجھ سے قریب کر دیا تھا اگرچہ وہ جانتا تھا کہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میری اس سے اب دوبارہ ملاقات نہ ہوگی۔ شائید میں اپنے لیکچر کے دورے پر پیٹس برگ جاؤں۔ اس کے لیے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میں اس کے ساتھ اسی شہر میں ہوں۔

یورپ کی روانگی سے پہلے میرے دوست اساک ہاورویچ نے تجویز پیش کی تھی کہ ہم سپریم کورٹ میں مرافعہ کر کے ساشا کی مدد کر سکتے ہیں، جواز یہ ہوگا کہ اس کے مقدمے کی سماعت کی کارروائی غیر قانونی تھی۔ بڑی تگ و دو اور اخراجات کے بعد اس کے مقدمے کا ریکارڈ دستیاب ہوا۔ تب جا کر یہ معلوم ہوا کہ اس میں کوئی سقم نہ تھا جس کی بنیاد پر نظر ثانی کا مقدمہ تیار کیا جا سکے۔ جب وہ خود اپنی پیروی کر رہا تھا اس وقت وہ جج کی رولنگ کے خلاف بولنے میں چوک گیا جس کے نتیجے میں کوئی مرافعہ نہیں داخل کیا جا سکتا۔

میرے ویانا کے قیام کے دوران میں میرے کئی امریکی دوستوں نے مشورہ دیا کہ معافی کے بورڈ کے سامنے درخواست پیش کی جائے۔ میرے اندر بحیثیت انارکسٹ اس اقدام کے خلاف بغاوت سر اٹھانے لگتی۔ اور مجھے یقین تھا کہ ساشا بھی اس کی حمایت نہ کرے گا اس لیے میں نے اسے اس تجویز کے متعلق لکھا بھی نہیں۔ میری عدم موجودگی میں جب ملک سے باہر تھی اسے تواتر سے تہہ خانے کی قید تنہائی میں رکھا جاتا رہا یہاں تک کہ اس کی صحت جواب دے گئی۔ اس نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہمارے نظریات کا تسلسل اگرچہ قابل تحسین ہے مگر اس لیے مجرمانہ بھی ہے کیونکہ اس سے کسی کے مفادات پر ضرب لگتی ہے۔ اس کے تحت میں نے تمام ملحوظات کو ایک طرف رکھ کر ساشا سے التجا کی کہ ہمیں معافی کے بورڈ سے مرافعہ کرنے دے۔ اس کے جواب سے واضح تھا کہ وہ اس تجویز پر برہم تھا اور یہ اس کی دل آزاری کا باعث ہوئی کہ میں اس سے یہ چاہتی ہوں کہ وہ معافی کے لیے گڑگڑائے۔ میری کارروائی فی نفسہ جائز تھی۔ یہ ایک علامتی احتجاج تھا جو سرمایہ داری نظام کی ناانصافیوں کے خلاف تھا۔ عدالتیں اور معافی کا بورڈ اسی نظام کی فصیلیں ہیں۔ کیا مجھ میں انقلابی جذبہ کم ہو گیا ہے یا شائید یہ میرے لیے تمہارا تردد ہے جس نے تمہیں ایسا قدم اٹھانے پر اکسایا۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے وہ نہیں چاہتا کہ میں اس کی نیابت میں اپنے اصولوں کے خلاف عمل کروں۔

اِڈا نے وہ خط مجھے ویانا روانہ کر دیا۔ جس سے میں رنجیدہ ہوئی۔ اس سے مایوسی بھی ہوئی لیکن اس سے میری کوششوں میں کمی نہ آئی۔ میرے پینسیلوانیہ کے دوست اطلاع دے چکے تھے کہ اس ریاست میں معافی کی درخواست پر سائل کے دستخط ثبت ہونا لازمی نہیں ہے۔ میں نے ساشا کو پھر لکھا اور زور دیا کہ میرے تئیں اس کی زندگی اور آزادی تحریک کے لیے اتنی انمول ہے کہ اس کے لیے مرافعہ کرنا پاسنگ بھی نہیں ہے۔ چند عظیم ترین انقلابیوں نے اپنی قید کی مدت کاٹتے ہوئے مرافعہ کیا تا کہ آزادی پا جائیں۔ لیکن پھر بھی وہ اس اقدام کو اپنے نظریات سے متصادم سمجھتا ہے تو کیا وہ ہمارے دوستوں کو اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ میرے لیے کچھ کریں؟ اب یہ میری برداشت سے باہر ہے، میں نے وضاحت کی کہ تمہارا قید میں رہنا ایک ایسی کارروائی کا خمیازہ ہے جس میں، میں بھی تمہارے برابر شریک تھی۔ میری فریادوں نے شائید ساشا پر کچھ اثر ڈالا۔ اپنے جواب میں اس نے دہرایا کہ اسے معافی کے بورڈ پر قطعاً اعتبار نہیں ہے۔ لیکن اس کے دوست جو جیل سے باہر ہیں وہ اس حالت میں ہیں کہ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جو اقدام چاہیں وہ کریں اسے اب کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کیا ایمالی ملاقات کے پرمٹ کا بندوبست کر سکتی ہے۔

ایما پیٹس برگ منتقل ہو چکی تھی۔ جہاں کے ایک ہوٹل میں اسے بستر کی چادروں کے شعبے میں ملازمت مل چکی تھی۔ اس نے جیل کے داروغہ سے اس مسئلے پر خط و کتابت شروع کر دی اور جسے اس نے بتدریج اس بات پر آمادہ کر لیا کہ ملاقاتوں کے لیے ساشا کا حق بحال کیا جائے۔ کئی ماہ کے انتظار کے بعد داروغہ کو اس بات میں کامیابی ہوئی کہ ایمالی کو ایک پرمٹ بھیجا جائے۔ لیکن جب وہ اصلاح خانے میں پہنچی تو وارڈن نے اسے ساشا سے ملانے سے انکار کر دیا۔ ''داروغہ کا نہیں بلکہ یہاں پر میرا حکم چلتا ہے'' اس نے ایما سے کہا ''جب تک میں یہاں کا حاکم ہوں کسی کو بھی یہ اجازت نہیں مل سکتی کہ وہ قیدی اے۔ ے سے مل سکے۔

ایمالی نے سوچا کہ اگر میں زور دار احتجاج کرتی ہوں تو اس کے نتیجے میں معافی کے بورڈ کے سامنے رعایت ملنے کے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

امکانات کہیں متاثر نہ ہو جائیں۔اس نے میرے مقابلے میں بڑے ضبطِ نفس سے کام لیا جس کا اظہار میں نے اس جان لیوا دن میں انسپکٹر ریڈ کے اسٹور پر کیا تھا۔ہم نے اپنی امیدیں اس بات سے وابستہ رکھیں کہ ہماری مساعی ساشا کو دشمن کے چنگل سے چھڑا لیں گی۔

میں نے والٹر این۔ڈی۔کلیر سے رابطہ پیدا کیا اور اسے اس کے وعدے کی یاد دہانی کرائی کہ ساشا کے معاملے میں مدد کرے۔جواباً اس نے بہت جلد ساشا کے حق میں ایک عوامی اپیل مرتب کر دی لیکن مجھے بھیجنے کے بجائے اس نے اِڈ کو روانہ کر دی۔ایک لمحے کے لیے تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اسے اپنی سبکی سمجھی۔لیکن جب میں نے دستاویز کا مطالعہ کیا تو میری خفگی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔یہ ایک نثری نظم تھی جو جذبات آفریں قوت اور حسن سے مالا مال تھی۔میں نے اپنی غلط فہمی کا حوالہ دیئے بغیر اسے شکریہ کا خط لکھا۔اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

اپیل کی مہم کا آغاز کر دیا گیا۔تمام ریڈیکل عناصر ہماری کوششوں کی حمایت کر رہے تھے۔پیٹس برگ کے ایک ممتاز وکیل نے دلچسپی ظاہر کی اور ہمارے مسئلے کو پینسلوانیہ کے معافی کے بورڈ کے سامنے پیش کرنے کے لیے صاد کر دیا۔

ہم بہت زور وشور سے کام کر رہے تھے۔جس کی محرک بڑی بڑی توقعات تھیں۔ساشا کی امیدیں بحال ہونے لگی تھیں۔لگتا تھا جیسے اس کے سامنے متوازن زندگی کے دریچے وا ہو رہے ہوں۔مگر ہماری خوشی کی کلیاں جلد ہی مرجھا گئیں۔بورڈ نے اپیل پر کارروائی کرنے سے انکار کر دیا برکمین کو پہلے سات برس کی قید کاٹنی پڑے گی تب ''اصل غلطیاں'' جو دیگر سزاؤں میں ہوئی ہوں ان پر غور کیا جا سکتا ہے، بورڈ نے فیصلہ دے دیا۔بات صاف تھی کہ کارنیگی اور فرک کو ناخوش کرنے والا کوئی فیصلہ نہ ہوگا۔

اس صدمے نے مجھے کچل کر رکھ دیا اور مجھے خوف دامنگیر ہوا کہ ساشا بھی متاثر ہوگا۔میں اسے کیا لکھوں، اس استبدادی ضرب کی تکلیف سے بچانے کے لیے میں اسے کیا لکھوں؟ ؟اِڈ کے تسلی کے الفاظ کہ ساشا اتنا بہادر ہے کہ وہ ۱۸۹۷ء تک برداشت کرے گا اس سے میری تشفی نہ ہوئی۔میں امید ہار بیٹھی کہ کبھی اس کی سزا میں تخفیف دی جائے گی۔انسپکٹر ریڈ کی دھمکی کی گھنٹی جو اس نے ساشا کو دی تھی کہ وہ زندہ باہر نہ نکلے گا۔میرے کان میں بج رہی تھی۔اس سے پہلے کہ خط لکھنے کے لیے میری خاطر جمع ہوتی ساشا کا خط آ گیا۔اس نے موافق نتیجے کے امکان پر تکیہ ہی نہ کیا تھا۔تحریر یہ کہتی تھی کہ اسے کوئی خاص مایوسی نہیں ہوئی۔بورڈ کے فیصلے نے محض ایک مرتبہ اور ثابت کر دیا کہ امریکی حکومت اور دولت شاہی کا گٹھ جوڑ کتنا گہرا ہے۔یہی نکتہ ہے جس کے ہم انارکسٹ ہمیشہ سے مدعی ہیں۔جہاں تک بورڈ کے اس وعدے کا تعلق ہے کہ اس اپیل پر ۱۸۹۷ء میں پھر غور کیا جائے گا محض عوامی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لیے دھوکے کی ٹٹی ہے اور اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہمارے دوستوں کو جو اس کے حق میں کام کر رہے ہیں الست کر دیا جائے۔اسے اطمینان ہے کہ فولادی صنعت کے کرتا دھرتا اور ان کے چاپلوس اس کے حق میں کبھی نہ بولیں گے۔لیکن اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہے۔پہلے چار سال اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور وہ مزید لڑنے کے لیے پرعزم ہے۔''ہمارے دشمنوں کو حسرت رہے گی کہ وہ مجھے ختم کر سکتے ہیں۔'' اس نے لکھا۔اسے معلوم ہے کہ وہ میری حمایت پر ہمیشہ بھروسہ کر سکتا ہے علاوہ ان نئے دوستوں کے جنہیں اس نے بنایا ہے۔مجھے کسی حال میں حزن ویاس میں نہ مبتلا ہونا چاہیئے اور نہ ہی اپنے مقصد کے لیے ذوق وشوق کو کم کرنا چاہیئے۔جان من ساشا، میرا عظیم ساشا۔وہ صرف جری نہ تھا، جیسا کہ اِڈ نے کہا تھا بلکہ وہ قوت کا مینار تھا۔جیسا کہ اکثر وبیشتر وہ ثابت کر رہا ہے جس دن سے بالٹی مور اور اوہیو کے اسٹیشن پر دخانی عفریت اسے مجھ سے نوچ کر لے گیا۔وہ حقیر مفادات، ذاتی پریشانیوں اور روزمرہ کے ادنیٰ معمولات کے تاریک آسماں پر ایک شہاب ثاقب تھا۔وہ ایک سفید روشنی ہے جو آپ کی روح کی تطہیر کر سکتی ہے۔انسانی کمزوریوں سے بلند ہو کر وہ ہم میں مرعوب کن ولولہ پیدا کر سکتا ہے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۱۵

انارکسٹوں کی صفوں میں آج کل نشاط ثانیہ پیدا ہو رہا تھا۔ سال ۱۸۸۷ء کے مقابلے میں بہت زیادہ سرگرمیاں دیکھنے میں آ رہی تھیں خصوصاً امریکی وابستگان میں۔ سولیڈیریٹی ایک انگریزی زبان کا مجلّہ جسے ابس مرینو نے ۱۸۹۲ء میں جاری کیا اور بعد میں جس کی اشاعت معطل رہی ۱۸۹۴ء میں پھر سے شائع ہونے لگا اور کئی نہایت لائق امریکی اس کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے۔ ان میں جون ایڈیمن، ولیم سی اوون، چارلس بی کوپر، مس وان ایٹن جو نہایت مستعد ٹریڈ یونین کارکن تھی اور دیگر کئی لوگ شامل تھے۔ ایک سماجیاتی سائنس کا کلب قائم کیا گیا جس میں ہفتہ وار لیکچر ہوتے۔ اس کام کی طرف کئی ذہین مقامی امریکیوں کی کافی توجہ مبذول ہوئی۔ بلاشبہ ایک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اشاعتی صحافت میں اس کے خلاف کافی زہریلے حملے بھی شائع ہوئے۔ نیویارک واحد شہر نہ تھا جو انارکزم کا مفسر تھا۔ پورٹ لینڈ اوریگان میں ایک گروہ انگریزی زبان کا ایک آتش بیان ہفت روزہ نکال رہا تھا۔ اس میں باصلاحیت زن و مرد موجود تھے۔ جس میں ہیری ایڈیس اور ازحاک فیملی شامل تھی۔ بوسٹن میں ہیری ایم کیلی جوان اور سرگرم کامریڈ تھی۔ اس نے ایک امداد باہمی والا چھاپہ خانہ قائم کیا تھا جو ریبل (REBEL) شائع کر رہا تھا۔ فلیڈیلفیا میں والٹیر این ڈی کلیر ایچ براون، پرل میکلیوڈ اور ہمارے نظریات کے دیگر حامی اور باہمت لوگ کام کر رہے تھے۔ حقیقت تو یہ تھی جیسے پورے امریکہ میں ہمارے شکاگو کے شہداء دوبارہ جی اٹھے ہوں۔ سپایز اور اس کے کامریڈوں کی آوازیں مقامی بولی میں راہ پا رہی تھیں ساتھ ہی ساتھ ہر غیر ملکی زبان میں بھی جنہیں امریکی بولتے تھے۔

ہمارے کام میں دو برطانویوں کی آمد سے معتد بہ اضافہ ہوا، ان کا نام چارلس۔ ڈبلیو۔ ماوبرے اور جون ٹرنر تھے۔ آخر الذکر ۱۸۹۴ء میں آیا میری قید سے رہائی کے کچھ عرصے بعد اور آج کل بوسٹن میں روبہ عمل تھا۔ جان ٹرنر، مقابلتاً کہیں زیادہ باخبر اور رچا ہوا تھا اور اسے ہیری کیلی نے دعوت دے کر امریکہ بلایا تھا۔ چند وجوہ پر شروع میں اس کے لیکچروں میں کم لوگ آئے اس لئے مجبور ہو کر انتظامات کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ہم نے اٹھالی۔ میں جون اور اس کی بہن لیزا سے اپنے لندن کے قیام میں مل چکی تھی۔ دونوں ہی مجھے بہت پسند آئے تھے جس کی وجہ ان کی گرم جوشی، ملنساری اور دوست داری تھی۔ مجھے خصوصاً جون سے گفتگو میں مزا آتا۔ وہ انگلستان میں سماجی تحاریک سے واقف تھا۔ اور ذاتی طور پر تجارتی انجمنوں اور امداد باہمی کے عناصر سے گہری وابستگی رکھتا تھا ساتھ ہی ساتھ سب کے فائدے کے لئے بھی فکرمند تھا جس کی بنا ولیم مورس نے ڈالی تھی۔ لیکن اس کی بہترین مساعی عالمی انارکزم کی نشر و اشاعت کے لئے وقف تھیں۔ جون ٹرنر کی امریکہ آمد سے مجھے موقع مل گیا کہ میں انگریزی میں تقریر کرنے کی صلاحیت کو آزماؤں۔ اس لئے کہ اکثر مجھے اس کے جلسوں کی صدارت کرنا ہوتی تھی۔

فری سلور (Free Silver) کی مہم اپنے شباب پر تھی۔ یہ تجویز کہ چاندی کے سکے بنائے جائیں اور ان کا سونے کے سکے سے تناسب ایک اور سولہ کا ہو۔ یہ مسئلہ تقریباً راتوں رات ملک گیر اہمیت اختیار کر گیا۔ اسے ولیم میننگ براین کی نام زدگی سے تقویت ملی جب اس نے ڈیموکریٹک پارٹی کے کنونشن کو یہ کہہ کر روند ڈالا اور اس کی تقریر قول بن گئی ''آپ محنت کش کے سر پر کانٹوں کا تاج نہیں منڈھ سکتے: آپ سونے کی صلیب پر نوع انسان کو سولی نہیں دے سکتے''۔ براین صدارتی انتخاب کا امیدوار تھا۔ نقری زبان کے مقرر نے راہگیروں کے تخیل کو جھنجھوڑ ڈالا۔ امریکہ کے آزاد خیال عناصر جو ہر نئی سیاسی تجویز کے پھندے میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

بہ آسانی آجاتے ہیں، فری سلور کی تجویز کی حمایت میں جھاڑ کر براین سے جا ملے۔ یہاں تک کہ چندانارکسٹ بھی اس کے نعرے کے جھانسے میں آگئے۔ ایک دن کیا ہوا کہ شکاگو کا ایک معروف کامریڈ جارج شلنگ نیویارک آیا تا کہ مشرقی خطے کے ریڈیکل عناصر کی حمایت حاصل کرے۔ جارج بنجامن ٹکر کا ایک پرجوش پیرو تھا۔ جوانارکزم کے انفرادی مکتبے کا رہنما تھا اور اس کے رسالے لبرٹی کے لئے لکھتا رہتا تھا۔ لیکن ٹکر کے برعکس وہ مزدور پیشہ لوگوں کی تحریک سے قربت رکھتا اور اپنے استاد سے بڑھ کر انقلابی تھا۔ امریکہ میں کوئی مقبول بیداری جنم لے لے اسی آرزو نے جارج کے دل میں اس خیال کو جنم دیا کہ فری سلور کی تحریک ایک بڑی قوت بن جائے گی جس سے آگے چل کر ریاست اور اجارہ داری کھوکھلی ہو جائیں گی۔ اخبارات میں براین پر ہونے والے خوانخوار حملوں نے جارج اور دیگر لوگوں کو یہ سوچنے پر مائل کر دیا کہ وہ شہادت کے مرتبے پر فائز ہو چکا ہے۔ اخبارات براین کا ذکر یوں کرتے ''البجیلڈ کے خون آلود ہاتھوں کا اوزار، انارکسٹ، اور ایوجین ڈیبس، ایک انقلابی۔''

براین کے لئے پیدا ہونے والے جوش وخروش میں، میں حصے دار نہیں بن سکتی تھی۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ میں کسی بھی سیاسی مشین کو اساسی تبدیلیاں لانے کی اہل نہیں سمجھتی اور دوسرا سبب یہ تھا کہ براین کا نظریہ نیم پختہ اور سطحی تھا۔ میں یہ محسوس کرتی تھی کہ اس کا اصل مقصد وہائٹ ہاؤس میں داخل ہونا تھا نہ کہ عوام کی بیڑیاں کاٹنا مقصود تھا۔ میں نے اس لئے طے کر لیا کہ میں اس سے پرے پرے رہوں گی۔ میں نے اس کی ذات میں اخلاص کی کمی محسوس کر لی اور میں اس پر اعتبار بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اپنے اس رویے پر ایک ہی دن میں دو جانب سے حملہ ہوا۔ پہلے تو شلنگ تھا جس نے فری سلور مہم میں مجھے شامل ہونے کی دعوت دی۔ ''تم مشرقی خطے کے لوگوں کا کیا ارادہ ہے'' جب میں اس سے ملی تو اس نے پوچھا ''جب مغربی خطہ تمہاری جانب مشرق کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے'' کیا تم محض باتیں ہی بناتی رہو گی یا ہماری قوتوں کے ساتھ صف آرا ہونا پسند کرو گی؟'' اس نے مجھے سمجھایا کہ میرا نام مغربی خطے میں پہنچ چکا ہے اور اس مقبول تحریک کے لئے میں ایک قیمتی اثاثہ بن سکتی ہوں جس سے عوام الناس کو لیٹروں سے نجات مل سکتی ہے۔ وہ اپنی دھن میں مگن اور رجایت کا مارا تھا مگر وہ مجھے قائل نہ کر سکا۔ ہم دوستوں کی طرح رخصت ہوئے۔ جارج میری ناسمجھی پر سر ہلائے جاتا جو میں ممکنہ انقلاب کے متعلق رکھتی تھی۔

شام کے وقت کچھ لوگ ملنے آگئے۔ ہومسٹیڈ کا سابق برگس ایک شخص جس کا نام جان میکلوکی تھا۔ فولاد کی ہڑتال کے زمانے میں اس کا پرعزم ارادہ مجھے اب بھی یاد تھا۔ جب اس نے ہڑتال کے دوران میں ان کارکنوں کی مخالفت میں جو ہڑتالیوں کی جگہ کام کرنے والے ہوں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اور کارکنوں کے ساتھ اس کی گہری وابستگی کو میں بہ نظر تحسین دیکھتی تھی۔ میں اس کیم شمیم اور ہنس مکھ آدمی سے مل کر بہت خوش ہوئی جو قدیم جیفرسن روایت کا ڈیموکریٹ تھا۔ اس نے بتایا کہ والیٹر اینن نے اس سے کہا تھا کہ میں ساشا کے سلسلے میں مجھ سے رابطہ کرے۔ وہ صرف یہ بتانے کے لئے اس سے ملنے گیا تھا کہ برکمین اب ویسٹرن اصلاحی جیل میں نہیں ہے۔ ہومسٹیڈ میں وہ اور اس کے علاوہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ برکمین کی نیت فرک کو قتل کرنے کی نہ تھی۔ اس نے اس کا ارتکاب اس لئے کیا تھا تا کہ آخر الذکر کے حق میں ہمدردی پیدا کی جائے۔ اسے معمول سے بڑھ کر اس لئے سزا سنائی گئی تھی جو ایک چال بازی تھی جو پینسلوانیا کی عدالتوں نے عوام کو چکمہ دینے کے لئے کی تھی۔ ہومسٹیڈ کے کارکنان کو عرصے سے یقین تھا کہ الگزینڈر برکمین کو بہت عرصہ پہلے قید سے رہا کیا جا چکا ہے۔ والٹیر اینن نے اسے ایسا مواد دیا تھا جو اس مضحکہ خیز کہانی کے ثبوت میں تھا اور میرے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ میں مزید ثبوت فراہم کر دوں۔

میں نے اس شخص کی بات توجہ سے سنی، یہ بات میرے دل میں نہ اترتی کہ کوئی شخص اپنے ہوش وحواس میں کس طرح ساشا کے متعلق ان باتوں کو مان سکتا ہے۔ اس نے اپنی جوانی لٹا دی، وہ پہلے ہی اصلاحی جیل میں اسیری کے پانچ سال گزار چکا ہے۔ اسے تہ خانے کی کوٹھری میں رکھا گیا، قید تنہائی دی گئی اور سخت جسمانی تشدد کیا گیا۔ جیل حکام کی اذیت رسانی سے تنگ آ کر اس نے خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ اور وہی لوگ اس پر شک کر رہے ہیں جن کے لئے وہ اپنی جان بھی دینے پر کمربستہ ہے۔ ایسا لگا جیسے الٹی گنگا بہنے لگی ہو ظلم کی حد ہے۔ میں اٹھکر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ساشا کے خط اٹھا لائی اور میکلوکی کے حوالے کر دیا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

''پڑھو'' میں نے کہا'' پھر مجھے بتاؤ آیا تم پھر بھی ان فضول کہانیوں پر اعتبار کرو گے جو تم نے مجھے سنائی ہیں۔

اس نے ڈھیری میں سے ایک خط اٹھایا، احتیاط سے پڑھا اور پھر باقی کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا، اچانک اس نے اپنا ہاتھ میری جانب بڑھایا'' میری عزیز بہادر لڑکی۔'' وہ بولا'' مجھے افسوس ہے، میں بے حد شرمندہ ہوں کہ میں نے تمہارے دوست پر شک کیا۔'' پھر اس نے مجھے یقین دلایا کہ اسے اب احساس ہوا ہے کہ وہ اور اس کے واقفان کتنی غلطی پر تھے۔'' تم میری اعانت پر اب بھروسہ کر سکتی ہو۔'' اس نے مزید کہا اور گہرے احساس سے کہا'' ہر اس کوشش میں جو تم برکمین کو قید سے چھڑانے کے لئے کرو'' اس کے بعد اس نے برائین کا ذکر چھڑ دیا اور ساشا کی مدد کرنے کے لئے اس نادر موقع کی وضاحت کرنے لگا اگر میں فری سلور مہم میں شامل ہو جاؤں۔ میری سرگرمیاں ڈیموکریٹک پارٹی کے ممتاز سیاست دانوں سے قربت پیدا کر دیں گی جن سے بعد میں رسائی حاصل کر کے معافی حاصل کی جا سکتی ہے۔ میں یہ ذمہ داری اپنے سر لیتا ہوں کہ رہنماؤں سے ملوں اور اسے کامیابی کی بھی امید ہے اگر وہ انہیں میری خدمات حاصل ہو جانے کی یقین دہانی کرا سکے۔ اس نے اشارتاً کہا کہ کاروباری معاملات کی میں فکر نہ کروں وہ میرے ہمراہ سفر کرے گا اور تمام معاملات کا انتظام کرے گا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ معاوضے میں مجھے خطیر تنخواہ ملے گی۔

میکلوکی بے تکلف اور شائستہ تھا اگرچہ بظاہر بچوں کی سی سادگی کے باعث میرے نظریات سے ناواقف۔ شائید اس کی تجویز کے مطابق ساشا اس مدد کی وجہ سے میرا مزید ہمدرد بن جائے گا۔ اس کے باوجود مجھے برائین سے کوئی واسطہ نہ پڑے گا۔ وہ اپنی دانست میں کارکنوں کو اس لئے استعمال کر رہا تھا تا کہ ان کے کندھوں پر سوار ہو کر اقتدار کے مینار تک پہنچ جائے۔

میرا ملاقاتی برا نہ مانا۔ وہ افسوس کرتا ہوا گیا کہ مجھ میں دنیاداری کتنی کم ہے لیکن اس نے صمیم قلب سے وعدہ کیا کہ برکمین کے متعلق وہ ہومسٹیڈ کے لوگوں کو حقائق سے باخبر کرے گا۔

اڈا اور دیگر قریبی دوستوں سے مل کر میں نے ساشا سے متعلق ممکنہ منبع کے متعلق تبادلہ خیال کیا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ موسٹ کی کارستانی ہے۔ مجھے خوب یاد تھا کہ اخبارات نے موسٹ کے اس بیان کو خوب اچھالا تھا کہ ساشا نے'' فرک کو ذرا سا زک پہنچانے کے لئے کھلونا پستول استعمال کیا تھا۔'' سو ہان روح موسٹ میری زندگی اتنی آنند تھی کہ تقریباً میں تمہیں فراموش کر چکی تھی۔ اس کی ساشا سے دغابازی نے جو تلخی پیدا کی تھی اس نے مذکورہ شخص کے لئے احساس مایوسی کی راہ ہموار کر دی جو ایک وقت میرے لئے کیا نہ تھا۔ اس نے جو گھاؤ لگایا تھا قدرے مندمل ہو چکا تھا تاہم زخم ابھی نہ بھرا تھا۔ میکلوکی کی ملاقات نے زخم ہرا کر دیا۔

شلنگ اور میکلوکی سے ملاقاتوں نے مجھ پر تنگ و تاز کے نئے ایوان کھول دیے۔ میں نے تحریک کے لئے اب تک جو کچھ کیا تھا فائدے کے نقطہ نظر سے پہلا قدم تھا۔ میں ایک دورے پر نکلوں گی، ملک اور لوگوں کا مطالعہ کروں گی، امریکی زندگی سے قریب ہو کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھوں گی۔ میں عوام الناس کے سامنے نئے سماجی نصب العین کا پیغام دوہراؤں گی۔ میں بلا تاخیر اس کا آغاز کرنے کی متمنی تھی۔ مگر میں یہ بھی چاہتی تھی کہ پہلے میں انگریزی میں اپنی استعداد بڑھالوں اور کچھ رقم کما لوں، میں کامریڈوں پر انحصار کرنا نہیں چاہتی تھی نہ ہی لیکچروں کا معاوضہ لینا چاہتی تھی۔ اس اثنا میں، میں نیویارک میں اپنا کام جاری رکھ سکتی تھی۔

مستقبل میرے لئے جوش و خروش سے لبریز تھا لیکن جس تناسب سے میرا جوش و ولولہ بڑھتا، میرے مقاصد میں اسی رفتار سے اڈا کی دلچسپی گھٹتی جاتی۔ میں کافی عرصے سے دیکھ رہی تھی کہ وہ ہر اس لمحے سے حسد کرتا جو مجھے اس سے دور رکھنے کا باعث ہوتا۔ میں اس سے اپنے اس اختلاف سے بھی آگاہ تھی جس کا تعلق عورت ذات کی حیثیت سے تھا۔ اسے چھوڑ کر اڈا کے ساتھ میری اچھی بسر ہو رہی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح مددگار اور ہر معاملے میں میرا ہاتھ بٹاتا چلا آ رہا تھا۔ لیکن اب وہ غیر مطمئن تھا میں جو بھی کروں وہ ہر بات پر اعتراض کرتا۔ دن گزرتے رہے اور وہ چڑچڑا ہوتا چلا گیا۔ اکثر جب میں رات گئے میٹنگ سے لوٹتی تو اس کا چہرہ ستا ہوا ہوتا، برف کی طرح سرد اور بے چینی میں ٹانگیں ہلائے جاتا۔ میں اس کے قریب آنا چاہتی تا کہ اپنے خیالات

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میں شریک کروں اور اس سے مل کر منصوبے تیار کروں۔ مگر اس کی پر ملامت نظریں مجھے سن کر دیتیں۔ اپنے کمرے میں لیٹ کر میں اس کے آنے کی آس لگائے رہتی مگر وہ دور ہی رہتا اور پھر میں یہ محسوس کرتی جیسے وہ تھکا ہارا بستر میں گھس آیا ہو۔ اس سے مجھے بہت گرانی ہوتی کیونکہ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اپنی تحریک اور ساشا کو چھوڑ کر اڈؔ کی الفت نے مجھے کہیں کا نہ رکھا تھا۔

میں اب بھی اپنے مصور عاشق کے لئے لطیف جذبات رکھتی تھی۔ زیادہ تر اس لئے کہ میرے خیال میں اسے میری ضرورت تھی۔ یورپ سے واپسی پر میں نے اسے بہت بدلا ہوا پایا تھا۔ وہ اپنے پیشے میں بڑا مقام رکھتا تھا اور کافی رقم کما رہا تھا۔ وہ مجھ پر آج بھی اتنا ہی فیاض تھا جتنا زمانہ مفلسی میں تھا۔ میرے ویانا کے زمانہ قیام میں وہ میری کفالت کرتا رہا اور بعد میں اپارٹمنٹ کی آرائش میں مددگار بنا۔ میری طرف اس کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ مگر یہ سمجھنے میں مجھے زیادہ وقت نہ لگا کہ تحریک اس کے دل سے اتر چکی تھی اور فیدؔیا کے لئے اس کا مفہوم بدل چکا تھا۔ وہ کسی اور حلقے میں رہتا اور اس کی دلچسپیاں بھی مختلف تھیں۔ اشیائے فن کی نیلامی سر پر سوار رہتی اور فارغ اوقات میں بھی وہ خرید و فروخت کے مراکز میں گزارتا۔ وہ حسن کا اتنا ترسا ہوا تھا کہ اب جو وسائل میسر آ گئے تھے تو چاہتا تھا خود کو اسی سے لاد پھاند لے۔ اسٹوڈیو اس کا بڑا جنون بن گئے۔ ہر چند مہینے کے بعد وہ کسی اسٹوڈیو کو نہایت نفیس اشیا سے آراستہ کرتا تا کہ جلد ہی انہیں فرسودہ بنا کر نئے لے آئے۔ انہیں نئی آویزوں سے مرصع کرتا، نئے گلدان رکھتا، نئے کینوس لگاتا، قالینیں بچھائی جاتیں اور نہ جانے کیا کیا۔ ہمارے فلیٹ میں تمام خوبصورت اشیاء اس کے ہاں کی اتارن تھیں۔ میں اس خیال کو دل میں جگہ نہ دے سکتی تھی کہ فیدؔیا اپنی ماضی کی دلچسپیوں سے اتنا دور جا چکا ہے کہ وہ اب تحریک کو کوئی مالی امداد نہ دے گا۔ مگر چونکہ اس میں مادی اشیاء کی قدر و قیمت کا مناسب احساس نہ تھا اس لئے مجھے اس کے شاہ خرچ ہونے پر کوئی تعجب نہ ہوا۔ البتہ میں اس کے نئے دوستوں کے انتخاب پر متردد تھی۔ تقریباً سب ہی مرد تھے اور اخبارات میں کام کرتے تھے۔ اوباش اور ٹوہ میں رہنے والوں کا جمگھٹ۔ جن کی زندگی کا واحد مقصد عورتیں اور شراب تھا۔ کسی نہ کسی طرح انہوں نے فیدؔیا کو اسی جہنم میں پہنچا دیا اور اسی ڈھرے پر لگا دیا۔ میں اپنے مثالیت پسند دوست کا ان لوگوں سے جا ملنے پر، بہت رنجیدہ تھی جن کے دل و دماغ خالی تھے۔ ساشا ہمیشہ یہ محسوس کرتا تھا کہ سماجی جدوجہد فیدؔیا کی زندگی میں ایک عارضی دور ثابت ہوگی لیکن میری توقعات کچھ اور تھیں کہ جب اسے دیگر دلچسپیاں اپنی راہ لگائیں گی تو وہ فنون سے متعلق ہوں گی۔ لیکن وہ بے معنی اور ادنیٰ مسرتوں کی طرف سرک گیا جبکہ یہ سرگرمیاں اس کے شایان شان نہ تھیں۔ اور اندوہناک بھی تھیں۔ خوش قسمتی سے وہ خود کو اب بھی ہم سے منسوب رکھتا تھا۔ اس کے دل میں اڈؔ کے لئے بے حد احترام اور میرے لئے الفت موجود تھی جو اتنی تو نہ تھی جتنی ماضی میں تھی مگر اتنی گرم جوشی اب بھی تھی کہ جزوی طور پر خلا ملا بھی ہوتا جو اس کے ماحول میں تبدیلی کے لئے ہوتا۔

وہ اکثر ہمارے گھر پر آتا۔ ایک موقعہ پر اس نے مجھ سے تصویر بنانے کے لئے بیٹھنے کو کہا۔ اس مرتبہ یہ تصویر قلم روشنائی سے بنتی جس کا اس نے اڈؔ سے وعدہ کیا تھا۔ نشست کے عرصے میں میرا خیال اپنے مشترک ماضی کی طرف چلا گیا۔ ہماری الفت جو ریشم کی طرح اتنی لچکدار تھی جو اڈؔ کی طوفانی شخصیت کے طلسم کو بھی جھیل گئی۔ غالباً اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ فیدؔیا کی محبت میری متلاطم شخصیت کے مقابلے میں بے حد لچکدار تھی۔ ورنہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہمارے ارادے ٹکراتے، مزاحمت ہوتی تب کہیں رکاوٹیں دور ہوتیں۔ فیدؔیا میں میرے لئے اب بھی دلکشی موجود تھی مگر یہ اڈؔ کی گہری محبت کی آنچ تھی جس میں میں پگھلی جا رہی تھی۔ اڈؔ میری رگوں میں لاوا دوڑا دیتا۔ اڈؔ کا لمس مجھے مخمور بنا دیتا اور میں اوج ثریا پر پہنچ جاتی۔ اس کا اپنے معمول کے خلاف ناگاہ بدلنا جس میں لاتعلقی اور انتہائی ناقدانہ رویئے کی ضرب ایسی چیز تھی جسے میرے لیے برداشت کرنا مشکل تھا لیکن میرا احساس خودداری مجھے اس کی اجازت نہ دیتا کہ پہلا قدم اٹھا کر کہوں ''کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو۔'' فیدؔیا نے مجھے بتایا کہ اڈؔ نے اس کے بنائے ہوئے خاکے کو بہت پسند کیا تھا اور اسے فن کا ایک شاہکار کہا جس میں میری پوری شخصیت جھلکتی تھی۔ تاہم میری موجودگی میں اڈؔ نے اس کے متعلق ایک لفظ نہ کہا۔

مگر ایک شام میں اڈؔ کی خاموشی ختم ہوگئی۔ تم مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہو! وہ بڑے زور سے چیخا۔ آیا میں یہ سمجھ لوں کہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تمہارے ساتھ ایک خوبصورت زندگی کے خیال سے دستکش ہو جاؤں۔تم نے ویانا میں ایک سال ضائع کر دیا۔تم نے پیشہ محض اس لئے اختیار کیا ہے کہ تا کہ ان احمقانہ بیٹھکوں کے لئے موقع ملتا رہے۔تمہیں کسی اور چیز سے کوئی سروکار نہیں ہے۔تمہارے پیار میں میرے خیال اور ضرورتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔تحریک میں تمہاری دلچسپی جس کے لئے تم اپنی زندگی برباد کرنے پر تلی ہو، کچھ بھی نہیں ہے سوائے جھوٹی شان کے،اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ تم داد و تحسین اور جلوہ گری کے لئے بے آب کی مچھلی بنی ہوئی ہو۔بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ تم عمیق احساسات سے عاری ہو۔تم نے نہ تو اسے کبھی سمجھا اور نہ ہی اس محبت کا اعتراف کیا جو میں نے تمہیں دی۔میں عرصہ سے تم میں تبدیلی کی آس لگائے ہوں مگر یہ سب فضول ثابت ہوا۔میں کسی شے یا ذات کو تم میں حصے دار نہ بننے دوں گا۔تمہیں انتخاب کرنا پڑے گا!وہ کمرے میں اس طرح ٹہل رہا تھا جیسے پنجرے میں شیر۔وقتاً فوقتاً میری جانب مڑ کر آنکھیں نکالتا۔اس کے اندر ہفتوں سے جو مادہ پک رہا تھا وہ الزامات اور ملامت کی صورت میں بہہ نکلا۔

میں افسردہ بیٹھی تھی اور اسی مطالبے یعنی 'انتخاب کرو' کی میرے کانوں میں بھنبھناہٹ جاری تھی۔اڈ، جو میرے لئے ایک مثالی شخصیت تھا اوروں کی طرح نکلا۔وہ اس کا متقاضی تھا کہ میں اپنی دلچسپیوں اور تحریک سے حلفاً کنارہ کشی کر لوں اور اس کی محبت کے لئے ہر چیز قربان کر دوں۔موسٹ نے بھی بارہا مجھے یہی الٹی میٹم دیا تھا۔میں اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی میں بولنے سے قاصر تھی۔وہ کمرے کے اندر بڑے غصے میں اکڑا اکڑ کر چلتا رہا۔بالآخر اس نے اپنا کوٹ اور ہیٹ اٹھایا اور رخصت ہو گیا۔

میں گھنٹوں یوں بیٹھی رہی جیسے مفلوج ہو چکی ہوں یہاں تک کہ گھنٹی کی زوردار آواز سے میں اچھل کر کھڑی ہو گئی۔یہ قید و بند کا معاملہ ہے۔میں نے اپنا وہ بستہ اٹھایا جسے میں ہفتوں سے تیار کر کے رکھے تھی اور اس شخص کے ساتھ چل دی جو مجھ سے ملنے آیا تھا۔

ہیوسٹن اسٹریٹ پر واقع دو کمرے کے فلیٹ میں جو کئی منزلہ عمارت کی چھٹی منزل پر تھا۔میں نے تین بچوں کو سوتے اور ایک عورت کو دردزہ میں تڑپتا پایا۔گیس کی روشنی کی جگہ مٹی کے تیل والا چولہا تھا جس پر میں نے پانی گرم کیا۔آدمی میری طرف خالی نظروں سے دیکھنے لگا جب میں نے اسے کپڑے کی چادر لانے کو کہا۔جمعہ کا دن تھا۔اس کی بیوی نے دو شنبے کے دن کپڑے دھوئے تھے اس لئے بستر کی چادریں میلی ہو چکی تھیں۔اس نے بتایا۔مگر میں کھانے کی میز کی چادر استعمال کر سکتی ہوں۔یہ سبت کے تہوار کی وجہ سے اسی شام میں بچھائی گئی تھی۔''نومولود کے لئے پوتڑے یا دیگر چیزیں تیار ہیں؟''میں نے پوچھا۔مرد کو کچھ خبر نہ تھی۔عورت نے ایک گٹھری کی طرف اشارہ کیا جس میں چند پھٹی ہوئی قمیض بندھی ہوئی تھیں اور ایک پٹی اور چند چیتھڑے۔ناقابل یقین غربت ہر طرف ٹپک رہی تھی۔

کھانے کی میز کی چادر اور اپنے فالتو کوٹ کے ساتھ جو میرے بقچے میں تھا میں نے نو وارد کے استقبال کی تیاریاں کر لیں۔یہ میرا پہلا نجی کام تھا۔اڈ کے پھٹ پڑنے نے میری گھبراہٹ میں اضافہ کر دیا۔مگر میں اپنے اعصاب کو فولادی بنا کر اور جان پر کھیل کر کام میں جت گئی۔علی الصبح میں نئی زندگی کو دنیا میں لانے میں مددگار بنی۔میری زندگی کا ایک حصہ گزشتہ شام میں موت کی نذر ہو چکا تھا۔

اڈ کی غیر موجودگی کا غم کام کی زیادتی میں دبا رہا۔کئی مریضوں کی دیکھ بھال اور ڈاکٹر وہایٹ کی جراحی میں بطور نرس میری اعانت کے بعد میرے لئے بہت کم وقت بچتا جس میں' میں کڑھتی۔شامیں شوآرک، پیٹرسن اور دیگر مضافاتی علاقوں میں ہونے والی بیٹھکوں کی نذر ہو جاتیں۔مگر راتوں میں فلیٹ کی تنہائی میں اڈ کے ساتھ گزرے واقعات کی پرچھایاں اذیت دیتیں۔مجھے معلوم تھا اس کے دل میں میرے لئے بہت جگہ تھی۔لیکن جس طرح اس نے مجھے چھوڑا اور اتنے عرصے سے دور ہے اور اپنا اتہ پتہ بھی نہ بتایا اس سے مجھے غصہ آ رہا تھا۔میرے لئے ایسی محبت پر مصالحت کرنا ناممکن تھا جو معشوق کی ذات کی نفی کر دے۔ایسی بھی محبت کیا جو صرف محبوب کے گھاٹے پر پروان چڑھے۔میں یہ محسوس کرتی تھی کہ میں اس قسم کے خون چوسنے والے جذبات کے سامنے پسپا ہونے والی نہیں ہوں۔اس کی جدائی میں میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔دو ہفتے کے بعد میرا سارا عزم میری آرزو کے سامنے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی جائے ملازمت کے پتے پر لکھا اور التجا کی کہ لوٹ آئے۔

وہ بلا تاخیر لوٹ آیا، قہقہوں اور آنسوؤں میں مجھے کلیجے لگا لیا۔ رو کر یہ کہنے لگا ''تم مجھ سے زیادہ مضبوط ہو، اس گھر کا دروازہ بند کرنے کے بعد میں ہر پل تمہاری مالا جپتا تھا۔ یہاں آنے کو میں روزانہ ٹھان لیتا مگر میں بہت بزدل ہوں۔ راتوں میں پرچھائیں کی طرح اس گھر کا طواف کرتا رہتا۔ میں چاہتا تھا کہ داخل ہو جاؤں اور تم سے معافی چاہ لوں اور واقعے کو فراموش کر دینے کو کہوں۔ یہ تک ہوا کہ میں اسٹیشن چلا گیا جب مجھے معلوم ہوا کہ تم نیو آرک اور پیٹرسن جانے والی ہو۔ مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ رات گئے تم اکیلی گھر لوٹو۔ مگر میں تمہارے طنز و تشنیع سے ڈرتا تھا۔ اس کا بھی دھڑکا تھا کہ کہیں تم لوٹا نہ دو۔ سچی بات یہ ہے کہ تم مجھ سے زیادہ جری اور طاقتور ہو۔ تم قدرت کا شاہکار ہو سب عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ مرد حماقت اور تہذیب کا پتلا ہے! عورت نے اپنی ازلی خواہشات کو نہیں گنوایا اور اس لئے وہ زیادہ کھری ہے۔''

ہم اپنی معمول کی زندگی بسر کرنے لگے لیکن میں عوامی دلچسپیوں کو کم وقت دیتی۔ اس کو جزوی وجہ یہ تھی کہ میری پیشہ ورانہ خدمات کے لئے زیادہ بلاوے آنے لگے لیکن اس سے بڑھ کر میں نے ٹھان لیا کہ میں آڈ سے زیادہ وابستہ رہوں گی۔ ہفتوں پر ہفتے گزر رہے تھے تاہم ایک مہین آواز میرے اندر سرگوشی کئے جاتی کہ حتمی ناچاقی صرف عارضی طور پر ٹلی ہے۔ میں جان پر کھیل کہ آڈ اور اس کی محبت پر فدا تھی کہ کسی طرح ممکنہ اختتام ٹل جائے۔

میرا دایہ گیری کا پیشہ زیادہ زرخیز نہ تھا۔ تارکین وطن کا غریب ترین طبقہ ان خدمات کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ جو لوگ امریکہ کے مادی پیمانے پر پروان چڑھے تھے وہ اپنے دیرینہ وطن کے شرمیلے پن کو خیرباد کہہ چکے تھے جس کے ساتھ ان کی کئی طرح امتیاز صفات بھی رخصت ہو گئیں۔ امریکی عورتوں کی طرح وہ بھی صرف ڈاکٹروں پر تکیہ کرنے لگی ہیں۔ دایہ گیری کی اہمیت محدود ہو چکی تھی۔ ہنگامی صورت میں ہر کس و ناکس مدد کے لئے ڈاکٹر طلب کرنے لگا۔ زیادہ سے زیادہ دس ڈالر فیس ہوتی۔ عورتوں کی اکثریت یہ بھی نہ دے سکتی۔ جبکہ میرے پیشے میں دنیاوی مال و دولت ملنے کی کوئی امید نہ تھی لیکن یہ تجربہ حاصل کرنے کے لئے لاجواب میدان تھا۔ اس کے ذریعے میں ان لوگوں سے گہرے تعلقات پیدا کرنے کے قابل بن گئی جنہیں میرا نصب العین مدد فراہم کر کے آزاد کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ذریعے میں کارکنوں کے انداز بود و باش کا بلا واسطہ مشاہدہ کر سکی جس کے متعلق میں ابھی تک اپنی تقاریر اور تحریروں میں کھوکھلے نظریات سے کام لیتی تھی۔ ان کا خستہ حال ماحول، ان کی بے کیف اور جنبش سے عاری اطاعت پسندی سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ اس تبدیلی کے لئے ہمارے سامنے کتنا کام پڑا ہوا ہے جن کے حصول کے لئے ہماری تحریک جوجھ رہی ہے۔

لیکن میں اس بات سے بہت متاثر ہوئی تھی جو غریبوں کی عورتیں استقرار حمل کے تواتر کے خلاف اندھی اور خوانخوار جدوجہد کر رہی تھیں۔ ان میں سے زیادہ تر پر استقرار حمل کی دہشت طاری رہتی۔ شادی شدہ عورتوں کی اکثریت بے چوں و چرا خود کو حوالے کر دیتیں اور جب انہیں معلوم ہوتا کہ وہ حاملہ ہو چکی ہیں تو ان کی گھبراہٹ اور پریشانی ان میں یہ عزم جنم دیتی کہ کسی طرح متوقع نوزائیدہ سے گلوخلاصی حاصل کی جائے۔ بات ناقابل یقین ہے کہ یہ افسردگی کتنی اقسام کے طریقے ایجاد کرتی تھی۔ میزوں پر سے کودنا، فرش پر لوٹنا، پیٹ کی مالش، قے اور جوشاندوں کا پینا اور کند اوزاروں کا استعمال۔ یہ اور ان سے ملتے جلتے طریقے استعمال کئے جاتے جو بڑے بڑے زخموں کا باعث بنتے۔ یہ ہولناک تھا مگر قابل فہم بھی تھا۔ لاتعداد بچوں کا جھول رکھنا جو اکثر اتنے ہوتے جن کی باپ کی ہفتہ وار اجرت میں کفالت ممکن نہ ہوتی۔ اور ہر مزید بچہ ایک عذاب ہوتا یعنی ''عذاب الٰہی''۔ یہ جملہ کٹر یہودی اور آئرلینڈ کی کیتھولک خواتین سے مجھے بہ کثرت سننے کو ملتا۔ مرد عموماً لاتعلق بنے رہتے لیکن عورتیں قدرت کے اس عذاب کے نزول کو کوستی رہتیں۔ چند خواتین تو اپنے درزہ کے دوران مردوں اور خدا تک پر لعنت ملامت کرتیں، خاص طور پر اپنے شوہروں پر۔ ''اسے نظروں سے دور کرو'' میری مریضوں میں سے ایک چلائی۔ یہ وحشی میرے قریب نہ آئے۔ نہیں تو میں اسے مار ڈالوں گی!'' نصیبوں جلی عورت کے پہلے ہی آٹھ بچے تھے جن میں سے چار شیر خواری ہی میں مر گئے۔ باقی مریض اور غذائی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کمی کا شکار تھے۔ زیادہ تر مصیبت زدہ، مناسب دیکھ بھال سے محروم اور بن بلائے مہمانوں جیسے بچے میرے قدموں میں اس وقت رینگ رہے تھے جس وقت میں ایک اور بے کس کو دنیا میں آنے کی راہ ہموار کر رہی تھی۔

میں ان جیسے حالات سے مضمحل اور رنجیدہ لوٹتی۔ مردوں سے متنفر جو اپنی بیوی اور بچوں کی اس خوفناک حالت کے ذمہ دار تھے اور خود سے بھی اس لئے بے زار کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان کی کیسے مدد کی جائے۔ ہاں میں اسقاط کرانے پر اکسا سکتی تھی۔ اس غرض سے مجھے کئی عورتیں بلاتیں۔ وہ میرے پاؤں تک پڑ جاتیں اور مدد کرنے کے لئے التجائیں کرتیں ''ان غریب ننھوں کے لئے جو پہلے ہی سے موجود ہیں۔'' انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ کچھ ڈاکٹر اور دائیاں یہ ضرور کرتی ہیں لیکن اجرت ان کے وسائل سے زیادہ ہے۔ میں بہت ہمدرد تھی: کیا مجھے ان کے لئے کچھ کرنا چاہئے؟ وہ ہفتہ وار قسطوں میں ادائی کا وعدہ کرتیں۔ میں انہیں سمجھانے لگتی کہ یہ محض پیسے کا معاملہ نہیں ہے جو مانع ہے۔ اس میں ان کی زندگی اور صحت کی اہمیت ہے۔ میں انہیں ایک عورت کا واقعہ بتاتی جو اس ہی قسم کی جراحی میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی اور ان کے بچے بے ماں کے ہو گئے۔ مگر وہ مرنے کو ترجیح دیتیں۔ انہیں اطمینان تھا کہ شہری انتظامیہ ان بے سہارا بچوں کی پرورش کرے گی اور وہ مقابلتاً خوش حال ہوں گے۔

میں اس حریصانہ جراحی کرنے کے لئے خود کو مائل نہ پاتی۔ مجھے اپنی صلاحیت پر اعتماد نہ تھا اور مجھے اپناویانا کا پروفیسر یاد آتا جس نے باتصویر طریقے سے اسقاط حمل کے خطرناک نتائج سمجھائے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر یہ کارروائی کامیاب بھی ہو جائے تب بھی مریض کی صحت کھوکھلی ہو جاتی ہے۔ میں اس کام میں ہاتھ نہ ڈالوں گی۔ اس میں زندگی کی حلّت کی اخلاقیات ملحوظ خاطر نہ رہتیں۔ بلکہ ایسی زندگی جو غیر مطلوب ہو اور ذلیل غربت میں آنے والی ہو مجھے کسی حالت میں تقدیس والی نہ لگتی۔ مگر میری دلچسپیاں پورے سماجی مسئلے پر محیط تھیں نہ کہ اس کے کسی ایک گوشے پر۔ اور میں انسانی جدوجہد کی ایک جہت کے لئے اپنی آزادی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ میں نے اسقاط میں مدد کرنے سے انکار کر دیا جبکہ مجھے استقرار حمل کو روکنے کا کوئی طریقہ بھی معلوم نہ تھا۔

میں نے چند ڈاکٹروں سے اس مسئلے پر گفتگو کی۔ ڈاکٹر وہایٹ جو ایک قدامت پسند شخص تھا اس نے کہا ''غریبوں کو اس بات کے لے خود کو موردالزام ٹھہرانا چاہئے وہ ہوسنا کی میں بہت مبتلا رہتے ہیں۔'' ڈاکٹر جولیس ہوفمین کا خیال تھا کہ غریبوں کی واحد خوشی بچے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر سولوٹیروف نے یہ نظریہ پیش کیا اور امید ظاہر کی مستقبل قریب میں بہت بڑی تبدیلی اس طرح آئے گی کہ عورتیں زیادہ ذہین اور مختار کل بن جائیں گی۔ ''جب وہ اپنی سمجھ زیادہ استعمال کرنے لگیں گی۔'' اس نے یہ بھی بتایا کہ ''ان کے پیداواری اعضاء اپنے وظائف کم کر دیں گے۔'' یہ دلائل دیگر ماہرین طب کے مقابلے میں کہیں زیادہ معقول لگتے تھے۔ نہ ہی ان سے کوئی عملی مدد ملتی تھی۔ اب تک مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ عورتیں اور بچے ہمارے بے رحم اقتصادی نظام کا سب سے بھاری حصہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ بھی میں سمجھ گئی کہ یہ کتنا بڑا مذاق ہے کہ ہم ان سے توقع رکھیں کہ وہ اس وقت کے منتظر رہیں جب سماجی انقلاب برپا ہو گا تاکہ ناانصافیاں دور ہو جائیں۔ اس برزخ سے نجات دلانے کے لئے میں چند فوری حل تلاش کرنا چاہتی تھی مگر کوئی مفید بات نظر نہ آئی۔

میری خانگی زندگی میں شیرینی کے سوا سب کچھ تھا اگرچہ بظاہر سب کچھ ہموار لگتا تھا۔ آڈ بظاہر پرسکون اور مطمئن لگتا لیکن میں الجھی ہوئی اور بے چین رہتی تھی۔ اگر میں کسی بیٹھک میں جاتی اور توقع سے زیادہ ٹھہرنا پڑتا تو اس سے میں بے لطف ہونے لگتی اور افراتفری میں گھر کی طرف بھاگتی۔ اکثر میں تقریر کی دعوت اس لئے قبول کرنے سے انکار کر دیتی کہ آڈ اسے ناپسند کرلے گا۔ جن دعوت ناموں کو میں انکار نہ کر سکتی اس پر میں ہفتوں لگی رہتی۔ میرے خیالات آڈ کے اردگرد منڈلاتے رہتے بجائے اصل مضمون کے۔ میں یہی سوچتی رہتی کہ یہ نکتہ یا وہ دلیل ممکن ہے اسے بھا جائے اور کیا وہ اس کی منظوری دے گا۔ اس کے باوجود میں اس کی ہمت نہ پاتی کہ اسے اپنے مضامین پر نظر ڈالنے کو کہوں۔ اور بفرض محال وہ میرے جلسے میں آ جاتا تو اس کی موجودگی سے مجھ میں تکلف پیدا ہونے لگتا اس لئے کہ مجھے پتہ تھا کہ اسے میرے کام میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ اس سے یہ بھی ہوا کہ مجھ میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ذاتی اعتماد کا فقدان پیدا ہونے لگا۔ مجھ پر عجیب وغریب نوعیت کے دورے پڑنے لگے۔ بغیر کسی علامت کے میں کٹے پیڑ کی طرح فرش پر گر جاتی جیسے مجھے کوئی سخت ضرب لگی ہو تاہم میں بے ہوش نہ ہوتی۔ اس قابل رہتی کہ گردوپیش میں ہونے والی سرگرمیوں کو دیکھ اور سن سکوں مگر منہ سے ایک حرف بھی نکالنے سے قاصر رہتی۔ میرے سینے میں طوفان بپا ہوتا مگر حلقوم خشک۔ میری ٹانگوں میں کربناک درد ہونے لگتا اور لگتا کوئی پٹھوں کو چیر کر الگ کر رہا ہو۔ مجھ پر یہ کیفیت دس منٹ سے لے کر ایک گھنٹے تک طاری رہتی جس کے ختم ہونے پر میں شدید ناتوانی محسوس کرتی۔ سولوٹیروف جب عارضے کی تشخیص کرنے میں ناکام ہوا تو مجھے خصوصی معالج کے پاس لے گیا وہ بھی واجبی سوجھ بوجھ کا نکلا۔ ڈاکٹر وہایٹ کے معائینے کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ چند ڈاکٹروں کے مطابق یہ ہسٹریا تھا۔ دوسروں کے نزدیک رحم اوندھی ہوگئی تھی۔ میرے نزدیک آخری بات درست تھی۔ مگر میں جراحی پر آمادہ نہ تھی۔ میرا خیال پختہ سے پختہ تر ہوتا جارہا تھا کہ میری زندگی میں خوش آہنگ محبت تادیر نہیں ہے۔ میرے حصے میں چین وسکون کے بجائے فساد کا زور رہے گا۔ ایسی زندگی میں بچے کی گنجائش نہیں ہے۔

ملک کے مختلف مقامات سے مجھے تقریر کرنے کے لئے دعوت نامے مل رہے تھے میں جانے کی بھی متمنی تھی۔ مگر اس موضوع پر اڈے سے بات چھیڑنے کی ہمت نہ پاتی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اس پر صاد نہ کرے گا۔ اور اس کا انکار ہمیں جھگڑے والی علیحدگی کے قریب پہنچادیگا۔ میرے طبیبوں نے مجھے مکمل آرام اور آب وہوا کی تبدیلی کا مشورہ دیا تھا۔ اڈنے یہ کہہ کر مجھے حیران کردیا کہ مجھے لازماً روانہ ہوجانا چاہئے۔ ''دیگر تمام ملحوظات کے مقابلے میں تمہاری صحت مقدم ہے'' وہ بولا'' لیکن سب سے پہلے اپنے ذہن سے یہ احمقانہ خیال نکال دو کہ بودوباش کے لئے تمہیں باروزگار ہونا ضروری ہے۔'' وہ اتنا کمارہا تھا جو ہم دونوں کے لئے کافی تھا۔ اس بات سے اسے خوشی ہوگی اگر میں دایہ گیری ترک کردوں جس سے میں بیمار ہوجاتی ہوں جس کا سبب یہ ہے کہ میں ان بدنصیب چھوکروں کو دنیا میں لانے میں جان کھپاتی ہوں وہ اس موقع کے ملنے کو خوش آمدید کہتا ہے کہ میں اپنی بھی فکر کرلوں جس سے مجھے فراغت اور صحتیابی کا موقع مل جائے گا۔ اس کے بعد اس کے بقول میری حالت بہتر ہوجائے گی اور میں دورہ کرنے کے قابل ہوں گی۔ اسے یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ یہ میری کتنی خواہش تھی اور اسے بھی معلوم تھا کہ ایک مکمل بیوی بننے کے لئے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ وہ گھر کی فضا سے بہت خوش ہوتا جسے میں نے اتنا خوبصورت بنادیا تھا۔ وہ تو مزے میں تھا مگر اسے یہ جان لینا چاہئے تھا کہ میں کتنی غیر مطمئن ہوں۔ اسے یقین تھا کہ تبدیلی میرے لئے مفید ہوگی میری فطری جولانی لوٹ آئے گی اور میں اس سے مزید قریب ہوجاؤں گی۔

آنے والے ہفتے خوشگوار اور چین وراحت والے تھے۔ زیادہ وقت ہم ساتھ رہتے، دیہی علاقوں کی سیر کو تواتر سے جاتے موسیقی کی محفلوں اور اوپیرا میں جاتے۔ ہم دوبارہ مل جل کر مطالعہ کرنے لگے۔ اڈنے مجھے ریسائن، کورنیل اور مولائر کو سمجھنے میں مدد دی۔ وہ صرف کلاسیک کو اہمیت دیتا۔ زولا اور اس کے ہمعصروں سے وہ بیزار تھا۔ لیکن دن میں جب ہم لوگ اکیلے رہ جاتے تو میں اسے تازہ اور جدید ادب پر لگادیتی۔ علاوہ ازیں مستقبل قریب میں اپنی تقریروں کے متعلق منصوبہ بندی کرتی جاتی۔

ان تیاریوں کے درمیان ہسپانوی جیل موبجو بیچ میں اذیت پہنچانے والی خبریں آنے لگیں۔ تین سو مرد وزن جن میں اکثریت ٹریڈ یونین ارکان کی تھی جن میں اکادکا انارکسٹ بھی تھے۔ ان سب کو ۱۸۹۶ء میں بارسیلونا میں ایک مذہبی جلوس پر بم پھینکنے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا تھا۔ پوری دنیا کلیسیائی داروگیر کو نئی زندگی مل جانے پر ہل کر رہ گئی۔ وجہ یہ تھی کہ تمام قیدیوں کو کئی کئی روز تک کھانے اور پانی کے بغیر رکھا جاتا، کوڑے لگائے جاتے اور لوہے کی سرخ سلاخوں سے داغا جاتا۔ ایک کی تو زبان ہی کاٹ لی گئی۔ یہ شیطانی حربے ان بدنصیبوں سے اعتراف جرم کے لئے استعمال کئے گئے۔ کئی ایک پاگل ہوگئے اور اپنی بدحواسی میں اپنے معصوم کامریڈوں کو ملوث کرابیٹھے جنہیں فی الفور موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان ہولناک وارداتوں کا ذمہ دار ہسپانوی وزیراعظم کینوواس ڈیل کاسٹیلو تھا۔ یورپ کے آزاد خیال اخبارات جیسے 'فرینک فرٹرزی ٹونگ' اور پیرس کا انٹرانسی جینٹ عوامی جذبات کو انیسویں صدی کی کلیسیائی داروگیر کے خلاف بیدار کررہے تھے۔ دارالعوام کے ترقی پسند ارکان، ریش ٹیگ اور چیمبر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آف ڈپٹیز کینو واس کا ہاتھ روکنے کے لئے اقدامات کا مطالبہ کر رہے تھے۔ صرف امریکہ گونگا بنا ہوا تھا۔ ریڈیکل مطبوعات کو چھوڑ کر پوری صحافت خاموش رہ کر سازش میں شریک تھی۔ دیگر دوستوں سے مل کر میں نے اس کی ضرورت سمجھی کہ اس دیوار میں نقب لگائی جائے۔ اڈ جسٹس، جون ایڈلمین اور ہیری کیلی (جو بوسٹن سے آیا تھا) کے مشورے اور ہسپانوی اور اطالوی انارکسٹوں کے تعاون سے ہم نے اپنی مہم کا آغاز ایک بڑا جلسہ عام بلا کر کیا۔ نیویارک میں ہسپانوی قونصل خانے کے سامنے احتجاج اس کے بعد ہونا تھا۔ جیسے جیسے ہماری مساعی کی خبر عوام تک پہنچنے لگیں ویسے ہی رجعت پسند صحافت نے صاحبان اقتدار کو دہائی دینا شروع کر دی کہ ''سرخ ایما'' کو روکا جائے۔ یہ اصطلاح یونین اسکوائر کے جلسے کے وقت مجھ پر چسپاں کی گئی تھی۔ ہمارے دائیں جانب پولیس چار آئینہ ہو کر نمودار ہوئی۔ چبوترے پر بھی ان کی اتنی نفری چڑھ آئی کہ مقررات سمجھانے کے لئے کوئی اشارہ کرتا تو کسی پولیس والے کو مس کئے بغیر ممکن نہ تھا۔ جب میرے بولنے کی باری آئی تو میں نے اس ظلم کی پوری تفصیلات بیاں کیں جو مونٹ جوئچ میں ڈھایا جا رہا تھا۔ اور ہسپانوی اندھیر نگری کے خلاف احتجاج برپا کرنے کو کہا۔

سامعین کے دبے جذبات ابل پڑے اور بلند ہو کر فلک شگاف نعرہ ہائے تحسین میں ڈھل گئے۔ اس سے پہلے کہ یہ جذبات پوری طرح فروہوں قریبی عمارت سے کسی نے چیخ کر پوچھا ''مس گولڈ مان کیا تم یہ مناسب نہیں سمجھتیں کہ واشنگٹن میں ہسپانوی سفارت خانے یا نیویارک کے قونصل خانے میں تعینات کسی شخصیت کو مبینہ حالات کا بدلہ لینے کے لئے قتل کر دیا جائے۔'' جبلی طور پر میں بھانپ گئی کہ میرا سائل کوئی جاسوس تھا جو مجھے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میرے نزدیک جو پولیس تھی ان میں جنبش ہوئی تاکہ مجھے حراست میں لے لیں۔ ہجوم پر تناؤ آمیز سناٹا طاری تھا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے گہری سانس لی۔ پھر میں بڑے سکون اور فکریہ انداز میں بولی ''نہیں، میرے خیال میں امریکہ میں کوئی بھی ہسپانوی نمائندہ اتنا اہم نہیں ہے جسے قتل کر دیا جائے کاش میں ہسپانیہ میں ہوتی تو کینو واس ڈیل کاسٹیلو کو قتل کر دیتی''۔

کئی ہفتوں کے بعد یہ خبر آئی کہ کینو واس ڈیل کاسٹیلو کو ایک انارکسٹ جس کا نام آنجیلیلو تھا' نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ نیویارک کے اخبارات فوراً ایک مصدقہ کھوج میں پڑ گئے تاکہ کسی سکہ بند انارکسٹ سے ملیں تاکہ مبینہ شخص اور اس کی کارگزاری کے متعلق تبصرہ حاصل کر سکیں۔ اخباری نمائندے دن رات مجھے گھیرنے میں لگے رہتے تاکہ میں انہیں انٹرویو دوں۔ کیا میں اس شخص سے واقف ہوں؟ ''کیا میری اس سے خط و کتابت رہی ہے؟'' کیا میری تجویز پر اس نے قتل کیا تھا؟'' مجھے انہیں مایوس کرنا پڑا۔ میں انجیلیلو سے ناواقف ہوں اور اس سے میری خط و کتابت بھی نہ تھی۔ مجھے تو بس یہ معلوم ہے کہ اس نے عمل کیا اور مجھ سمیت باقی لوگ اس خوفناک سانحے پر صرف باتیں بناتے رہے۔

ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ انجیلیلو لندن میں رہ چکا ہے اور ہمارے دوستوں کے حلقے میں وہ حساس نوجوان سمجھا جاتا تھا۔ ایک سرگرم طالبعلم، کتابوں اور موسیقی کا شیدائی اور شاعری سے اس کا لگاؤ جنوں کو چھوتا تھا۔ منٹجوئچ میں ہونے والی اذیت رسانی نے اسے دیوانہ بنا دیا اور اس نے کینو واس کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ہسپانیہ پہنچ گیا' وہ پارلیمنٹ کی عمارت میں وزیراعظم کی تاک میں رہا، لیکن اسے پتہ چلا کہ وہ ''ریاست کے مصائب'' کے عارضے سے صحت یاب ہونے کے لئے سانتا گوڈا کے مقام پر قیام پذیر ہے جو موسم گرما کا ایک جدید صحت افزا مقام ہے۔ انجیلیلو سفر کر کے وہاں پہنچ گیا فوراً بعد وہ کینو واس سے ملا۔ اس وقت وہ اپنی بیوی اور دو بچوں کے ہمراہ تھا۔ ''میں اسے اسی وقت قتل کر دیتا'' انجیلیلو نے عدالت میں کہا ''لیکن میں ایک معصوم عورت اور دو بچوں کی زندگی خطرے میں ڈالنا نہ چاہتا تھا۔ میرا نشانہ تو کینو واس تھا۔ میں نے خود کو قدامت پسند اطالوی اخبار کا نمائندہ بن کر متعارف کرایا۔ جب میں اور وزیراعظم آمنے سامنے ہو گئے تو میں نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا'' مادام کینو واس اسی لمحے ہماری جانب بڑھی اور انجیلیلو کے چہرے پر کسی چیز سے ضرب لگائی۔ ''میں تمہارے شوہر کو نہیں قتل کرنا چاہتا تھا۔'' انجیلیلو نے اس سے معذرت چاہی ''میں تو اس سرکاری اہل کار کو نشانہ بنا رہا تھا جو منٹجوئچ ستم رانی کا ذمہ دار تھا۔''

انجیلیلو کی کارروائی اور اس کی دردناک موت سے ۱۸۹۲ء کے تمام واقعات پھر سے نگاہوں کے آگے آنے لگے۔ ساشا کی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مصلوبی کو اب پانچ سال بیت چکے ہیں۔ میں بھی اسی انجام میں شریک ہونے کے کتنے قریب پہنچ گئی تھی! صرف پچاس ڈالر کی حقیر رقم آڑے آ گئی اور میں اس کے ہمراہ پیٹس برگ نہ جا سکی۔ لیکن کیا آپ اس روحانی حزن وملال کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور جو مصائب اس واقعے میں پنہاں تھے؟ پھر بھی میں نے جس بے بہا قیمت پر ساشا کے کارنامے سے سبق سیکھا۔ اس وقت سے میں دیگر انقلابیوں کے عقائد کے برعکس سیاسی کشت وخون سے تائب ہو چکی ہوں چاہے اسے آپ افادی نقطۂ نظر سے دیکھیں یا پرچاری اقدار سمجھیں۔ وہ داخلی قوتیں جو مثالیت پسند کو تشدد کی کارروائی پر اکساتی ہیں، اس میں اکثر اس کی اپنی زندگی بھی برباد ہو جاتی ہے مگر میرے لئے اس کا مفہوم کہیں زیادہ وسیع ہے۔ مجھے اب پوری طرح یقین آ چکا ہے کہ ہر سیاسی واردات میں ایسی اثر پذیر شخصیت ہوتی ہے جس میں بے حد قبولیت کے علاوہ نرم مزاجی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی۔ ان شخصیات کے لئے پرتساہل انداز میں جئے جانا ممکن نہیں ہوتا جب انسانیت کا بہت بڑا حصہ غم واندوہ اور ناانصافیوں کا شکار ہو۔ دنیا کے ستم اور ناانصافی کے خلاف ان کا ردعمل ناگزیر طور پر کسی خون ریز ردعمل کی شکل میں ظہور پاتا ہے۔ ان کی شکستہ روح کا یہ عظیم مظہر ہوتا ہے۔

میں پروڈینس میں کئی مرتبہ تقریر کر چکی تھی اور کبھی گڑبڑ نہ ہوئی تھی۔ رھوڈ جزیرے کی ریاست ابھی تک ان ریاستوں میں سے ایک تھی جہاں اظہار خیال کی پوری آزادی تھی۔ آسمان تلے ہمارے دو اجتماعات ہوئے جن میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے اور جلسے بھی ٹھیک ہوئے۔ لیکن پولیس نے بظاہر فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آخری والے کو کچلے گی۔ میں کئی دوستوں کے ہمراہ اس چوک پر پہنچی جہاں جلسہ ہونا تھا۔ ہم نے کیا دیکھا کہ سوشل ورکر پارٹی کے بہت سے ارکان کھڑے بات چیت کر رہے ہیں۔ ہماری ان سے چھیڑ چھاڑ کی نیت نہ تھی اس لئے ہم نے اپنا چبوترہ کافی ہٹ کر بنایا۔ میرا اچھا سا کامریڈ جان ایچ کک جو ایک سرگرم کارکن تھا اس نے جلسے کا آغاز کیا اور میں نے بھی بولنا ہی شروع کیا تھا کہ ایک پولیس والا ہماری جانب بھاگتا ہوا آیا اور چلایا ''اپنی بک بک بند کرو! فوراً رکو نہیں تو میں تمہیں چبوترے پر سے کھینچ کر اتار دوں گا'' میں بولتی رہی۔ کسی نے ہانک لگائی ''دھونس کی فکر نہ کرو چلتی رہو! پولیس والا اوپر چڑھ آیا اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ جوں ہی اس کی سانس درست ہوئی وہ غرایا ''سنتی ہو، کیا تم بہری ہو؟ کیا میں نے تمہیں چپ ہونے کو نہیں کہا؟ قانون پر عمل نہ کر کے تم کیا چاہتی ہو؟'' ''کیا تم قانون ہو؟'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ''میری دانست میں تمہارے فرائض میں یہ ہے کہ تم قانون نافذ کرو، نہ کہ قانون شکنی۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ریاستی قانون مجھے آزادانہ اظہار رائے کا حق دیتا ہے؟'' وہ گیا جہنم میں'' اس کا جواب تھا۔ ''میں خود قانون ہوں'' سامعین نے اس پر آوازیں کسیں اور مضحکہ اڑانا شروع کر دیا۔ افسر نے مجھے عجلت میں ہٹاتے ہوئے چبوترے پر سے کھینچ کر اتارنا چاہا۔ مجمع کا انداز جارحانہ ہونے لگا اور اس کے گرد گھیرا تنگ ہونے لگا۔ اس نے سیٹی بجادی، گشتی گاڑی ہمارے اسکوائر کی جانب تیزی سے آئی اور کئی پولیس والے مجمع کو چیرتے اور ڈنڈے لہراتے ہوئے بڑھے۔ افسر مجھے اب بھی پکڑے ہوئے تھا چیخا ''ان حرامی انارکسٹوں کو مار کر پیچھے کرو تا کہ میں اس عورت کو لاؤں' یہ زیر حراست ہے۔'' مجھے گشتی گاڑی کی طرف ڈھکیل کر لایا گیا اور اس میں ٹھونس دیا گیا۔

پولیس چوکی پر میں نے مطالبہ کیا کہ مجھے کس قانون کے تحت قیدی بنایا گیا ہے۔ ''اس لئے کہ تم ایما گولڈمان ہو'' میز پر بیٹھے ہوئے سارجنٹ نے جواب دیا۔ ''اس خطے میں انارکسٹ کوئی حقوق نہیں رکھتے، سمجھیں۔'' اس نے حکم دیا کہ مجھے حوالات میں بند کر دیا جائے۔

۱۸۹۳ء کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب میں حراست میں لی گئی۔ لیکن ہمیشہ یہ اندیشہ مسلط رہتا کہ کسی بھی وقت قانون کے چنگل میں آ سکتی ہوں۔ میں نے یہ عادت ڈال لی تھی کہ جب کسی جلسے میں جانا ہوتا تو ایک کتاب رکھ لیتی۔ میں نے اپنا اسکرٹ اپنے جسم پر لپیٹ لیا اور اس تختے پر چڑھ گئی جو کوٹھری میں بطور بستر کے رکھا تھا۔ سلاخ دار دروازے سے لگ گئی جس سے ہلکی روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی اور پڑھنا شروع کر دیا۔ یکا یک مجھے اندازہ ہوا جیسے متصل کوٹھری میں کوئی رو رہا ہو۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے سرگوشی میں آواز دی۔ ''کیا تم بیمار ہو؟'' ایک عورت نے سسکیوں کے بیچ میں جواب دیا ''میرے بچے میرے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

بے ماں کے بچے! اب ان کی کون دیکھ بھال کرے گا؟ میرا بیمار شوہر، اب اس کا کیا ہوگا۔'' اس کی آہ و بکا اونچی ہوتی گئی۔''سنو اے اجڈ عورت، چیں چیں بند کروں!'' کہیں سے ایک میٹرن کی آواز آئی۔ رونے میں کمی ہوگئی اور میں نے عورت کی کوٹھری میں آگے پیچھے چلنے کی چاپ سنی جیسے کوئی درندہ پنجرے میں کرتا ہے۔ جب وہ قدرے پرسکون ہوئی تو میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے مصائب بتائے شائید میں اس کے کام آ ؤں۔ تو معلوم ہوا کہ وہ چھ بچوں کی ماں ہے سب سے بڑی چودہ برس کی ہے اور گود میں سال بھر کا۔ اس کا شوہر دس مہینے سے بیمار ہے اس لئے کام کاج نہیں کرسکتا۔ اپنی انتہائی مایوسی میں اس نے ایک دکان میں سے ایک روٹی کا ٹکڑا اور دودھ کا ٹین اٹھا لیا تھا یہیں وہ پہلے کام کرتی تھی۔ اسے اس کارروائی کی وجہ سے دھرلیا گیا اور پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ گڑگڑاتی رہی کہ اسے رات بھر کے لئے نہ حراست میں لیا جائے ورنہ گھر میں سب ہولتے رہیں گے۔ مگر افسر تھانہ لانے پر اڑا رہا اور اس کا موقعہ بھی نہ دیا کہ وہ گھر پیغام بھیج سکے۔ وہ حوالات میں رات کے کھانے کے بعد لائی گئی تھی۔ میٹرن کا کہنا تھا کہ اگر میرے پاس رقم ہو تو وہ کھانا بازار سے منگا کر دے سکتی ہے۔ عورت نے صبح سے نہ کھایا تھا۔ وہ بھوک سے نڈھال اور تشویش سے مری جارہی تھی۔ مگر اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔

میں نے میٹرن کو بلانے کے لئے ہلکی سی دستک دی اور اس سے کہا کہ میرے لئے کھانا لانے کے لئے کسی کو بھیجے۔ پندرہ منٹ نہ گزرے ہوں گے کہ وہ ایک کشتی میں سور کا گوشت، مسالے دار آلو، روٹی، مکھن اور بڑی کیتلی بھر کافی لے آئی۔ میں نے اسے دو ڈالر کا نوٹ دیا تھا اور اس نے پندرہ سینٹ لوٹائے ''یہاں چیزیں مہنگی ہیں'' میں نے کہا'' بالکل ٹھیک' بٹی تم سمجھتی ہو یہ کوئی خیراتی ادارہ ہے؟'' اس کی خوش مزاجی دیکھ کر میں نے اس سے درخواست کی کھانے کا کچھ حصہ میری پڑوسن کو دے آئے۔ اس نے یہی کیا لیکن اس تبصرے کے ساتھ'' تم ایک باقاعدہ احمق ہو جو اپنا کھانا اس ادنی دبے پاؤں گھس کر چوری کرنے والی پر ضائع کر رہی ہو۔''

اگلی صبح مجھے، میری پڑوسن اور دوسرے بدنصیبوں کو ایک مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ مجھے زرضمانت پیش کرنے کو کہا گیا جس کا فوری انتظام نہ ہوسکا اس لئے مجھے واپس حوالات بھیج دیا گیا۔ ایک بجے دن میں مجھے دوبارہ طلب کیا گیا، اس مرتبہ میئر سے ملنے کے واسطے۔ یہ شخص اتنا ہی بھاری بھرکم اور گول مٹول تھا جتنا پولیس والا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر میں تحریری حلف نامے میں یہ وعدہ کروں کہ آئندہ کبھی بھی اس ریاست کا رخ نہ کروں گی تو وہ مجھے رہا کرسکتا ہے۔ ''میئر صاحب آپ کی بہت مہربانی'' میں نے جواب دیا۔ ''چونکہ میرے خلاف آپ کوئی مقدمہ نہیں قائم کرسکتے اس لئے آپ کی پیشکش اتنی فیاضانہ نہیں ہے جتنی نظر آرہی۔ کیا خیال ہے؟'' میں نے اسے بتادیا کہ میں اس سے کسی نوعیت کا وعدہ نہ کروں گی، لیکن اگر اس بات سے اسے کچھ سکون مل سکے تو میں بتانا چاہتی ہوں کہ میں تقاریر کرنے کے لئے کیلی فورنیا کے دورے پر روانہ ہونے والی ہوں'' اس میں تین ماہ یا اس سے کچھ اوپر لگ سکتے ہیں' میں کہہ نہیں سکتی۔ لیکن مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ اور آپ کا شہر میرے بغیر اس سے زیادہ نہ جئے گا۔ میئر اور اس کے حالی موالیوں نے قہقہہ لگایا اور میں رہا کر دی گئی۔

بوسٹن پہنچتے ہی مقامی اخبارات کی رپورٹ سے مجھے صدمہ پہنچا کہ ہیزلٹن' پینسلوانیہ میں اکیس کارکنوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ وہ سب کانکن تھے جو لاٹیمر جارہے تھے جو اسی ریاست میں واقع ہے تاکہ وہاں کے کارکنوں کو اپنی ہڑتال میں شامل ہونے کے لئے آمادہ کیا جائے۔ تھانیدار نے شارع عام پر انہیں روکا اور آگے بڑھنے سے منع کیا۔ اس نے انہیں ہیزلٹن واپس ہونے کا حکم دیا اور جب انہوں نے انکار کیا تو اس نے اور اس کے دستے نے ان پر گولی چلا دی۔

اخبارات نے یہ بیان کیا کہ تھانیدار نے حفظ ماتقدم کے تحت گولی چلائی مجمع دھمکیوں پر اتر آیا تھا۔ اس کے باوجود پولیس کے دستے کا کوئی جانی نقصان نہ ہوا۔ جبکہ اکیس کارکنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا گیا اور متعدد گھائل ہوئے۔ بعد میں رپورٹوں سے پتہ چلا کہ سب کے سب نہتے روانہ ہوئے تھے نہ ہی ان کی نیت مزاحمت کی تھی۔ ہر علاقے میں کارکنوں کا قتل عام جاری تھا ہر جگہ یہی قصائی پن ہورہا تھا! مونجو بیچ، شکاگو پٹس برگ، ہیزلٹن۔ مٹھی بھر لوگ لاتعداد کو مشتعل کر رہے تھے اور کچل رہے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تھے۔عوام الناس کروڑوں تھے پھر بھی کمزور!انہیں اس مدہوشی سے جگانا،انہیں اپنی قوت کا احساس دلانا سب سے بڑی ضرورت ہے۔میں نے خود کو مخاطب کیا کہ بہت جلد میں اس قابل ہو جاؤں گی کہ امریکہ بھر میں ان سے ملوں۔اپنی زبان سے ایسی آتش فشانی کروں گی جس سے وہ بیدار ہو جائیں گے اور اپنی ذلت اور انحصاری کا احساس ہو جائے گا!ان احساسات سے میں دہکنے لگی اور آنے والے دورے کے خیال میں غوطہ زن ہوگئی کہ اس میں مجھے کتنے حیلے ہاتھ آئیں گے جہاں میں اپنے نصب العین کی وکالت کر سکوں گی۔لیکن فوراً ہی اس طلسم کدے میں آڈ کا خیال آنے سے رخنہ پڑ گیا۔ہماری مشترکہ زندگی۔اس کا انجام کیا ہوگا؟ یہ سب کچھ میرے کام کے ساتھ ساتھ کیوں نہیں چل سکتا؟ میں انسانیت کو جو بھی دیتی ہوں اس سے میری تہی دستی کیوں بڑھنے لگتی ہے،کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ محبت کرنے اور آڈ کی چاہت میں اضافہ کرے۔وہ بھی سمجھے،اسے لازماً سمجھنا چاہئے،اس نے خود ہی یہ تجویز دی تھی کہ مجھے کچھ دنوں کے لئے شہر چھوڑ دینا چاہئے۔آڈ کی تصویر نظروں کے سامنے گھومنے لگی اور میں جذبات کی گرمی محسوس کرنے لگی۔مگر میرا دل اندیشہ ہائے دور و دراز سے کانپ رہا تھا۔

میں آڈ سے دو ہفتے سے جدا تھی۔مگر میں اس کے لئے اتنی مری جا رہی تھی جتنی وارفتگی یورپ سے واپسی پر نہ گزری تھی۔مجھے خود پر قابو پانے میں دشواری ہو رہی تھی جس وقت تک ٹرین گرانڈ سینٹرل اسٹیشن پر نہ تھم گئی۔وہ وہیں مل گیا۔گھر پر ہر شئے نئی لگ رہی تھی زیادہ خوبصورت اور دلفریب،آڈ کے دلکی والے بول کانوں میں موسیقی گھولتے۔باہر کی دنیا کے تضادات اور ہنگاموں سے دور میں اس سے لپٹی ہوئی تھی اور اپنے گھر کی دندک میں رسمسا رہی تھی۔طویل دورے پر جانے کی بے تابی اپنے عاشق کے سحر کے آگے پھیکی پڑتی جا رہی تھی۔مہینے بھر کی وارفتگی اور دنیا و مافیہا سے بے خبری رنگ لا رہی تھی،مگر میرے خواب کو بہت جلد ایک دردناک بیداری سے واسطہ پڑا۔اس کا سبب نیطشے بنا۔ویانا سے واپسی پر مجھے قوی امید تھی کہ آڈ میرے ساتھ آنے والی کتابیں پڑھے گا۔میں نے اس سے کئی مرتبہ کہا اور اس نے ایسا کرنے کا وعدہ بھی کیا لیکن جب اس کے پاس فالتو وقت ہوگا۔اس بات سے میں بہت افسردہ تھی کہ آڈ دنیا کی ابھرتی ادبی قوتوں سے اتنا لاتعلق رہتا ہے۔ایک شام میں ہم ایک الوداعی تقریب کے لئے جسٹس کے ہاں جمع تھے۔وہاں جیمز ہینیکر اور ایک باصلاحیت نوجوان پینٹر پی۔یلینک جو ہمارے دوستوں میں تھا موجود تھے۔ انہوں نے نیطشے کے متعلق گفتگو شروع کر دی،میں بھی شریک ہوگئی۔میں نے اس عظیم شاعر فلسفی کے متعلق اپنے جوش و خروش کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس کے کلام کا مجھ پر کیا اثر ہوا ہے۔ہینیکر حیران رہ گیا۔''مجھے یقین نہیں آتا کہ تم پروپیگنڈے سے ہٹ کر بھی دلچسپیاں رکھتی ہو۔''اس نے سرسری سا تبصرہ کیا۔''یہ اس لئے ہے کہ تم انارکزم کی الف بے بھی نہیں جانتے۔''میرا جواب یہ تھا''وگرنہ تمہیں معلوم ہو چکا ہوتا کہ یہ زندگی کے تمام شعبوں اور سرگرمیوں پر محیط ہے اور یہ قدیم اور فرسودہ اقدار کی بنیادیں کھوکھلی کرتا ہے۔''یلینک اس پر مصر تھا کہ وہ اس لئے انارکسٹ ہے کیونکہ وہ ایک فنکار ہے۔تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال تمام لوگوں کو انارکسٹ ہونا چاہئے اور میں اس نظریئے کا اس لئے حامی ہوں کہ ان سب کو اظہار کی پوری آزادی ہونا چاہئے۔ہینیکر اس امر پر زور دے رہا تھا کہ فن کا کسی 'ازم' سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔''نیطشے کی ذات خود اس بات کا ثبوت ہے۔''اس کا استدلال یہ تھا''وہ اشرافیہ طبقے کا ہے اس کی مثالی شخصیت فوق البشر ہے اسے نوع انبوہ سے نہ تو ہمدردی ہے نہ ہی ان پر اعتماد۔''میں نے اشارہ کیا کہ وہ نظریہ داں نہ تھا بلکہ ایک شاعر،باغی اور نئے خیالات کا خالق تھا۔ طبقہ اشرافیہ سے اس کا تعلق دولت اور پیدائش کا مرہون منت تھا۔یہ اس کے جوہر میں تھا۔ان معنوں میں نیطشے ایک انارکسٹ تھا اور ہر حقیقی انارکسٹ کو اشرافیہ کہا جانا چاہئے۔میں بولی۔ تب آڈ بولا اس کی آواز میں سرد مہری تھی اور پردہ داری کا انداز تھا جس کے عقب میں برپا طوفان کو میں بھانپ گئی۔''نیطشے احمق ہے''اس نے کہا''مریضانہ ذہن کا آدمی،وہ اپنی پیدائش سے ہی حماقت میں مبتلا تھا جس نے اس کا کام تمام کیا۔اسے آئندہ دس برسوں میں فراموش کر دیا جائے گا اور دیگر نام نہاد جدیدیت پسندوں کا بھی یہی انجام ہوگا۔زمانہ قدیم کے حقیقی عظیم لوگوں کے مقابلے میں یہ سب بازی گر اور پچی کاری کرنے والے ہیں۔لیکن تم نے تو سرے سے نیطشے کو پڑھا ہی نہیں۔''میں نے چمک کر اعتراض کیا''تم اس کے متعلق کیسے بول سکتے ہو۔''''آہ،ہاں،میں نے پڑھا ہے''''میں بہت پہلے وہ تمام فضول کتابیں پڑھ چکا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہوں جو تم اپنے ساتھ لائی ہو۔'' میں تو دم بخود رہ گئی ہینیکر اور ایلینک اڈ کو جوش دلانے لگے۔ مگر میں اس ظرف کی نہ تھی کہ گفتگو جاری رکھ سکتی۔ اسے خوب معلوم تھا کہ میں کتنا چاہتی تھی کہ وہ میری کتابیں پڑھنے میں حصہ لے۔ میں نے کس قدر امیدیں باندھی تھی اور انتظار کرتی رہی کہ وہ ان کی قدر اور اہمیت کو تسلیم کرے۔ اس امید و بیم میں رکھتے ہوئے اسے لاج نہ آئی۔ وہ ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد اتنے عرصے چپ کیوں رہا؟ بے شک اسے اپنے خیالات پر قائم رہنے کا حق ہے یہ تو میری سرشت میں داخل ہے۔ اس کا مجھ سے اختلاف کرنا ایسی بات نہ تھی جس سے مجھے گہرا گھاؤ لگا ہو۔ یہ حقارت اور تضحیک کا عنصر تھا جو میرے لئے باعث ذلت تھا۔ ہینیکر اور ریلینک جو ایک معنوں میں اجنبی تھے انہوں نے ان نئے خیالات کے لئے میری تحسین کو سراہا جبکہ میرا اپنا چاہنے والا مجھے احمق، بچگانہ اور قوت فیصلہ سے عاری ٹھہرا رہا تھا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ جسٹس کی جگہ سے فرار ہو جاؤں اور تنہائی اختیار کر لوں لیکن میں نے خود پر قابو پا لیا۔ میں اڈ سے اعلانیہ تصادم کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ رات گئے جب ہم گھر پہنچے تو اس نے مجھ سے کہا ''ہمیں اپنے تین ماہ نہ ضائع کرنا چاہیں بیٹھنے کی کیا حیثیت ہے۔'' میرے تو دل پر چوٹ لگ چکی تھی۔ ''یہ بیٹھنے نہیں ہے بلکہ تم ہو۔ تم'' میں بڑے زور سے چیخی ''اپنی عظیم الفت کے پردے میں تم نے محبت کی اتنی کی آہنی زنجیر سے مجھے جکڑ لیا ہے۔ اور وہ سب چھین لیا جو میرے لئے اپنی زندگی سے زیادہ بیش قیمت تھا۔ تم میرے جسم پر تسلط حاصل کر کے قانع نہ ہوئے تم میری روح کو بھی مقید کرنا چاہتے ہو! اول تحریک پھر میرے احباب اب ان کتب کا نمبر ہے جن پر میں فدا ہوں۔ تم مجھے ان سے نوچ کر جدا کرنا چاہتے ہو۔ تم خود تو ماضی کے دلدل میں ہو۔ بہت خوب وہیں جمے رہو! مگر یہ واہمہ نکال دو کہ تم مجھے بھی وہیں رکھ سکتے ہو۔ تم میرے پروں کو قینچ نہیں سکتے۔ مجھے پرواز کرنے سے نہ روکو۔ میں خود کو آزاد کر کے رہوں گی چاہے تم کو مجھے کھرچ کر نکالنا پڑے۔'' وہ اپنے کمرے کے دروازے پر ٹیک لگا کر کھڑا تھا، اس کی آنکھیں بند تھیں اس نے زور سے سانس بھی لی تھی کہ اس نے وہ سب کچھ سن لیا جو میں نے کہا تھا۔ لیکن اب مجھے کسی چیز کی فکر نہ تھی۔ میں اپنے کمرے میں داخل ہو گئی، میرا دل خالی اور سرد ہو چکا تھا۔ آخر کے چند دن بظاہر پرسکون بلکہ دوستانہ تھے۔ اڈ میری روانگی کے انتظامات میں میری دستگیری کر رہا تھا۔ اسٹیشن پر اس نے مجھے گلے لگا لیا۔ میں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے مگر میں خاموش رہی، میں بھی بولنے سے قاصر تھی۔ جب ٹرین روانہ ہو گئی اور اڈ پرچھائیں بن گیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہماری زندگی اب حسب سابق نہیں ہو سکتی۔ میری محبت کو ایک جانکاہ جھٹکا لگا تھا۔ یہ اب ایک پھٹی بانسری بن چکی تھی جس سے کبھی بھی صاف اور دلنواز موسیقی نہ نکلے گی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۱۶

میرا پہلا پڑاؤ فیلڈیلفیا تھا۔ ۱۸۹۳ء میں اپنی گرفتاری سے پہلے میں یہاں کئی مرتبہ آ چکی تھی۔ اور ہمیشہ یہودی سامعین کو خطاب کیا۔ اس مرتبہ مجھے مدعو کیا گیا تھا کہ میں امریکہ کی کئی تنظیموں سے انگریزی زبان میں خطاب کروں۔ برادرلی لو کے شہر میں میرا قیام مس پرل میکلوڈ کی رہائش گاہ پر ہوا۔ یہ آزادی نسواں کے کلب کی صدر تھیں۔ مجھے اپنی پرانی دوست نتاشا نوتکن کی گرم جوش میزبانی کو ترجیح دینا چاہئے تھا۔ جس کی رفاقت گھریلو ہوتی اور وہاں روسی کامریڈوں کی موانست والی فضا بھی ملتی۔ مگر مجھے یہ مشورہ دیا گیا کہ مس میکلوڈ کے اپارٹمنٹ تک امریکیوں کی رسائی زیادہ آسان ہوگی جو مجھ سے ملنا چاہیں گے۔

جلسے میں حاضری کوئی بری نہ تھی۔ مگر اڈ سے علیحدگی کا غم گھیرے تھا۔ میں خود کو تقریب کے شایان شان نہیں سمجھ رہی تھی اور میری تقریر میں ولولے کی کمی تھی۔ اس کے باوجود بالکل بے سود نہ رہا۔ میں نے اپنے قدم جمالئے اور کئی دوست بھی بنالئے۔ ان میں ایک نہایت دلچسپ عورت سوس پیٹن تھی۔ مجھے ساشا سے معلوم ہوا تھا کہ امریکیوں میں ایک خاتون ایسی تھی جو پرچار کرنے کا ہنر جانتی تھی اور لکھنے والی تھی۔ مجھے وہ اسی وجہ سے اچھی لگی اور وہ مزاج کی بھی اچھی نکلی۔

واشنگٹن میں، میں نے جرمن آزاد خیال سوسائٹی سے خطاب کیا۔ تقریر کے بعد میں 'ریٹرل فریونڈ' حلقے سے ملی جیسا کہ 'آرمر ٹیوفل' کے قارئین اسے پکارتے تھے۔ ان میں زیادہ تر کے چہرے مثالیت پسندوں کے بجائے قصابوں سے ملتے تھے۔ ان میں سے ایک شخص اس پر نازاں تھا کہ وہ ریاست ہائے متحدہ کی ملازمت میں تھا اور تحریروں اور فنون میں حسن کا دلدادہ تھا..... غافل عوام الناس کے بجائے چند چیدہ افراد کے لئے۔ اس کے لئے انارکزم اس لئے قابل قبول نہ تھا کیونکہ ''یہ سب کو یکساں بنانا چاہتا ہے۔'' مثلاً ایک گارمنٹی ڈھونے والا شخص ان حقوق کا کس طرح طالب ہوسکتا ہے جتنے مجھ سے تعلیم یافتہ کو حاصل ہیں؟'' اس نے دریافت کیا۔ یہ بات اس کے خواب وخیال میں بھی نہ تھی کہ میں اس نوعیت کی مساوات میں یقین رکھتی ہوں یا اور کوئی ممتاز انارکسٹ ان خطوط پر سوچتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ ہم اسے چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس نے اپنے الزامات نہ دھرائے کہ ''ارذلوں کو پابند کیا جائے کہ وہ ٹیکس ادا کریں۔''

تم کتنے عرصے سے آرمر ٹیوفل کا مطالعہ کر رہے ہو؟'' میں نے پوچھ لیا ''اس کے پہلے شمارے سے'' اس نے فخریہ جواب دیا۔ لے دے کر تمہیں یہی اس میں ملا ہے؟ ٹھیک ہے میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ میرا دوست روبرٹ اس وقت سے بھینس کے آگے بین بجا رہا ہے۔ یکا یک مذکورہ شخص اٹھ کھڑا ہوا اور پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکلنے لگا جب کہ باقی پوری محفل قہقہے لگا کر اودھم مچانے لگی۔

ریٹرل جریدے کے ایک اور ''دوست'' نے بوزہ کش کی حیثیت میں خود کو متعارف کرایا کہ اس کا تعلق سنسناٹی سے ہے۔ وہ میرے نزدیک آ کر جنسی مسائل پر گفتگو کرنے لگا۔ اس نے کہیں سے سن لیا تھا کہ امریکہ میں ''میں آزادانہ جنس کاری کی نقیب ہوں۔'' وہ اس بات سے خوش ہوا کہ نہ صرف یہ کہ میں ہوشیار ہوں جیسا کہ میں ثابت کر چکی تھی بلکہ نوجوان اور دلکش بھی ہوں اس کے علاوہ میں شاعری کی دیوانی اڑیل عورت نہیں لگی۔ جیسی تصویر اس نے اپنے ذہن میں بنالی تھی۔ وہ بھی آزادانہ جنس کاری کا حامی تھا مگر زیادہ تر خواتین اور حضرات ابھی اتنے بالغ نظر نہیں تھے خصوصاً خواتین جو ہمیشہ مرد سے چمٹی رہنا چاہتی ہیں۔ لیکن ''ایما گولڈمان تمہاری اور بات ہے'' اس کی پرشہوانی اور بناوٹی مسکراہٹ سے میری طبیعت مالش کرنے لگی۔ میں نے اپنی پیٹھ اس کی طرف کرلی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ بہت تھک گئی تھی اس لئے فوراً سوگئی۔ اپنے دروازے پر مسلسل کھٹکھٹاہٹ سے میری

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آنکھ کھل گئی ''کون ہی بھئی'' میں نے ہانک لگائی ''ایک دوست'' جواب آیا۔ ''کیا دروازہ کھول سکتی ہو؟'' یہ سنسناٹی کے بوزہ کش کی آواز تھی۔ میں بستر پر اچھل پڑی اور گلا پھاڑ کر چلائی ''اگر تم فوراً نہ چلے گئے تو میں سارے گھر کو جگا دوں گی!'' ازراہ کرم مہربانی کیجئے!'' وہ دروازے کی جھری میں سے گھگھیایا ''کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کرو' میں ایک شادی شدہ آدمی ہوں' میرے بچے سیانے ہیں' میں تو یہ سمجھا تا کہ تم آزاد جنس کاری کی حامی ہو' اس کے بعد میں نے اس کی تیزی سے واپسی کی چاپ سنی۔

یہ بلند و بالا نظریات کس کام کے ہیں' میں سوچ میں پڑ گئی۔ سرکاری منشی کی ہمت دیکھئے وہ گاراڈھونے والے سے خود کو برتر سمجھتا ہے اور سماج کا معزز ستون بھی۔ جس کے لئے آزادنہ جنس کاری کا مفہوم یہ ہے کہ درپردہ کارروائی کی جائے..... دونوں صاحبان ریٹرل کے قاری ہیں ایک تابناک باغی دوسرا مثالیت پسند! ان کے دل اور دماغ اب بھی اتنے بنجر ہیں جتنا کوئی صحرا ہوسکتا ہے۔ یہ دنیا ایسے لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہی دنیا ہے جسے میں بیدار کرنے نکلی ہوں۔ احساس زیاں نے مجھ پر غلبہ پالیا اور گمبھیر تنہائی چھا گئی۔

واشنگٹن سے پیٹس برگ کا سفر بارش میں کٹا۔ میری ہڈیوں میں ٹھنڈک سرایت کر چکی تھی ستم بالائے ستم ہومسٹیڈ اور ساشا کی یادیں اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھیں میں جب بھی اس شہر فولاد کا پھیرا لگاتی ہوں تو میرے دل پر پہاڑ گرنے لگتا ہے۔ بھٹیوں میں آگ کے بھڑکتے شعلوں کا منظر میری روح کو جھلسانے لگتا ہے۔

اسٹیشن پر منتظر کارل نولڈ اور ہنری باور کو دیکھ کر میری افسردگی قدرے گھٹ گئی۔ میرے دونوں کامریڈ مغربی اصلاحی جیل سے اسی سال (۱۸۹۷ء) میں رہا کئے گئے تھے۔ اس سے پہلے میں باور سے نہیں ملی تھی۔ لیکن کارل کو دیکھتے ہی ہماری پہلی ملاقات کا منظر آنکھوں میں پھر گیا جو نومبر ۱۸۹۲ء میں ہوئی تھی۔ جس دوستی کا اس وقت آغاز ہوا تھا وہ خط و کتابت کے ذریعے مستحکم ہوتی گئی جبکہ کارل قید میں تھا۔ آج کی ملاقات اس باہمی بندھن کو مزید مضبوط کردے گی۔ اس کے شگفتہ اور پیارے چہرے کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ قید و بند نے اسے مزید بامروت بنا دیا تھا لیکن حظ حیات کے جذبے پر اوس نہ پڑی تھی۔ باور تنومند اور ہنس مکھ تھا ہمارے سامنے وہ مینار کی طرح تھا اور دیو لگتا۔ ''ہاتھی اور اس کا کنبہ'' اس نے ہمارے بیچ میں چلتے ہوئے جملہ کسا۔ جب کارل لمبے لمبے ڈگ بھر رہا تھا۔ اور ہم اس کے قدم سے قدم ملانے کی ناکام کوشش میں لگے تھے۔

میں اپنے گزشتہ دوروں میں اپنے بھلے سے دوست ہیری گورڈن اور اس کے اہل خانہ کے ساتھ ٹھہرا کرتی تھی۔ ہیری ہمارے اچھے کارکنوں میں سے ایک تھا پرجوش اور جاں نثار۔ گورڈن کی اہلیہ سادہ اور نرم دل خاتون تھی ہم میں گاڑھی چھنتی۔ وہ معمولات سے ہٹ کر میرے قیام کو آرام دہ اور خوشگوار بنا دیتی جتنا اس کے شوہر کی معمولی اجرت میں ممکن ہوتا۔ مجھے گورڈن کی رفاقت اچھی لگتی اور اپنے ساتھیوں سے اس لئے میں نے فرمائش کی وہ مجھے اس کے ہاں ہم لے چلیں۔ تاہم وہ اس پر مائل تھے کہ میری آمد کا جشن پہلے ان کے ہاں منایا جائے۔

پیٹس برگ میں میری تقاریر نہ تھیں۔ کارل اور ہینری نے ساشا کی رہائی کے لئے اقدام شروع کردیئے۔ معافی کے بورڈ کے لئے ایک مرافعہ تیار کیا گیا جس کے محرک صرف کارکن عناصر تھے۔ ایسے اقدام پر میرا اعتماد ختم ہو چکا تھا۔ مگر میں اپنی قنوطیت سے اپنے دوستوں کو آگاہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ دونوں پر خوش مزاجی طاری تھی۔ انہوں نے ایک نزدیکی ریستوراں میں عشائیہ ترتیب دیا تھا یہ ایسے کمرے میں تھا جہاں ہم لوگ تھے اور کسی مداخلت کا امکان نہ تھا۔ ہم نے اپنا پہلا جام کھڑے ہو کر پیا بالکل خاموشی سے ساشا کی یاد میں۔ اس کی روح ہم پر منڈلا رہی تھی اور ہمارے مشترک مقاصد اور کام کے لئے ہمیں ایک دوسرے سے قریب کر رہی تھی۔ اس کے بعد کارل اور ہنری نے اپنی اسیری کی داستان سنائی اور برسوں کا ذکر کیا جو انہوں نے ایک ہی چھت تلے ساشا کے ساتھ بسر کئے تھے۔ وہ میرے لئے ایک پیغام لائے تھے اور ڈاک میں گم ہو جانے کے خدشے سے انہوں نے نہ بھیجا تھا۔ ساشا فرار کا منصوبہ بنا رہا تھا۔

اس کی اسکیم ایک شاہکار تھی۔ میری اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ لیکن اگر وہ قید سے فرار ہو جانے میں کامیاب

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

بھی ہوجاتا ہے تو میں سوچنے لگی کہ وہ جائے گا کہاں؟ امریکہ میں باقی زندگی اسے چھپ کر رہنا پڑے گا۔ ایسا شخص جسے کھدیڑا جارہا ہو اور جو آخر میں پکڑا جاتا ہے۔ روس میں معاملہ برعکس تھا۔ اس قسم کے فرار وہاں تواتر سے ہوتے رہتے ہیں۔ روس میں انقلابی روح پائی جاتی ہے اور سیاسی لوگ محنت کشوں اور کسانوں کی نظروں میں بدنصیب اور ایذا رسانی کا شکار سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی ہمدردی اور مدد پر انحصار کرسکتا تھا۔ ریاست ہائے متحدہ میں اس کے برعکس دس میں سے نو کارکن خود ہی ساشا کی تلاش میں سرگرداں ہوجائیں گے۔ نولڈ اور باور مجھ سے متفق تھے۔ لیکن انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اپنے اندیشے ساشا پر نہ ظاہر کروں۔ اس کے صبر وضبط کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے۔ اس کی بینائی کم ہوتی جارہی ہے۔ اس کی صحت بگڑ رہی ہے اور وہ دوبارہ خودکشی کرنے کو سوچ رہا ہے۔ فرار کا امکان اور منصوبے کی تفصیلات اس کی زور آزمائی کی فطرت کو توانائی پہنچادیں گی۔ ہمیں اس کی ہمت شکنی نہ کرنا چاہئے۔ اس کے بجائے ہمیں اس امر پر آمادہ کرنا چاہئے کہ وہ اس وقت تک انتظار کرے جب تک اس کی رہائی کے لئے ہم تمام قانونی ذرائع نہ آزمالیں۔

ہم اپنی گفتگو میں اس قدر منہمک تھے کہ ہمیں وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ حیران ہوکر ہمیں معلوم ہوا کہ نصف شب کو گزرے بہت دیر ہوچکی تھی۔ میرے رفیقوں کے خیال میں اب اتنی دیر ہوچکی تھی کہ گورڈن کے ہاں جانا نامناسب تھا۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ مجھے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ٹھہر جانا چاہئے جسے آرمر ٹیوفل کا ایک قاری چلاتا تھا۔ اس طرف جاتے ہوئے راستے میں، میں نے واشنگٹن کے ریٹرل فرینڈ کے ہوٹل کا قصہ سنایا۔ لیکن باور نے اطمینان دلایا کہ پٹس برگ کے ہوٹل کا مالک دوسرے مزاج کا ہے۔ واقعی وہ دوست نواز نکلا۔ ''بے شک، میری عمارت میں ایما گولڈ مان کے لئے کمرہ ہے'' وہ بڑے تپاک سے بولا۔ ابھی ہم سیڑھیاں چڑھنے جارہے تھے کہ ایک عورت کی ہسٹریائی آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی ''ایما گولڈ مان کے لئے کمرہ'' وہ چلائی'' یہ معزز کنبوں والوں کا ہوٹل ہے، اس بے شرم کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے، جو ایک سزایافتہ سے آزادانہ تعلقات رکھتی ہے!'' ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ میں نے اپنے دوستوں سے درخواست کی۔ اس سے پہلے کے ہمیں بڑھنے کا موقع ملتا زن مرید شوہر نے کاونٹر پر مکہ برسا کر کہا کہ یہاں کا مالک کون ہے۔ ''مجھے یہ بتاو، اے جھگڑالو عورت'' وہ شور مچاتے ہوئے بولا ''میں ہوں، کیا میں اس جگہ کا مالک نہیں ہوں؟'' میری طرف خونخوار نظریں ڈالتی ہوئی وہ عورت کمرے سے کھسک گئی۔ مالک پھر سے پرسکون اور کریم بن گیا۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ میں اس ہولناک موسم میں باہر جاؤں۔ اس پر اس نے احتجاج بھی کیا۔ کم ازکم امشب مجھے یہیں قیام کرنا چاہئے۔ مگر میں بھرپائی اور اس لئے وہاں سے روانہ ہوگئی۔

کیوں نہ میرے اڈے پر قیام کرلو، کارل نے تجویز پیش کی۔ اپنی بیوی اور چھوٹے سے لڑکے کے ساتھ ایک کمرہ اور باورچی خانہ ان کے استعمال میں تھا اور وہ بہ خوشی مجھے شریک کرلیں گے، عزیز اور فیاض کارل کو یہ نہیں معلوم تھا کہ میں کسی کے گھر بن بلائے پہنچتی ہوں تو کس قدر خوفزدہ رہتی ہوں۔ لیکن میں اتنی تھکی اور خستہ حال تھی اور میں کارل کا دل بھی نہ دکھانا چاہتی تھی ''تم جہاں چاہو میں چلنے کو تیار ہوں کارلوس، جہنم میں بھی'' میں نے کہا لیکن ہمیں وہاں بلاتا خیر پہنچنا ہے۔''

بالآخر ہم نولڈ کے گھر پہنچ گئے۔ باور اپنے گھر جاچکا تھا۔ دروازہ ایک ملگجی روشنی والے کمرے میں کھلا۔ گداز جسم اور الجھے بالوں والی عورت سے ہماری ملاقات ہوئی اور کارل نے اس سے میرا تعارف کرایا۔ مجھے لگا جیسے میری آمد اس پر گراں گزری ہے۔ جگہ مختصر تھی اور ایک چارپائی تھی جس پر بچہ سو رہا تھا۔ میں نے سوالیہ انداز میں کارل کی طرف دیکھا، ''ایما کوئی بات نہیں ہے'' وہ بولا۔ تیلی اور میں فرش پر سوجائیں گے اور تم بچے کے ساتھ سوجاؤ۔'' میں ہچکچا رہی تھی اور رخصت ہونا چاہتی تھی مگر بارش ٹوٹ کر برس رہی تھی۔ میں عورت کی طرف بڑھی تاکہ معذرت کرلوں کہ میری وجہ سے اسے تکلیف پہنچی ہے۔ مگر اس نے کوئی توجہ نہ دی خاموشی سے باورچی خانے میں گھس گئی اور اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ نیم ملبوس حالت میں، میں بچے کے پہلو میں لیٹ گئی اور فوراً سوگئی۔ میں کسی کے چیخ وپکار پر اٹھی ''وہ مجھے قتل کررہا ہے!'' بچاؤ! پولیس!'' کمرہ بالکل تاریک تھا۔ میں گھبرا کر بستر سے کود پڑی شروع میں یہ بھی نہ سوچا کہ کیا ہورہا ہے۔ ٹاپک ٹوئیاں مارنے سے میز ملی اور دیاسلائی۔ جب میں نے تیلی جلائی تو کیا دیکھا کہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دو جسم فرش پر لڑھک رہے ہیں اور لڑ رہے ہیں۔ عورت کارل پر سوار تھی اور اس کی گردن پر گھٹنا رکھنے کی جدوجہد کر رہی تھی ساتھ ہی ساتھ پولیس بلانے کے لئے واویلا کر رہی تھی۔ کارل اس کے ہاتھ پر مار رہا تھا اور اس کی گرفت سے نکلنے کے لئے کوشاں تھا۔ میں نے اس سے پہلے ایسا واہیات تماشا نہ دیکھا تھا۔ میں نے عورت کو کارل کے اوپر سے کھینچ کر ہٹایا اور چشم زدن میں گلی میں نکل گئی اس سے پہلے کہ ان کے حواس بحال ہوں۔ میرے ذہن میں طوفان برپا تھا میں ہنری کے گھر کی طرف بارش کے تھپیڑے کھاتی بھاگی جا رہی تھی۔ اسے بستر میں سے اٹھا کر بتایا کہ وہاں کیا ہوا۔ وہ میرے ساتھ فوراً ہوٹل کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ کارل بھی میرے پیچھے بھاگا بھاگا آیا اور ہم تینوں اس موسلا دھار بارش میں پیٹس برگ کی طرف رواں دواں تھے رات گئے الگھینی کے سب ہوٹل بند تھے۔ میں نے کئی ہوسٹل والوں سے بات چیت کی لیکن ہر جگہ انکار ملا محض اس لئے کہ میں پانی میں شرابور تھی اور آوارہ لگ رہی تھی جس کے پاس سوٹ کیس بھی نہ تھا کیونکہ اسے میں کارل کے ہاں چھوڑ آئی تھی۔ تقریباً اس وقت صبح ہو رہی تھی جب ہمیں ایک ایسا ہوٹل ملا جو میرے استقبال کے لئے آمادہ تھا۔

کانپتے گھٹنوں اور بجتے دانتوں کے ساتھ میں بچھونے میں سما گئی۔ کمبل کو اپنے چہرے پر کھینچ لیا تا کہ زندگی کی مکروہات اوجھل ہو جائیں۔ لیکن یہ میری ناسمجھی تھی جو میں نیند میں پناہ لینا چاہتی تھی۔ لگتا تھا تاریک سائے مجھ پر ہر جانب سے سایہ فگن ہیں۔ اصلاحی جیل کی منحوس دیواریں ساشا کو مقید کئے تھیں، اس کی برس ہا برس کی تکالیف، میری اسیری کے ایام، گھنٹہ بھر پہلے تک کی خوفناک کیفیت یہ سب مایوسی، تاریکی اور تمسخر کا مرکب تھا اور کچھ فاصلے سے مجھ پر (ڈائن کی طرح) دانت نکال رہے تھے۔ اس کے باوجود کچھ فاصلے پر روشنی کی ایک لو ٹمٹا رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا اسے میں نے پہچان لیا تھا یہ شعاعیں آڈ سے نکل رہی تھیں۔ ہماری محبت کا تصور اور ہمارے گھر کے خیال نے اس تاریکی کے غلاف میں ایک شگاف ڈال دیا۔ میں نے لرزتے ہاتھ بڑھائے لیکن وہاں صرف بے کراں خلا تھا بالکل میرے دل کی طرح سرد اور خالی خالی۔

تین دن کے بعد ڈیٹرایٹ پہنچی۔ اس شہر کی کشش میرے لئے ہمیشہ روبرٹ ریٹزل کے برابر تھی۔ اس کی بذلہ سنجی اور بے مثل تحریروں نے مجھ پر ہمیشہ جادو کیا جب سے میں نے اس کے اخبار کا مطالعہ شروع کیا تھا۔ شکاگو کے شہیدوں کے لئے اس کا جرأت مندانہ دفاع کرنا اور اس کی نمایاں جدوجہد جو اس نے ان کی زندگیاں بچانے کے سلسلے میں کی تھیں اس سے میرے ذہن پر اس کی دھاک بیٹھ گئی تھی کہ وہ ایک نہ پسپا ہونے والا باغی اور لڑاکا ہے۔ میرے ذہن میں اس کا جو تصور تھا وہ اس کے انقلابی جوش و جذبے کی وجہ سے مزید کندہ ہو گیا۔ اس پر بہتان طرازی اور کام کی اہمیت گھٹانے والی کوششوں کے باوجود، ریٹزل کی ذات اور کارنامے منور ہوتے گئے۔ اس کا مقالہ ''ہمارے بہادر لڑکے کی شان کو سرفراز کرنے والا اور جذبات انگیز مضمون تھا۔'' جس سے وہ میرے دل میں اتر گیا اور میں مجبور ہو گئی کہ اس سے ذاتی مراسم پیدا کروں۔

اس بات کو کوئی پانچ سال ہو چکے تھے جب میں ''آرمر ٹیوفل'' کے مدیر سے ملی تھی وہ ان دنوں نیویارک آیا ہوا تھا۔ اس سے ہونے والی ملاقاتیں میرے ذہن میں صاف صاف موجود تھیں۔ رات ہو چکی تھی مگر میں اب بھی سلائی مشین چلا رہی تھی کہ میں نے اپنی کھڑکی کے جھلملے پر کھٹکھٹانے کی زوردار آوازیں سنیں۔ ''باادب باملاحظہ آوارہ شہزادہ داخل ہو رہا ہے۔'' جسٹس نے بھاری آواز میں ہانک لگائی۔ اس کے جلو میں ایک اور شخص تھا جو ویسا ہی طویل قامت اور چوڑے شانوں والا تھا جتنا جسٹس تھا جسے میں نے فوراً پہچان لیا کہ ہو نہ ہو روبرٹ ریٹزل ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اس کا استقبال کروں اس نے مزاحیہ انداز میں مجھے جھاڑ پلانی شروع کر دی۔ ''تم اچھی انارکسٹ ہو!'' وہ گرجا ''خود ہی فارغ الوقتی کی تبلیغ کرتی ہو اور بحری جہاز کے خلاصی سے زیادہ وقت تک کام کرتی ہو۔ ہم تمہاری بیڑیاں کاٹنے آئے ہیں اور ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے چاہے ہمیں قوت ہی کیوں نہ استعمال کرنی پڑے۔ فوراً چلو، پیاری سی لڑکی، تیار ہو جاؤ! یار باہر نکلو یوں لگتا ہے کہ تم یہ نہیں چاہتیں کہ ہم تمہارے زنانہ حرم سرا میں داخل ہوں۔'' میرے خلاف توقع مہمان باہر والے کھمبے کے لیمپ کی روشنی میں پوری طرح نمایاں تھے۔ ریٹزل کے سر پر ہیٹ نہیں تھا۔ الجھے ہوئے سنہرے بال جو سرمئی مائل ہوتے جا رہے تھے۔ اس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ دیو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

قامت اور طاقتور لگتا تھا جسٹس کے مقابلے میں زیادہ پرشباب اور توانا۔ اس نے کھڑکی کی سل دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی اور متجسس نظروں سے میرے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ ''ملکہ عالیہ آپ کا کیا فیصلہ ہے!'' اس نے استفسارانہ پوچھا ''کیا میں قابل قبول ہوں''؟ ''میں بھی'' میں نے جواباً پوچھ لیا ''آپ کا زمانہ لد گیا'' اس نے جواب دیا ''اب میری باری ہے کہ آپ کو تاج پہناؤں اور آپ کا تاجدار بنوں۔''

بہت جلد میں ان دونوں صاحبان کے درمیان میں تھی اور جسٹس کے اڈے کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں پر ہمارا استقبال بڑے ہاؤ ہو سے ہوا اور ہاوس سال ایرلیبں (وہ یہیں رہتا ہے) کہا گیا اور مزید شراب طلب کی گئی۔ جسٹس نے از راہ نوازش اپنی آستینیں چڑھا لیں اور کاؤنٹر کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا اور کاروبار کو طاق پر رکھ کر میزبان بننے پر مصر ہو گیا۔ روبرٹ نے دل پھینک عاشق کی طرح اپنا بازو پیش کیا اور مجھے میز کی چوٹی تک لے گیا جب ہم درمیانی راستہ طے کر رہے تھے تو جسٹس سویمبر کو پوتر کرنے کے لئے آب حیات برسا رہا تھا۔ مردوں کے پورے گروہ نے نغمہ سرائی کی ذمہ داری سنبھال لی۔ ان کی آوازیں لاجواب تھیں۔

اس اجتماع کا روح رواں روبرٹ تھا۔ اس کا مزاح لطیف شراب سے بھی زیادہ نشہ آور تھا جیسے سارے حاضرین بڑھ چڑھ کر چڑھا رہے تھے۔ اس نے اتنی مقدار انڈیل لی جس سے موسٹ کی مے خواری معمولی لگنے لگی۔ اس کے ڈغڈغا کر پینے سے اس کی گل افشانی گفتار بڑھتی گئی۔ اس کی قصہ گوئی نہایت گلگوں اور پرلطف اور گدگدانے والی تھیں۔ جیسے کسی نالے سے ریلا آ رہا ہو۔ وہ ہانپنے والا نہ تھا جب ان میں سے زیادہ تر چھک چکے تھے تو اس کے بہت دیر بعد تک میرا شہزادہ گا رہا تھا، زندگی اور محبت کے گن گا رہا تھا۔

پو پھٹنے والی تھی جب روبرٹ کے ہمراہ میں نے کوچے میں قدم نکالا اس وقت میں اس کا بازو پکڑے تھی۔ جی میں تو یہ آیا اس پرلطف شخص کو جو میرے پہلو میں چل رہا تھا گلے لگا لوں جو جسم اور ذہن دونوں اعتبار سے اتنا خوبصورت تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ بھی مجھ میں بہت دلکشی محسوس کر رہا تھا جو اس نے رات سے لے کر سحر تک اپنی نگاہوں اور لمس سے ظاہر کی تھی۔ جب میں اس کے ساتھ چل رہی تھی تو میں اس کے شوق کے گرداب کو محسوس کر رہی تھی، ہمیں کہاں جانا چاہئے؟ ایک خیال میرے ذہن میں کوند گیا جب میں جذبات کے جوش میں اس سے لپٹ کر چل رہی تھی اور منتظر تھی کہ وہ کوئی تجویز پیش کرے گا۔

''اور ساشا'' اس نے اچانک پوچھ لیا ''کیا اس عمدہ شخص سے خط و کتابت کرتی ہو؟'' یوں سحر ٹوٹ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں تکلیف اور پریشانی کی دنیا میں ڈھکیل دی گئی ہوں۔ باقی ماندہ پیدل سفر ہم نے ساشا اور اس کی کارروائی کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے گزارا۔ موسٹ کے رویے اور اس کے سنگین نتائج کے متعلق بات چیت کی۔ یہ کوئی اور روبرٹ تھا جو باغی اور ناانصافیوں کے خلاف لڑنے والا شخص نہ تھا۔

میرے دروازے پر اس نے مجھے اپنے بازوں میں لے لیا اور گرم سانسوں میں سرگوشی کی، ''میں تمہارا خواہش مند ہوں! زندگی کے مظالم کو بھول جاؤ۔'' میں نے نہایت نرمی سے اس کی بغل گیری سے خود کو آزاد کرایا ''جان من، بہت دیر ہو چکی ہے'' میں نے جواب دیا ''رات کی مسحور کن صدائیں خاموش ہو چکی ہیں اور دن کے کرخت حقائق سر اٹھا رہے ہیں۔ وہ سمجھ گیا۔ میری آنکھوں میں غور سے جھانکتے ہوئے اس نے کہا ''یہ ہماری دوستی کا آغاز ہے میری بہادر ایما۔ ہم جلد ہی ڈیٹرایٹ میں دوبارہ ملیں گے۔'' میں نے اپنی کھڑکی کے پٹ پوری طرح کھول دیئے اور اس کے کسے ہوئے جسم کی مترنم حرکت کو اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ نکڑ پر مڑ کر اوجھل نہ ہو گیا۔ بقول کسے خیر سے بدھو گھر کو آئے اور میں نے مشین نکال لی۔

ایک سال کے بعد ریٹزل کی علالت کی خبر آئی۔ وہ حرام مغز کے تپ دق میں مبتلا تھا جس کے نتیجے میں اس کا نچلا آدھا دھڑ شل ہو گیا۔ وہ ہین کی طرح صاحب فراش ہو گیا جس کا وہ از حد مداح تھا اور جس سے ایک حد تک احساسات اور فکری طور پر مشابہ تھا۔ لیکن دری سے بنی ہوئی قبر بھی اس کی ہمت شکنی نہ کر سکی۔ اس کی لکھی ہوئی ہر سطر آزادی اور جنگ کا نقارہ تھی۔ اپنے بستر علالت سے اس نے مرکزی لیبر یونین کو آمادہ کیا کہ وہ امسال گیارہ نومبر کی برسی کو خطاب کرنے کے لئے مجھے مدعو کرے۔ ''چند دن پہلے آ جاؤ'' اس نے مجھے لکھا ''تا کہ ہم اپنی دوستی کے سلسلے کو اس وقت سے جوڑ لیں جب میں جوان تھا۔''

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ڈیٹرایٹ میں غروب آفتاب کے وقت پہنچی اسی دن جلسہ تھا۔ مجھے مارٹن ڈریچر لینے آیا تھا جس کی جوش دلانے والی نظمیں آرمریٹوفل میں چھپتی رہتی تھیں۔ میری دلبستگی اور اسٹیشن پر موجود مجمع کی حیرانی دیکھنے والی تھی جب طویل قامت بے ڈھب ڈریچر نے میرے سامنے دونوں گھٹنے فرش پر ٹکا دیے اور گلاب کا ایک گلدستہ پیش کیا اور مندرجہ ذیل فرمان سنایا ''ملکہ معظمہ آپ کے شہزادے کی طرف سے اس کی لافانی محبت کے ساتھ۔'' ''وہ شہزادہ کون ہوسکتا ہے؟ میں نے پوچھا'' بلاشبہ، روبرٹ! کس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ انارکسٹوں کی ملکہ کو پیغام الفت بھیجے؟ مجمع ہنسنے لگا لیکن جو شخص میرے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑا تھا وہ لاتعلق رہا۔ اسے نمونیہ سے بچانے کی غرض سے (فرش پر برف تھی) میں نے یہ کہتے ہوئے ہاتھ بڑھایا: 'اے منصب دار مجھے قلعے میں لے چلو' ڈریچر اٹھ کھڑا ہو پھر رکوع کی حالت میں چلا گیا اپنا بازو میرے ہاتھ میں دیا اور بڑی تکریم سے مجھے ایک گاڑی میں بٹھایا۔ ''رینڈولف ہوٹل چلو'' اس نے احکام جاری کئے۔ وہاں پہنچنے پر میں نے کیا دیکھا کہ روبرٹ کے کئی دوست ہمارے منتظر تھے۔ مالک خود بھی آرمریٹوفل کا مداح تھا ''میرا بہترین کمرہ اور اعلیٰ ترین شراب آپ کے اشارے کی منتظر ہیں۔'' اس نے بالاعلان کہا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ سب روبرٹ کی وضعداری اور دوستی تھی اور لوگ فرش راہ بنے ہوئے تھے جس کی وجہ سے اس کے حلقے میں مجھے محبت اور مہمان نوازی میسر آئی تھی۔

ٹرنر ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ سامعین شام کی معنویت سے بہ خوبی ہم آہنگ تھے۔ تقریب اس طرح مزید تیوہار جیسی ہوگئی جب بچوں نے مل کر نغمے گائے اور مارٹن ڈریچر نے ایک انقلابی نظم لاجواب انداز میں پڑھ کر سنائی طے یہ تھا کہ میں جرمن زبان میں بولوں گی۔ شکاگو کے سانحے کا اثر کئی برس گزرنے کے باوجود ابھی مجھ پر کم نہ ہوا تھا۔ اس رات وہ مزید دلفگار ہوگیا شائید اس کی وجہ روبرٹ ریٹرل کی قربت تھی جو ہمارے شکاگو کے شہیدوں سے واقف تھا ان سے محبت کرتا تھا اور ان کے لئے لڑا بھی تھا لیکن دھیرے دھیرے وہ خود موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ ۱۸۸۷ء کی یادوں نے حقیقت کا روپ دھار لیا ان کی مصلوبی کی جگہ کا نقشہ کھنچ گیا اور مجھ میں ایسا جوش پیدا ہوگیا جس سے میری مدح وثناء نقطۂ عروج کو چھونے لگی۔ زندگی اور امید کے سوتے مہاسُورُ موت سے پھوٹ پڑے۔

جلسے کے اختتام پر مجھے چبوترے پر دوبارہ بلایا گیا اور ایک طلائی رنگ کے بالوں والی پانچ سالہ اپسرا نے مجھے بھاری بھرکم گلدستہ دیا جو سرخ کارنیشن پھولوں سے بنا تھا۔ جو اس منی سی پری کے لئے بہت بھاری تھا۔ میں نے اس بچی کو کلیجے سے لگالیا اور اٹھا کر نیچے اتر گئی گلدستہ بھی لیے رہی۔

ابتدائے شب میں، میں جولاباڈی سے ملی جو ایک ممتاز انفرادیت پسند انارکسٹ اور باغ و بہار شباہت والا شخص تھا۔ اس نے مجھے قابل احترام ڈاکٹر ایچ۔ ایس۔ میکون سے متعارف کرایا۔ دونوں نے اس پر تاسف کا اظہار کیا کہ میں نے انگریزی میں خطاب نہ کیا۔ ''میں خاص طور سے تمہیں کوسنے گیا تھا'' ڈاکٹر میکون نے مجھے مطلع کیا۔ تس پر، جو نے جسے سب لوگ (لاباڈی) کے بجائے پیار سے کہتے، بولا ''ٹھیک ہے تو آپ مس گولڈمان کو اپنے منبر پر کیوں نہیں بلا لیتے؟ یوں آپ ہماری 'گلابی ایما' کو انگریزی میں سن سکتے ہیں''۔ ''یہ آپ نے خوب سجھائی''! منسٹر نے جواب دیا ''لیکن مس گولڈمان تو کلیسا کے خلاف ہیں: کیا آپ وہاں تقریر کریں گی؟ ''جہنم میں بھی'' میں نے کہا ''بشرطیکہ شیطان میرا اسکرٹ نہ کھینچیں'' تو ٹھیک ہے'' وہ خوشی سے بولا ''تم میرے گرجا میں بولوگی نہ کوئی تمہارا اسکرٹ کھینچے گا اور نہ ہی بولتے میں تمہاری زبان پکڑے گا''۔ ہم میں اتفاق پا گیا کہ میں انارکزم پر تقریر کروں گی یہ ایسا موضوع ہے جس کے متعلق لوگوں کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

میرے شہزادے نے مجھے پھول بھیجے تھے اس کے ساتھ ایک رقعہ بھی تھا جس میں کہا گیا تھا کہ جلسہ ختم ہونے کے بعد میں کسی بھی وقت اس سے ملنے آجاؤں اس لئے وہ جاگتا رہے گا۔ یہ تعجب کی بات تھی کہ ایک بیمار آدمی دیر تک جاگتا رہے۔ لیکن ڈریچر نے مجھے اطمینان دلایا کہ غروب آفتاب کے بعد روبرٹ ہشاش بشاش ہوجاتا ہے۔ اس کا گھر کوچے کے آخر میں پڑتا تھا جہاں سے ایک وسیع قطعہ اراضی نظر آتا تھا۔ اس کا نام روبرٹ نے لوگنسلیڈ رکھا تھا۔ گزشتہ ساڑھے تین برس میں یہ واحد منظر تھا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جسے روبرٹ دیکھ سکتا تھا۔ حالانکہ اپنے زورِ تخیل سے جو نہایت واضح اور ظلمات میں رخنہ ڈالنے والا تھا سارے جہاں کے تمام خطوں اور موسموں میں بھٹکتا رہتا تھا اور وہاں کی تمدنی دولت کے چھٹوں سے کشید کرلاتا تھا۔ اس کی مچانی کھڑکی سے نکلتی چمک دار روشنی بہت دور سے نظر آتی تھی اور خیال روشنی کے مینار کی طرف جاتا تھا جس کا رکھوالا روبرٹ ریٹرل تھا۔ اس کے گھر سے گانوں اور قہقہوں کی صدائیں آ رہی تھیں۔ ریٹرل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے اسے لوگوں سے بھرا پایا۔ وہاں دھواں اتنا کثیف تھا کہ اس نے روبرٹ کے چہرے کو ڈھانپ لیا تھا اور دیگر لوگوں کے چہرے دھندلا گئے تھے۔ اس نے بہت چہک کر آواز لگائی ''تکیے میں آمد پر خوش آمدید! آپ کے پرستار شہزادے کے حجرے میں تشریف آوری کا شکریہ!'' روبرٹ ایک سفید رنگ کی قمیص میں ملبوس تھا جس کا گریبان کھلا ہوا تھا بستر میں تکیوں کے پہاڑ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے راکھ جیسے رنگ کے چہرے، بالوں میں بڑھتے ہوئے سرمئی رنگ اور اس کے پتلے شفاف ہاتھوں کو چھوڑ کر کوئی ایسی علامت نہ تھی جس سے اس کی علالت ظاہر ہو۔ صرف آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ کس شہادت کا وہ سامنا کر رہا ہے۔ بے فکری کی چمک ان میں سے ختم ہو چکی تھی۔ بڑے داخلی کرب کے ساتھ میں نے اپنے بازو اس کے گرد حمائل کر دیے اور اس کے خوبصورت سر کو چھاتی سے لگا لیا۔ ''ممتا کی یہ ارزانی'' اس نے ہلکا سا احتجاج کیا ''کیا تم اپنے شہزادے کو نہ چوموگی؟'' کیوں نہیں میں ہکلانے لگی۔

میں کمرے میں موجود دیگر لوگوں کو تقریباً فراموش کر بیٹھی تھی جن سے روبرٹ نے مجھے متعارف کرانا شروع کیا ''سماجی انقلاب کی بی اماں'' ''انہیں دیکھو'' وہ چلایا کیا یہ اس عفریت سے ملتی جلتی ہے جس کا نقشہ ہماری صحافت کھینچتی ہے۔ کیا یہ انتقام کی دیوی لگتی ہے؟ اس کے سیاہ لباس اور سفید کالر کو غور سے دیکھو کتنی باحیا اور باوقار ہے۔ بالکل راہبہ جیسی ہے۔ میں سراسیمہ اور شرمندہ ہوئی جا رہی تھی۔ تم میری اس طرح تعریف کر رہے ہو گویا میں ایک گھوڑی ہوں جسے تم فروخت کرنا چاہ رہے ہو۔ بالآخر میں نے دبی زبان سے احتجاج کیا۔ اس بات سے وہ قطعاً بے لطف نہ ہوا۔ ''کیا میں نے یہ نہیں کہا کہ تم باحیا اور باوقار ہو''؟ اس نے فاتحانہ انداز میں اعلان کیا۔ اے کنیا تم اپنے شایانِ شان نہیں رہتیں۔ وہ پکارا ''ہمیں اس دیوی کے لئے جامِ صحت پینا چاہئے'' کئی لوگ روبرٹ کی پلنگ کو گھیر کر کھڑے ہو گئے اور جام ان کے ہاتھ میں تھے۔ میرا البیلا ایک سانس میں تلچھٹ تک پی گیا اور پھر جام کو دیوار پر دے مارا ''ایما اب ہم میں سے ہے اور مہر بھی لگ چکی ہے اور ہم سب آخری سانس تک ساتھ نبھائیں گے!''

جلسے کی روداد اور میری تقریر کی تفصیلات میرے پہنچنے سے پہلے ہی ریٹرل تک پہنچ چکی تھیں۔ جریدے کا منیجر اس کی جگمگاتی نقل پہنچا چکا تھا۔ جب میں نے میکوان کی دعوت کا ذکر کیا تو روبرٹ جھوم اٹھا۔ وہ محترم ڈاکٹر سے واقف تھا جسے وہ ''ارواح کے محافظ ادارے'' کے نایاب مسٹیات میں سے سمجھتا تھا۔ میں نے بلیک ویل جزیرے میں اپنے دوست کا ذکر چھیڑ دیا، نوجوان پادری کا اور بتایا کہ وہ کتنا عمدہ اور صاحبِ علم تھا۔ ''افسوس صد افسوس تم اس سے زمانہ اسیری میں ملیں'' روبرٹ نے مجھے چھیڑا۔ ''دوسری صورت میں تم اس کو خود پر فریفتہ عاشق پاتیں۔'' اس نے جواب دیا۔ خاطر جمع رکھو میں کسی پادری پر کبھی عاشق ہونے والی نہیں ہوں۔ جان من یہ فضول بات ہے..... عشق نہ پوچھے ذات۔'' اس نے جواباً کہا ''میں نے ہر گاؤں اور قصبے کی لڑکیوں سے عشق کیا ہے جو تمہارے پادری کے مقابلے میں پاسنگ بھر بھی دلچسپ نہ تھیں۔ عشق کسی قسم کے 'ازم' کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اور یہ بات تمہاری سمجھ میں اس وقت آئے گی جب تم عمر رسیدہ ہو جاؤ گی'' تنگ آ کر میں نے کہا کہ یہ باتیں میں سمجھتی ہوں اور میں بچی نہیں ہوں اور میرا سن شریف انتیس برس کا ہے۔ مجھے اعتماد ہے کہ میں کسی ایسے شخص سے محبت نہیں کر سکتی جو میرا اہم خیال نہ ہو۔

اگلی صبح میں ہوٹل والوں کے اس اعلان پر جاگی کہ کوئی درجن بھر اخباری نمائندے میرا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس بات کے لئے بے چین تھے کہ میں ڈاکٹر میکوان کے گرجا گھر میں کن موضوعات پر اظہار خیال کروں گی۔ انہوں نے مجھے صبح کے اخبارات دکھائے جن میں جلی سرخیاں کچھ یوں تھیں ''ایما نے ممتا والی جبلت دکھائی' آزادانہ جنس کاری کی مبلغ ڈیٹرایٹ کے منبر پر'' ''سرخ ایما میکوان کا دل لوٹ لیتی ہے''..... اجتماعات کا گرجا گھر انارکزم اور آزاد جنس کاری کی زرخیز آماجگاہ میں بدل گیا۔'' آئندہ چند دنوں تک ڈیٹرایٹ کے ہر اخبار میں گرجا گھر کی امکانی بے حرمتی اور ''سرخ ایما'' کی وجہ سے اجتماع میں بدشگونی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اور آنے والی تباہی کا ذکر ہوتا رہا۔ یہ خبریں بھی آئیں کہ کمیٹی کے ارکان رکنیت چھوڑ دینے کی دھمکی دے رہے ہیں یا اس کا گھیراؤ کر رہے ہیں یہ خبریں یکے بعد دیگرے آتی رہیں۔ ''اس کے معنی ہوئے اس غریب کی گردن پر پھندا تنگ ہو رہا ہے'' یہ سب میں نے ریٹرل سے اس وقت کہا جب میں جلسے سے ایک دن پہلے اس سے ملی۔'' اور میں کئی نزاع کا سبب بننا نہیں چاہتی'' لیکن روبرٹ کے خیال میں ڈاکٹر اس کے مضمرات سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس کے لئے محض یہ کافی تھا کہ وہ ثابت قدم رہے اگر وہ اپنی مختار کل حیثیت کو آزمانا چاہتا ہے۔'' کچھ بھی ہو میں دستبردار ہونے کی درخواست ضرور کروں گی۔'' میں نے تجویز پیش کی ''یوں میکوان کے لئے اپنی دعوت کو واپس لے لینے کی گنجائش نکل آئے گی اگر وہ ایسا کرنا چاہئے'' ایک دوست کو منسٹر کی طرف روانہ کیا گیا لیکن اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ وہ اپنے منصوبے پر عملدرآمد چاہتا ہے اور نتائج کی اسے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ایسا کلیسا جو انتہائی بدنام شخص یا فرقے کو اظہار کی آزادی کا حق دینے سے انکار کرتا ہے وہ جگہ میرے لئے نہیں ہے۔'' اس نے کہا'' مجھ پر پڑنے والے برے مضمرات کی تم فکر نہ کرو۔''

گرجا کے اندر مقدس چھولداری میں جلسے کی صدارت ڈاکٹر میکوان نے کی۔ انہوں نے اپنی مختصر تقریر میں جو تحریر شدہ تھی اس میں اپنی ذاتی حیثیت کے متعلق بیان کیا۔ وہ خود انارکسٹ نہیں تھا۔ اس نے برملا اعتراف کیا۔ اس نے اس پر کبھی بھی خاص توجہ نہیں دی اور فی الواقع اس کے متعلق نہایت کم جانتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ گیارہ نومبر کی رات کو ٹرنر ہال جا پہنچا۔ بدقسمتی کی بات یہ ہوئی کہ ایما گولڈ مان نے جرمن زبان میں تقریر کی۔ اور جب کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ اگر وہ چاہے تو اس کے منبر پر سے انگریزی میں تقریر ہو سکتی ہے۔ اس نے اسے بلا تامل قبول کر لیا۔ وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس گرجا کے ارکان ایسی عورت کی تقریر سن کر خوش ہوں گے جو برس ہا برس سے دار و گیر کا شکار رہی ہے اور اسے 'سماج کے لئے خطرہ' گردانا جا رہا ہے۔ جبکہ بطور نیک مسیحی کے اس کے خیال میں حاضرین اعلیٰ ظرف ثابت ہوں گے۔ اس کے بعد اس نے منبر میری طرف کر دیا۔

میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں خود کو انارکزم کے اقتصادی جہت تک محدود رکھوں گی اور جہاں تک ممکن ہو مذہبی اور جنس سے متعلق مسئلے کو نہ چھیڑوں گی۔ اپنی دانست میں یہ مجھ پر اس لئے واجب تھا تاکہ میں اس شخص کا سہارا بنوں جو اتنا جرأت مندانہ موقف اختیار کئے تھا۔ کم از کم مجمع کو اس شکایت کا موقع نہ ملے کہ میں نے گرجا کی مقدس چھولداری کے منبر پر سے خدا پر حملہ کیا یا شادی کے ادارے کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کی۔ میں اپنے تصور سے بڑھ کر کامیاب رہی۔ میری تقریر کو ئی گھنٹہ بھر چلی۔ اسے بلا کسی مداخلت کے سنا گیا اور خاتمے پر بہت داد ملی۔ ''ہم جیت گئے!'' ڈاکٹر میکوان نے میرے کان میں اس وقت سرگوشی کی جب میں بیٹھ رہی تھی۔

اس کی خوشی عاجلانہ ثابت ہوئی۔ تالیوں کی گونج بہ مشکل دھیمی ہوئی ہوگی کہ ایک عمر رسیدہ عورت جھگڑالو انداز میں کھڑی ہوگئی۔ ''جناب چیئرمین'' اس نے مطالبہ کیا ''مس گولڈ مان خدا پر یقین رکھتی ہے یا نہیں؟'' اس کے بعد دوسرا سوال آیا ''کیا مقررہ تمام حکمرانوں کے قتل کی حامی ہے؟'' اس پر ایک لاغر سا شخص تن کر کھڑا ہو گیا اور منمنی آواز میں چیخا ''مس گولڈ مان! تم آزاد جنس کاری پر یقین رکھتی ہو، کیا ایسا نہیں ہے؟ کیا تمہارے نظام کے آنے کے نتیجے میں روشنی کے ہر کھمبے تلے جسم فروشی کے اڈے نہ قائم ہو جائیں گے؟''

مجھے ان لوگوں کے جوابات کھڑے ہو کر دینا ہوں گے۔ میں نے منسٹر کو جتا دیا ''جو چاہے کیجئے'' اس نے جواب دیا۔ ''خواتین و حضرات'' میں نے شروع کیا ''میں یہاں اس نیت سے آئی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو آپ کے بتاشے نہ کچلوں۔ میرا ارادہ تھا کہ اقتصادیات کے اساسی مسئلے کو زیر بحث لایا جائے جو ہماری زندگی کے تمام مراحل یعنی مہد سے لحد تک کو متعین کرتا ہے قطع نظر مذہب اور اخلاقی عقائد کے۔ اب میں یہ سمجھتی ہوں کہ میں غلطی پر تھی۔ اگر کوئی میدان جنگ میں اترتا ہے تو اسے چند بتاشے ٹوٹ جانے پر جی نہ چھوڑنا چاہئے۔ اس لئے میرے جوابات حاضر ہیں۔ میں خدا پر یقین نہیں رکھتی کیونکہ میں انسان پر ایمان رکھتی ہوں۔ اس کی غلطیاں رہیں ایک طرف، انسان ہزار ہا برس سے اس میں سرگرداں ہے کہ کس طرح اس کباڑ کو ٹھکانے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

لگایا جائے جس کا آپ کے خدا نے انبار لگا دیا ہے۔ ہال میں ہاہا کار مچ گئی۔ ''توہین توحید، بدعتی اور گناہ گار!'' عورتیں چلائیں ''اسے روکو! اسے نکال باہر کرو!''

جب شور وغل بند ہوا تو میں نے شروع کیا ''جہاں تک حکمرانوں کے قتل کا معاملہ ہے اس کا تمام انحصار حکمران کے کرتوتوں پر ہے۔ اگر یہ روسی زار ہے تو میرے نزدیک اس کو وہاں روانہ کر دیا جانا چاہئے جہاں کا وہ حقدار ہے۔ اور اگر حکمراں امریکی صدر کی طرح غیر موثر ہے تو وہ بہ مشکل کسی کارروائی کا مستحق ہے۔ تاہم چند ایسے حکمراں بھی موجود ہیں جنہیں تمام حربے اور ہر وہ ذریعہ جو میرے بس میں ہے اسے استعمال کر کے میں قتل کرنا چاہتی ہوں۔ وہ ہیں غفلت، توہم پرستی اور مذہبی تنگ نظری۔ روئے زمین کے سب سے زیادہ منحوس اور مستبد حکمراں یہ ہیں۔ جہاں تک اس معزز شخص کا تعلق ہے جنہوں نے کہا تھا کہ آزادانہ جنس کاری سے کہیں جسم فروشی کے مزید اڈے نہ قائم ہو جائیں گے تو ان کے لئے میرا جواب ہے: آج والے اڈے بھایں بھایں کرنے لگیں گے اگر مستقبل کے مرد آپ جیسے ہوں۔''

فوراً ہی شور وغوغا برپا ہو گیا۔ چیئرمین نے منبر پیٹ کر نظم وضبط بحال کرنے کی ناکام کوشش کی۔ لوگ بنچوں پر کودنے لگے ہیٹ لہرانے لگے چیخے جاتے اور اس وقت تک گرجا گھر خالی کر دینے پر تیار نہ ہوئے جب تک روشنیاں نہ گل کر دی گئیں۔

اگلی صبح کے تمام اخبارات نے مقدس چھولداری کے گرجا گھر کی محفل کو شرمناک اور رسوا کن تماشا لکھا۔ ڈاکٹر میکوآن کے اس اقدام کو جو اس نے مجھے مقدس چھولداری میں تقریر کرنے کی اجازت دی تھی اس کی عام طور پر مذمت کی گئی۔ یہاں تک کہ لاادریت کا معروف مبلغ روبرٹ انگرسول بھی سب کی تال میں تال ملانے لگا۔ ''میرے نزدیک سارے انارکسٹ دیوانے ہیں' ایما گولڈمان بھی ان میں شامل ہے۔'' اس کے بیان کے مطابق۔ ''میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ محترم ڈاکٹر میکوآن ایک وسیع قلب آدمی ہیں..... وہ بالکل خوف زدہ نہ ہوئے۔ تاہم، یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے کہ کسی ننگی مرد یا عورت کو عوامی اجتماع سے خطاب کرنے کو بلایا جائے۔ ڈاکٹر میکوآن گرجا گھر سے مستعفی ہو گئے۔ ''میں ایک کان کنی کے قصبے میں جا رہا ہوں'' اس نے مجھے بتایا۔ ''مجھے یقین ہے کہ کانکن میرے کام کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھیں گے۔'' مجھے بھی یقین تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔

نیویارک سے میری روانگی کے بعد اڈے سے خط وکتابت محض دوستانہ رہ گئی جس میں کشیدگی بھی تھی۔ جب میں ڈیٹرایٹ پہنچی تو مجھے اس کا طویل خط ملا جس میں قدیم وارفتگی کا زور تھا۔ اس میں ہمارے آخری تماشے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ وہ بڑی بے چینی سے میری واپسی کا منتظر تھا۔ اس نے لکھا۔ ''اسے توقع ہے کہ تعطیلات گزارنے کے لئے میں اس کے پاس چلی جاؤں گی۔'' جب کسی کی دل کی ملکہ عوامی سرگرمیوں سے شادی کر لے تو آدمی کو کم پر اکتفا کر لینا چاہئے'' اس کا خط یہ بتاتا تھا۔ میرے خواب وخیال میں بھی یہ نہ تھا کہ اڈ کم پر اکتفا کرنے والا ہے۔ لیکن میں سمجھتی کہ وہ میری ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اڈ سے بہت محبت کرتی تھی اور اس سے ملنا چاہتی تھی۔ لیکن میں اپنے کام کو جاری رکھنے پر بھی مصر تھی۔ مجھے وہ بے طرح یاد آتا، تاہم اس کی کشش کا اثر مجھ پر اب تک ختم نہ ہوا تھا۔ میں نے اسے تار بھیجا میں بہن ہیلینا سے ملنے روانہ ہو رہی ہوں اور ہفتہ بھر میں اس سے آملوں گی۔

جیل سے رہائی کے بعد میں نے مختصر مدت کے لئے روچسٹر کا پھیرا لگایا تھا۔ میں ۱۸۹۹ء سے روچسٹر نہیں گئی تھی۔ لگتا صدیاں بیت چکی ہوں مجھ پر کیا نہیں گزری۔ میری عزیز بہن ہیلینا کی زندگی میں بھی چند خوشگوار تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ ہوکسٹین ایک آرام دہ علاقے میں ایک چھوٹے سے گھر میں اٹھ آئے تھے جس کے عقب میں تھوڑا سا سبزہ بھی تھا۔ ان کی دخانی جہازوں کی ایجنسی تھی جہاں سے یافت کم ہونے کے باوجود اس نے ان کی حالت بہتر کر دی تھی۔ ہیلینا اب بھی زیادہ بوجھ اٹھائے تھی۔ اس کے بچے اس سے پہلے سے زیادہ توقعات رکھتے اور یہی کاروبار کا حال تھا۔ ان کے زیادہ تر گاہک لیتھونیا نژاد یا لیٹش کسان تھے جو ریاست ہائے متحدہ میں سخت ترین محنت والے کام کرتے۔ ان کی اجرتیں معمولی ہوتیں اس کے باوجود وہ کسی نہ کسی طرح اپنے کنبے والوں کو رقوم ارسال کرتے اور انہیں امریکہ بلواتے۔ غربت اور چاکری نے انہیں شکی اور بے حس بنا دیا تھا۔ اور ان سے معاملہ کرنے کے لئے ہوشمندی اور صبر کی ضرورت درکار تھی۔ میرا بہنوئی جیکب جو عموماً خود کو لئے دیئے رہتا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اور خاموش طبع تھا اس وقت اکثر بگڑ جاتا جب ایسی حماقت سے واسطہ پڑتا۔ اگر ہیلینا نہ ہوتی تو بہت سے گاہک عالم فاضل جیکب ہوکسٹین کو چھوڑ کر کسی اور کاروباری آدمی کی طرف رخ کر لیتے۔ اسے متلاطم پانی کو رواں کرنا آتا تھا۔ اس کی ہمدردیاں ان اجرتی غلاموں کے ساتھ تھیں اور وہ ان کی نفسیات سے واقف تھی۔ وہ انہیں ٹکٹ بیچنے اور رقوم ارسال کرنے کے علاوہ بھی بہت کچھ کرتی وہ ان کی بنجر زندگیوں میں داخل ہو جاتی۔ وہ ان کے گھر والوں کے لئے خط لکھتی اور کئی تکالیف میں مدد کرتی۔ صرف یہی لوگ نہ تھے جنہیں ہیلینا تسلی اور امداد فراہم کرتی قریب قریب قرب و جوار کے تمام لوگ اپنے مسائل اس کے پاس لاتے۔ اور میری لاجواب، بہن پوری توجہ سے ہر ایک کے دکھ درد سنتی۔ اس کی زبان پر کبھی شکایت کا حرف نہ آتا اور نہ ہی اپنی ناکام حسرتوں، جوانی کے خوابوں اور تمناؤں کے لئے ماتم کناں ہوتی۔ مجھے اس کا گہرا احساس تھا کہ اس نایاب مخلوق پر کتنی توانائی صرف ہوئی ہوگی۔ اس کی ننھی سی ذات میں ایک کائنات سمٹ گئی تھی۔

جس روز میں پہنچی اس دن ہیلینا کے پاس بات چیت کی مہلت نہ تھی۔ رات میں جب بچے سو گئے اور دفتر بند ہو گیا تب ہم گفتگو کر سکے۔ وہ میری زندگی کی سرگرمیوں کی ٹوہ میں نہ رہتی۔ میں اسے جو کچھ بتا دیتی وہ اسے فہمیدہ انداز میں اور محبت سے قبول کر لیتی۔ وہ زیادہ تر بچوں کے متعلق باتیں کرتی۔ اپنے اور لینا کی اور والدین کی کٹھن زندگی کے متعلق۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کن وجوہ پر متواتر والد کی تکالیف کا ذکر کرتی رہتی ہے۔ وہ اس میں کوشاں تھی کہ میں والد کے قریب ہو جاؤں اور ہم میں مفاہمت ہو جائے۔ ہماری مخاصمت سے اسے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ جس نے بڑھ کر نفرت کا روپ دھار لیا تھا۔ وہ میرے جوابی پیغام پر دہشت زدہ ہو گئی تھی جو تین سال ہونے کے بعد میں نے باپ کے قریب المرگ ہونے کی اطلاع ملنے پر بھیجا تھا۔ اس کے نرخرے کی ایک خطرناک جراحی ہوئی تھی اس لئے ہیلینا نے مجھے بلایا تھا کہ مجھے اس کے بستر کے پاس آ کر بیٹھنا چاہئے۔ ''اسے تو بہت پہلے مر جانا چاہئے تھا'' میں نے بذریعہ تار جواب دیا۔ اس دن سے وہ متواتر کوشش کر رہی تھی کہ میرا رویہ اس شخص کے لئے بدل جائے جس نے اپنی ترش روئی کے سبب ہم سب کے بچپن کو عذاب میں ڈالے رکھا۔

ہمارے ماضی کی غمگین یادوں نے ہیلینا کو مزید کریم اور فیاض بنا دیا۔ یہ اس کی حسین روح تھی اور میری ذاتی بالغ نظری تھی جس نے میرے اندر باپ سے عناد کے گھاؤ کو بھر دیا یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ستم شعاری کے بجائے جہالت ہوتی ہے جس کی وجہ سے بے یار و مددگار بچے والدین کے ہاتھوں ظلم و ستم کا نشانہ بنتے ہیں۔ روچسٹر میں ۱۸۹۴ء میں اپنے مختصر قیام کے دوران میں پانچ سال میں ایک مرتبہ والد سے ملی تھی۔ کشیدگی اب بھی موجود تھی مگر خصومت ختم ہو چکی تھی۔ اس پھیرے میں میں نے پایا کہ والد جسمانی لحاظ سے ٹوٹ چکے ہیں۔ اپنی سابق طاقتور اور توانا ذات کا سایہ لگتے تھے۔ ان کی حالت مستقلاً بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ خشک میوے کی دکان پر دس گھنٹے یومیہ کام، ان کی کمزور ہوتی اور پر تشویش صحت کے لئے تباہ کن تھا۔ اس پر مستزاد طنزیہ حملے اور دیگر اہانتیں تھیں جو انہیں برداشت کرنا پڑتی تھیں۔ وہ وہاں واحد یہودی اور پچاس سالہ غیر معمولی شخص تھے جو ملکی زبان سے مانوس نہ تھے۔ بیشتر نوجوان جوان کے ساتھ کام کرتے تھے ان کے والدین غیر ملکی تھے لیکن انہوں نے امریکیوں کی بدترین خصلتیں اختیار کر لی تھیں اور کوئی خوبی نہ قبول کی تھی۔ سب ہی اکھڑ، کندہ ناتراش اور سنگدل تھے۔ وہ انہیں ''گھامڑ'' سمجھ کر نظر بندی اور عملی مذاق کا تختۂ مشق بناتے۔ انہیں اتنی مرتبہ ذلیل کیا اور ہراساں کیا جاتا کہ وہ بے ہوش ہو ہو جاتے۔ انہیں گھر پہنچایا جاتا جہاں انہیں مجبور کیا جاتا کہ وہ کام پر واپس جائیں وہ ملازمت ترک کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے جہاں انہیں دس ڈالر ہفتہ ملتا۔

باپ کو اتنا علیل اور خستہ حال دیکھ کر ان کے خلاف ناراضی کا آخری خیال بھی ذہن سے محو ہو گیا۔ میں انہیں اس استحصال شدہ اور بردہ ساز نظام کا ایک حصہ سمجھنے لگی جس کے خلاف میں جمی رہی اور کام کر رہی تھی۔

آپس کی بات چیت میں ہیلینا ہمیشہ یہی استدلال کرتی کہ ہمارے والد میں عنفوان شباب سے تشدد کا سبب ان میں غیر معمولی توانائی کا ہونا تھا جس کی معقول نکاسی پولپلان جیسے چھوٹے سے مقام پر ممکن نہیں تھی۔ وہ اپنے اور کنبے کے لئے بڑے عزائم رکھتے تھے۔ وہ بڑے شہر جانے کے خواب دیکھتے اور وہاں پر بڑے کارنامے انجام دینا چاہتے تھے۔ کسانوں کی گزر اوقات کے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

لئے زمینوں سے محض اتنا ملتا جس سے جسم وروح کا رشتہ برقرار رہے۔

مگر یہودیوں کی اکثریت جن پر عملاً تمام پیشوں کے دروازے بند تھے کسانوں کے طفیلی بن کر رہتے۔ والد صاحب اپنی انتہائی دیانتداری کے سبب ان داؤں پیچ کے لئے ناموزوں تھے۔ یوں ان کے ذاتی افتخار میں اتنی لچک بھی نہ تھی کہ وہ سرکاری اہل کاروں کی جھڑکیاں سہیں جن سے ان کا روزانہ واسطہ پڑتا۔ اپنی صلاحیتوں کے معقول مصرف کے لئے مواقع کی کمی تھی جس نے انہیں چڑچڑا کر دیا اور بدخصلت بنا دیا یوں وہ اپنے قریبی لوگوں کے لئے سخت گیر ہو گئے۔

عوام الناس کی زندگیوں میں برس ہا برس تک دخیل رہ کر، جن میں جیل کے اندر اور باہر ملنے والے سماجی مظلوموں اور کتب بینی نے مجھے یہ سمجھایا کہ یہ سب کچھ بھٹکی توانائی کا نتیجہ ہے جس کا کتنا شیطانی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ میرے سامنے کئی ایسی مثالیں آئیں جن میں لوگوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بڑی امیدوں اور اونچے عزائم سے کیا مگر معاندانہ ماحول نے انہیں ناکام بنا دیا۔ جس کا عمومی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ وہ لوگ منتقم مزاج اور بے رحم ہو گئے۔ جو فہم وفراست میں نے اپنی جدوجہد کے ذریعے حاصل کی وہ میری بہن کو اس کی انتہائی حساس طبیعت والی فطرت اور خلاف معمول وجدانیت نے فراہم کر دی۔

اپنے اس پھیرے کے دوران میں اپنی بہن لینا اور اس کے اہل خانہ سے بھی خوب ملتی رہی۔ اس کے اب تک چار بچے ہو چکے تھے اور پانچویں کی آمد آمد تھی۔ وہ بار بار کی ولادتوں اور اخراجات پورے کرنے کی جدوجہد میں نحیف اور لاغر ہو چکی تھی۔ لینا کی زندگی میں صرف ایک ہی خوشی رہ گئی تھی وہ بچوں سے تھی۔ ان میں سب سے زیادہ شوخ وشنگ ننھی اسٹیلا تھی۔ وہ میرے لئے روچسٹر کے تاریک ایام میں بھی قطب ستارہ تھی۔ اب وہ دس سال کی تھی۔ نہایت ذہین، بہت حساس اور اپنی خالہ ایما کے لئے مبالغہ آمیز اور انوکھے تخیلات کی حامل تھی۔ وہ مجھے ٹانٹے ایما کہتی تھی۔ میرے سابقہ پھیرے کے بعد سے وہ مجھ سے خط وکتابت کرنے لگی جس میں اساطیری انداز میں نوعمر ذات کی ہوک کا ذکر انتہائی مبالغہ آمیزی سے ہوتا۔ اس کے والد کی اس سے بے التفاتی اور اس کی چھوٹی بہن سے بے جا دلار اس حساس بچی کے لئے فی الواقع بڑے سانحات تھے۔ اپنی بہن کے ساتھ ایک ہی بستر پر سونا اس کے لئے اندوہناک تھا۔ ان مسائل پر توجہ دینے کے لئے اس کے بزرگوں کے پاس وقت نہ تھا مزید براں وہ اتنے غریب تھے کہ اسے علیحدہ بچھونے کی جگہ کہاں سے دیتے۔ لیکن میں اسٹیلا کے دکھ کو سمجھتی تھی۔ اس کا سانحہ ویسا ہی تھا جیسا کہ میں اس عمر میں جھیل چکی تھی۔ مگر مجھے یہ بھی اطمینان حاصل تھا کہ ننھی کو بڑی خالہ ہیلینا کی سرپرستی حاصل ہے۔ جسے وہ اپنے دکھ درد بیان کر سکتی ہے۔ اور اس پر بھی مطمئن تھی کہ وہ مجھے اپنا راز دار سمجھتی ہے۔ ''میں ان لوگوں سے نفرت کرتی ہوں جو ٹانٹے ایما کی بدخوئی کرتے ہیں۔'' یہ اس نے اس وقت لکھا جب صرف سات برس کی تھی۔ ''جب میں بڑی ہو جاؤں گی تو پھر ان سے نبٹ لوں گی۔''

میرا بھائی ایگور بھی تھا۔ چودہ برس کی عمر تک وہ امریکی لڑکوں کی طرح رہا' اکھڑ اور وحشی۔ وہ ہیلینا سے اس لئے محبت کرتا تھا کیوں کہ وہ اسے بہت چاہتی تھی۔ بظاہر میری ذات کا اس کے ذہن پر کوئی اثر نہ تھا۔ میں صرف اس کی ہمشیرہ تھی لینا کی طرح..... جس سے کوئی جذبات انگیز تعلق نہ تھا۔ مگر جب میں ۱۸۹۹ء میں آئی تو لگا جیسے اس کے دل میں میرے لئے گہری الفت پیدا ہو گئی ہو۔ اسی دن سے اسٹیلا کی مانند وہ مجھ سے قربت محسوس کرنے لگا شائید اس کا یہ سبب ہو کہ میں نے والد سے یہ بات منوالی کہ اس لڑکے کو اسکول جانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ ایگور پڑھنے لکھنے میں بڑا ہوشیار تھا اس لئے مردضعیف اسے عالم فاضل بنانا چاہتا تھا حقیقت یہ تھی کہ یہ اس کی دیرینہ شکستہ آرزو تھی جس نے پھر سے انگڑائی لی تھی۔ اس کے بڑے بیٹے ہرمین نے اس معاملے میں اسے مایوس کر دیا تھا۔ وہ دستکاری میں معجزے دکھا سکتا تھا لیکن اسکول سے متنفر تھا۔ آخر کار ابا کی یہ امید بھی دم توڑ گئی کہ ہرمین بڑا ہو کر کوئی ''پیشہ ور شخص'' بنے گا۔ اس نے اسے مشین کے کارخانے میں لگا دیا جہاں لڑکے نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ کتاب کے سادہ اسباق کے مقابلے میں پیچیدہ مشینوں کے درمیان میں اسے کہیں زیادہ چین ملتا تھا۔ اس نے تو اپنا جون بدل لیا سنجیدہ اور ارتقاء فکر والا۔ ابا اب تک اپنی ناکامی نہ بھلا پائے تھے۔ لیکن امید ازل تک رہنے والی شے ہے روپ بدل کر نمودار ہو جاتی ہے۔ ایگور چونکہ اسکول میں ٹھیک چل رہا تھا والد پھر سے کالج کی سندوں کے خواب دیکھنے لگے۔ لیکن ان کے منصوبوں پر پھر سے اوس

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پڑ گئی۔ تاہم میری آمد سے مسئلہ سلجھ گیا۔ میرے استدلال نے جو اپنے ''بے بی'' بچے کے حق میں دینے ان کا کہیں زیادہ اثر ہوا بمقابلہ ان التجاؤں کے جو عرصہ ہوا میں نے اپنے واسطے کی تھیں۔ ایگور اسی کارخانے میں کام پر جانے لگا جہاں ہرمین کرتا تھا اس کے بعد لڑکے میں ایک اساسی تبدیلی رونما ہوئی۔ وہ مطالعے کا رسیا ہو گیا۔ ایک کارکن کی زندگی جو کھانے کا ناشتہ دان لئے ہو اس کی نگاہوں سے گر گئی۔ کارخانہ اس میں ہونے والے شور اور بدتہذیبی کے خلاف اس نے بغاوت کر دی۔ پڑھنا لکھنا ہی اب اس کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ مزدوروں کی خستہ حالی دیکھنے سے ایگور کی قربت مجھ سے بڑھ گئی۔ تم میری دیوی بن چکی ہو'' اس نے مجھے لکھا ''تم جیل کاٹ چکی ہو' تم عوام سے وابستہ ہو اور نوجوانوں کے مقاصد سے باخبر ہو۔'' اس کی بیداری میرے لئے باعث اطمینان تھی۔ اس نے مزید کہا۔ اس کی امیدوں کا مرکز میں ہوں۔ یہ صرف میری ذات ہے جو باپ کو اس بات پر آمادہ کر سکتی ہے کہ مجھے نیویارک جانے دیں۔ وہ مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بات تعجب کی ہے کہ خوش ہونے کے بجائے ابا معترض تھے۔ ان کا اس متلون لڑکے پر سے اعتبار اٹھ چکا تھا۔ انہوں نے اعلان کر دیا۔ اس کے علاوہ ایگور جو اجرت کما رہا تھا اس کی اب اس لئے زیادہ ضرورت تھی کیونکہ ان کی صحت گرتی جا رہی تھی اور ان کے لئے کام کرتے رہنا ممکن نہ تھا۔ خوشامد درآمد میں کئی دن لگ گئے اور مجھے یہ وعدہ بھی کرنا پڑا کہ میں نیویارک میں اپنے گھر میں اسے رکھوں گی تب کہیں جا کر وہ نرم پڑے۔ یہ ایگور کی تمنا تھی تب جا کر اسے اندازہ ہوا کہ اس کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے والا ہے۔ یوں میں نے اس کی پائیدار محبت جیت لی۔

اس مرتبہ روچسٹر میں میرا کنبے کے ساتھ قیام کا یہ پہلا موقع تھا جب کوئی بدمزگی نہ ہوئی۔ یہ میرے لئے ایک نایاب تجربہ تھا کہ ان لوگوں نے مجھے گرم جوشی اور محبت دی جو میرے لئے ہمیشہ سے غیر تھے۔ میری چہیتی بہن ہیلین اور دو نوجوان جانوں نے جنہیں میری ضرورت تھی میری اس طرح سے مدد کی جس سے والدین سے میرے قریبی راہ و رسم کی راہ ہموار ہو گئی۔

جب میں نیویارک کے راستے میں تھی تو مجھے آڈ سے اپنی متواتر گفتگو یاد آنے لگی جو میں اس سے طبی تعلیم کے سلسلے میں کرتی رہتی تھی۔ یہ دیرینہ تمنا اس وقت بھی تھی جب میں کوئنس برگ میں رہا کرتی تھی اور ویانا میں زمانہ تعلیم میں یہ تمنا دوبارہ جاگ اٹھی تھی۔ آڈ اس خیال کو سن کر اچھل پڑا اور مجھے یقین دلانے لگا کر کہ میرے کالج جانے کے اخراجات کا وہ بہت جلد بندوبست کر دے گا۔ ایگور کو نیویارک میں اپنے ساتھ رکھنے کے انتظامات اور اس کی اعانت کی ذمے داری کی وجہ سے ڈاکٹر بننے کی امید کو فی الحال ملتوی کرنا پڑے گا۔ مجھے یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ ممکن ہے آڈ اس نئی رکاوٹ سے ناخوش ہو جائے اور میرے بھائی کو گھر رکھنا ناپسند کرے۔ میں یقیناً اسے آڈ پر نہ تھوپوں گی۔

آڈ مجھے عمدہ حالت میں اور نہایت خوش و خرم ملا۔ ہمارا چھوٹا سا فلیٹ سجا بنا ہوا تھا۔ یہ میرے جان من کا دستور تھا کہ وہ پردیس سے واپسی پر میرا اسی طرح استقبال کرتا۔ ایگور کے متعلق میرے منصوبے پر کسی اعتراض کے بجائے اسے ساتھ رکھنے کے خیال پر بلا تامل صاد کر دیا۔ اگر تمہارا بھائی گھر پر ہو گا تو اس کے بقول میری عدم موجودگی میں وہ اتنی تنہائی نہیں محسوس کرے گا۔ کیا ایگور باتونی ہے اس نے فکرمندی سے پوچھا۔ وہ بے بولے گھنٹوں بیٹھ سکتا تھا۔ اور اسے یہ سن کر بہت سکون ہوا جب میں نے بتایا کہ ایگور ایک محنتی اور کم گو لڑکا ہے۔ جہاں تک میری طب کی تعلیم کا تعلق تھا آڈ پر اعتماد تھا کہ بہت جلد وہ اس کے اخراجات پورے کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ وہ ''امارت کی شاہراہ پر ہے'' یہ بات اس نے سنجیدہ چہرے سے بتائی۔ اس کے شراکت دار نے ایک ایجاد مکمل کر لی ہے جو مرقع سازی میں ندرت کی حامل ہے جو بالیقین ایک شاندار کامیابی ہو گی۔ ''ہم چاہتے ہیں تم ہماری تیسری شراکت دار بن جاؤ۔'' اس نے بڑی مسرت سے اعلان کیا۔ ''عین ممکن ہے تم اس انوکھی کل کو اپنے آئندہ دورے میں اپنے سڑک کے سفر میں ساتھ لے جاؤ۔'' اس نے پھر سے، ہماری زندگی کے ابتدائی دور کی طرح خیالی گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے کہ اگر وہ دولتمند بن گیا تو وہ میرے لئے کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

ایگور نئے سال کے دن کی تعطیل کے بعد آیا۔ آڈ اسے دیکھتے ہی رنجھ گیا۔ اور بہت جلد میرے بھائی پر میرے عاشق کا جادو چل چکا تھا۔ مجھے بھی جلد ہی ایک اور دورے پر جانا تھا۔ اور یہ خیال میرے لئے نہایت راحت انگیز تھا کہ میرے دونوں 'بچے' میری عدم موجودگی میں ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۱۷

درجن بھر نہایت احتیاط سے تیار کی ہوئی تقاریر سے مسلح اور نئی ایجاد کے نمونے کی رسد لے کر میں بڑی توقع سے چلی تھی کہ میرے آدرش کو قبول کرنے والوں میں اضافہ ہوگا اور مرقع کے کئی سودے طے پا جائیں گے۔ فروخت کے ہر سودے پر مجھے جو محنتانہ ملے گا اس سے میرے سفر کے بھاڑے کے اخراجات کی ادائی ممکن ہو جائے گی۔ اور میں اس ناخوشگوار ضرورت سے بھی سبکدوش ہو جاؤں گی جو دورے کے دوران میں کامریڈوں کو کفالت کرنا پڑتی تھی۔

چارلس شلنگ جو فیلیڈیلفیا کا ایک انارکسٹ تھا جس سے میں گزشتہ دوروں میں وہیں مل چکی تھی۔ اس نے میرے خطاب کے تمام انتظامات کرنے کی ذمہ داری لے لی تھی اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ قیام کرنے کی دعوت بھی دی تھی۔ دونوں میاں بیوی دلکش میزبان اور چارلس ایک عمدہ منتظم ثابت ہوا۔ میں نے چھ بڑے جلسوں کو خطاب کیا موضوع تھا 'نئی عورت' عدم مزاحمت کی نادانی اور بیزاری' اخلاقیات کی بنیادیں' آزادی' خیرات اور حب الوطنی۔ انگریزی میں تقریر کرنا میرے لیے اب بھی قدرے دشوار تھا۔ لیکن جب سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوا تو مجھ میں روانی پیدا ہو گئی۔ جتنی مزاحمت سے میرا سامنا ہوا اتنے ہی میرے جوہر کھلتے گئے اور میں مخالفین پر طنز کے تیر برساتی رہی۔ دس دنوں کی شدید سرگرمیاں شلنگ اور دیگر نئے دوستوں کی بڑی آؤ بھگت سے لطف اٹھانے کے بعد میں پٹس برگ کے لیے روانہ ہو گئی۔

کارل' ہینری' ہیری گورڈن اور ایمالی نے اس شہر فولاد اور مضافاتی علاقے میں چودہ تقریروں کا انتظام کیا تھا اس میں وہ علاقہ نہیں شامل تھا جہاں جانے کی مجھے شدید آرزو تھی یعنی ہومسٹیڈ۔ اس علاقے میں کوئی ہال نہ مل سکا۔ اس شہر میں ہمیشہ کی طرح میری پہلی زیارت گاہ مغربی اصلاحی جیل ہوتی۔ میں ایمالی کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ ہم اس کی دیوار سے لگ کر چلنے لگے۔ اس نے یہ دیکھا کہ میں گھڑی گھڑی اس کی کھردری دیوار پر ہاتھ پھیرنے لگتی۔ اگر احساسات اور خیالات کی ترسیل ممکن ہو سکتی تو میرے جذبات کی گرمی اس سرمئی دیوار میں جذب ہو کر ساشا تک پہنچ جاتی۔ اس کی اسیری کو تقریباً پانچ سال ہو چکے ہیں۔ وارڈن اور اس کے رکھوالوں نے اپنی سے پوری کر لی تھی کہ اس کی ہمت ختم کر دیں لیکن وہ ساشا کی مزاحمت کی قوت کا کبھی صحیح اندازہ نہ لگا سکے۔ وہ نڈر تھا۔ اس کے جسم کا ایک ایک ریشہ ثابت قدمی میں یکجا رہا تاکہ زندگی اور آزادی لے کر رہے۔ اس میں اسے بہت سے دوستوں کی حمایت بھی ملی۔ جن میں سب سے بڑھ کر رفاقت ہیری کیلی' گورڈنز' نولڈ اور باور نے نبھائی۔ یہ مہینوں اس کام میں لگے رہے کہ اس کی معافی کا مرافعہ تیار کیا جائے۔ انہوں نے نومبر ۱۸۹۷ء میں کام کی ابتدائی اور مختلف عناصر کی اعانت حاصل کر لی' ہیری کیلی کی اعانت سے جو ساشا کے لیے کارکنوں کی تنظیموں میں رائے ہموار کر رہا تھا۔ یونائیٹڈ لیبر لیگ آف مغربی پینسیلوانیا کی جانب سے ایک سخت قرارداد جاری کی گئی جس میں ساشا کو رہا کرنے کا مطالبہ تھا۔ اسی طرح امریکن فیڈریشن آف لیبر نے اپنے سنسناٹی کے اجتماع میں' بیکرز انٹرنیشنل یونین' بوسٹن سینٹرل یونین اور ریاست ہائے متحدہ کی ملک بھر کی مزدور تنظیموں نے اس کے حق میں اقدام کیے۔ پٹس برگ کے دو بہترین وکلا کی خدمات حاصل کی گئیں اور درکار رقم چندے سے جمع کی گئی۔ ساشا کے مقدمے میں زبردست دلچسپی پیدا ہو گئی اور ہمارے احباب کو اچھے نتیجے کا یقین تھا۔ جبکہ میں تشکیک کا شکار تھی۔ لیکن جب میں جیل کی اس دیوار سے لگ کر چل رہی تھی جس نے مجھے اس بہادر نوجوان سے جدا کر رکھا تھا تو میں امید کے خلاف آس

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

لگا بیٹھی کہ شائید میں غلطی پر ہوں۔

بلا ناغہ تقریریں کرنا اور لاتعداد لوگوں سے روزانہ کی ملاقاتیں ایک کٹھن کام تھا جس سے کئی مرتبہ اعصابی دورے پڑے جس سے میں کمزور اور نڈھال رہنے لگی۔ اس کے باوجود میں چین سے نہ بیٹھی۔ میں خود کو ہر اس منٹ کے ضائع ہونے پر کوستی جو مجھے کام سے دور رکھتا۔ خاص طور سے جبکہ ہمارے نظریئے میں پیدا ہونے والی دلچسپی بہت زیادہ تھی۔ چند اخبارات اپنی روایات سے ہٹ کر میرے جلسوں کے متعلق مناسب تحریریں چھاپنے لگے۔ پٹس برگ لیڈر نے تو پورے صفحے پر ہماری کہانی چھاپی اور میرے متعلق چند حقائق بیان کیے۔ ''مس گولڈ مان اتنی بدطینت نہیں لگتی جیسا کہ اسے مشہور کر دیا گیا ہے۔'' اس نے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا ''آپ اسے دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے کپڑوں میں بم چھپائے رہتی ہے یا وہ ایسی باتیں کر سکتی ہے جس میں لوگوں کو آتش زنی پر اکسایا جائے جس کے لیے اس کی خطابت بدنام ہے۔ اس کے برعکس اس میں شہرت کی دلربائی پائی جاتی ہے۔ جب وہ بولتی ہے تو اس کا چہرہ ذہانت سے دمکنے لگتا ہے۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ اگر کسی اجنبی سے اس کے متعلق قیافہ شناسی کرنے کو کہا جائے اور پوچھا جائے کہ وہ کیسی ہے تو سو میں سے ننانوے مرتبہ یہ جواب ملے گا کہ وہ اسکول کی استانی لگتی ہے یا اس کا ذہن ترقی پسندانہ خیالات کی طرف چلنے لگتا ہے۔

نامہ نگار دل میں یہ سمجھتا ہوگا کہ وہ مجھے داد و تحسین سے سرفراز رہا ہے جب اس نے یہ لکھا کہ میں اسکول کی استانی لگتی ہوں۔ بلاشبہ اس کے نزدیک یہی سب سے بڑی ستائش ممکن تھی مگر میری عزت نفس اس سے مجروح ہوگئی۔ کیا میں اس قدر خالی الذہن لگتی ہوں' میں سوچ میں پڑ گئی۔

کلیولینڈ میں میں نے تین تقریریں کیں۔ اخبارات میں چھپنے والی روادادیں پر لطف تھیں۔ ایک نے تو صاف صاف لکھ دیا۔ ''ایما گولڈ مان سنکی ہے'' اور ''اس کے نظریات دیوانے کی بڑ ہیں'' ایک اور نے یہ کرم فرمائی کی ''اس کے مہذب اطوار عالی وقار خاتون جیسے ہیں' بمبار خاتون کے نہیں ہیں۔''

اس مرتبہ میری ڈیٹرایٹ کی واپسی بالکل قدیم دوست سے ملاقات والی جیسی تھی اور میں ٹرین سے اتر کر سیدھی رابرٹ ریٹزآل کے گھر پہنچ گئی۔ اس کی حالت بگڑتی جا رہی تھی لیکن اس کی جینے کی امنگ اب بھی فروزاں تھی۔ میں نے اپنے شہزادے کو پہلے سے زیادہ زرد اور لاغر پایا۔ میرے گزشتہ دورے کے بعد سے اس نے جو تکالیف اٹھائیں تھیں۔ ان سے اس کے چہرے پر جھریاں پڑ گئی تھیں۔ لیکن اس کے مزاج کی خوش خلقی اور مزاح میں کوئی کمی نہ ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر دکھ اور مسرت کا یکساں احساس پیدا ہوا۔ پھر بھی وہ مجھے غمگین نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے ایسی کہانیاں سنانا شروع کر دیں جن سے گدگدی پیدا ہونے لگی اور اس کا سبب اس کا فطری اور ظریفانہ انداز بیان تھا۔ خاص طور سے جب وہ جرمنی کے ریفارمڈ مجمع میں بطور پادری فرائض کی انجام دہی کے وقت لطائف کا ذکر کرتا تو اس کا مزاح اپنے شباب کو پہنچ جاتا۔ وہ اس عہدے پر اپنی پہلی امریکہ یاترا سے پہلے فائز تھا۔ ایک مرتبہ اس سے درخواست کی گئی کہ وہ بالٹی مور میں تبلیغ کرے وہاں آنے سے پہلے اپنا زیادہ تر وقت اس نے ہنس مکھ دوستوں میں گزارا تھا۔ جن کے ساتھ اس نے شراب اور موسیقی کی خانقاہ میں پو پھٹے تک وقت گزارا۔ فضا میں بہار کی مہک تھی پیڑوں پر چڑیاں چہچہا رہی تھیں اور مست ہو کر ایک دوسرے پر دیوانہ وار رقص کناں تھیں۔ پوری فطرت پر رعنائی طاری تھی اور ہر ذی حیات بڑی بیباکی سے رنگ و بو میں ڈوبا لگ رہا تھا۔ روبرٹ کے ذہن پر اس وقت الکحل سوار تھی جب وہ ملگجی روشنی میں باہر نکلا۔ کچھ ہی دیر بعد کیا دیکھا گیا کہ وہ ننگ دھڑنگ بیر کے لڑھکتے ہوئے پیپے پر دو جانب پیر لٹکائے چلا جا رہا ہے۔ اور اپنی جان آرزو کے لیے با آواز بلند نغمہ نیم شب الاپ رہا ہے۔ ہائے افسوس۔ یہ مہ جبیں اسی ممتاز رکن کی دختر نیک اختر تھی جس نے اسے محفل میں خطابت کے لیے ہمارے نوجوان پادری کو مدعو کیا تھا۔ بالٹی مور میں اس روز پھر جرمن زبان میں وعظ نہ ہوا۔

اپنے شہزادے کے ساتھ گزرنے والے اوقات ناقابل فراموش تھے۔ اس کی روح کی تابانی نے مجھے اپنے مدار میں لے لیا اور مجھے اس کے سحر سے نکلنے میں تامل ہو رہا تھا۔ کاش میں اپنا آب حیات اس کے بیمار بدن میں اتار سکتی اور اپنی توانائی اسے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دے سکتی۔

ڈیڑ ایٹ کے بعد سنسناٹی بجھا بجھا اور مایوس کن لگا۔ اڈ کے شکایتی خط نے اسے دو چند کر دیا۔ میری طویل مفارقت اس کے لیے نا قابل برداشت تھی۔ اس نے لکھا روز کی جدائی اور وصل سے یہ ہزار درجہ بہتر ہے کہ آدمی رشتہ ہی توڑ لے۔ میں نے جواب دیا' اڈ کو اپنی محبت کا یقین دلایا اور اپنی آرزو کا بھی ذکر کیا کہ میں اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ میں نے یہ بات بھی دہرائی کہ نہ میں پابند رہ سکتی ہوں نہ ہی پنجرے میں رکھی جا سکتی ہوں۔ اس صورت میں ہمیں باہمی زندگی سے بالکل دستکش ہونا پڑے گا۔ میری نظر میں سب سے زیادہ اہم شے آزادی ہے۔ آزادی کام کرنے کی اور اس میں بے ساختگی ہونا چاہئے نہ کہ بطور فرض یا حکماً۔ میں ایسے مطالبات کو نہیں تسلیم کر سکتی' اس کے بجائے میں میرا انتخاب یہ ہوگا کہ میں بے خانماں آوارہ گرد کی راہ اختیار کروں' ہاں میں محبت سے خالی زندگی گزار لوں گی۔

سینٹ لوئیس بھی کچھ کم بے کیف نہ تھا۔ مگر آخری دن پولیس بچانے کو آ گئی۔ میری تقریر کے بیچ ہی میں وہ گھس آئے اور لوگوں کو دھکا پیل میں نکلنا پڑا۔ یہ امر میرے لیے موجب تسلی تھا کہ میری تقریر کے طویل اقتباسات اخبارات کے ذریعے ہال کے سامعین کی تعداد کے مقابلے میں دور دور پہنچ جائیں گے۔ اس کے علاوہ صاحبان اختیار کی کارروائی نے امریکیوں میں میرے کئی دوست پیدا کر دیئے جو اب بھی اظہار کی آزادی کے قائل تھے۔

شکاگو' جو تاریک جمعہ کا شہر تھا۔ جس کی وجہ سے میں نے دوسرا جنم لیا۔ پٹس برگ بدشگونی اور اضمحلال میں اس کے بعد آتا ہے۔ گزشتہ مواقع کے مقابلے میں اب اتنی بے یار و مددگار کے نہ تھی حالانکہ ۱۸۸۷ء کی برہمی اب بھی موجود تھی اور موسٹ کے پیروکاروں کی میرے متعلق اندھی مخالفت اور تلخی بھی موجود تھی۔ میری اسیری اور بعد کی کارگزاریوں نے میرے کئی دوست بنائے تھے اور ریلا میرے حق میں ہو چکا تھا۔ اب کئی مزدور انجمنیں میری حمایت کر رہی تھیں انہیں پیو کارٹ نے میرا اہم خیال بنایا تھا۔ وہ ۱۸۹۳ء سے شکاگو میں رہ رہا تھا اور ہمارے نظریات کی نشر و اشاعت کر رہا تھا۔ مجھے کامریڈ اپل کی شیریں مہمان نوازی میسر آئی جو ایک ممتاز مقامی انارکسٹ تھا۔ جس نے اپنی زندہ دل بیوی اور بچوں کے ساتھ مل کر ایسا گھر بنایا تھا جو مہمان کے لیے بھی عمدہ جگہ تھی۔ دی فری سوسائٹی' گروہ شکاگو میں شاندار کام کر رہا تھا۔ اور انہوں نے میرے لیے پندرہ عدد سلسلہ ہائے تقریر کا اہتمام کیا تھا۔

اجتماعات فی نفسہ عمومی نوعیت کے تھے اور کوئی خاص واقعہ نہ درپیش آیا۔ لیکن کئی چھوٹے واقعات نے میرے شہر کے قیام کو معنی خیز بنا دیا جن کا مجھ پر تا حیات اثر رہے گا۔ ان میں ایک میری موسیز ہرمین اور ایوجین وی ڈیبز سے ملاقات تھی۔ اور میکس باگنسکی کی دریافت نو بھی شامل ہے جو ایک نوجوان جرمن کا مریڈ تھا۔

فلاڈیلفیا میں ۱۸۹۳ء کے جوش و خروش والے ایام میں جب پولیس میری تلاش میں تھی۔ دو نوجوان مجھ سے ملنے آئے۔ ایک میرا قدیم دوست جون کاسیل تھا دوسرا میکس باگنسکی تھا۔ میں میکس سے مل کر خصوصاً خوش ہوئی۔ یہ ان باغیوں میں سے ایک تھا جس نے جرمنی کی انقلابی تحریک میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ درمیانے قد' روحانی چہرے اور اتنے لاغر جسم والا تھا جیسے کسی دیرینہ بیماری سے صحت یاب ہوا ہو۔ اس کے سنہرے بال ایسے کھڑے رہتے تھے جن پر کنگھے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کی ذہانت سے پر آنکھیں دبیز شیشوں کے پیچھے چھوٹی لگتیں جو وہ پہنے رہتا۔ اس کے تیکھے خدوخال میں ایک غیر معمولی بلند پیشانی اور چہرے کا ارتقائی خاکہ بالکل سلاوی لگتا جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا۔ میں نے اسے بات چیت میں لگانے کی کوشش کی مگر وہ بجھا بجھا سا اور طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے گفتگو کرنے سے قاصر تھا۔ میں سوچ میں پڑ گئی کہ اس کی گردن پر جو لچھن کا نشان ہے آیا وہ احساس ذات کا مظہر ہے۔ آنے والے برسوں میں میکس سے پھر نہ مل سکی جب تک میں جیل سے رہا نہ ہو گئی اور ملی بھی تو سرسری۔ بعد ازاں میں نے سنا کہ وہ شکاگو چلا گیا ہے تاکہ 'آربیٹر زائے تنگ' کی نگرانی کرے۔ پہلے اس جریدے کی ادارت آگسٹ اسپائیز کے پاس تھی۔

شکاگو کے گزشتہ دوروں میں عمداً میں نے رسالے کے دفتر میں جا کر باگنسکی کو تلاش کرنے سے احتراز کیا تھا۔ میں نے سنا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تھا کہ وہ موسٹ کا بہت حامی ہے۔اور میں اس کے پیروکاروں کے ہاتھوں اتنی زک اٹھا چکی تھی کہ ان سے ملنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔آربیٹرزاے تنگ میں میری تقریر کے متعلق ایک دوستانہ تبصرہ شائع ہوا جس سے ایک ہوک سی اٹھی کہ میکس سے پھر ملوں۔ اسی جذبے کے تحت شہر میں آتے ہی میں نے اس کی تلاش شروع کر دی۔

آربیٹرزاے تنگ نے شکاگو کے واقعات کو بہت شہرت دی اس کا دفتر کلارک اسٹریٹ پر تھا۔کمرہ درمیانی پیمائش کا تھا جس میں جنگلا لگا ہوا تھا جس کے پیچھے میں نے دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا لکھ رہا تھا۔اس کی گردن پر لچھن کے نشان سے میں پہچان گئی کہ وہ میکس باکنسکی ہے۔میری آواز سن کر وہ نہایت تیزی سے اٹھا تا رواے دروازے کو کھولا اور ایک پیراک کی طرح بڑھتے ہوئے بولا''بہت خوب' عزیز از جان ایما کیا میں تمہیں یہاں دیکھ رہا ہوں؟''اور مجھے گلے لگا لیا خلاف توقع میرا استقبال اس گرم جوشی سے ہوا جس سے میرے اندیشے فوراً رفع ہو گئے کہ وہ موسٹ کا اندھا مقلد تھا۔اس نے مجھ سے چند لمحے انتظار کرنے کو کہا تا کہ وہ اس مضمون کا آخری پیراگراف مکمل کر لے جسے وہ لکھ رہا تھا۔''مکمل ہو گیا''!ذرا دیر میں وہ چہکا۔''ہمیں اس جیل سے نکلنا چاہئے' ہم دوپہر کا کھانا بلیور بن ریسٹورنٹ میں کھائیں گے۔''

جب ہم وہاں پہنچے تو دوپہر ہوئے دیر ہو چکی تھی۔پانچ بجے بھی ہم وہیں تھے۔خاموش بجھا بجھا سا نوجوان جس سے میری فلاڈیلفیا میں ملاقات ہوئی تھی اب زندگی سے لبریز تھا اور دلچسپ گفتگو کرنے والا۔اب بے حد سنجیدہ ہو چکا تھا لیکن لڑکوں کی طرح کا سادہ لوح۔ہم نے تحریک کے متعلق بات چیت کی' موسٹ اور ساشا بھی زیر بحث آئے۔تنگ نظری اور تعصب اسے چھو کر نہ گزری تھی۔میکس میں وسعت خیالی اور ہمدردی اتنی تھی جتنی میں نے کسی بھی بہترین جرمن انارکسٹ میں نہ پائی تھی۔اس نے موسٹ کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے' اس نے کہا کہ اس نے جو سرمائی جدوجہد کی تھی اور جس داروگیر کو اس نے برداشت کیا وہ لائق تحسین ہے۔اس سب کے باوجود ساشا کے متعلق موسٹ کے رویے نے میکس اور اس کے رفقا کار پر ان کے ملک جرمنی میں''جنگن'' (گویوں کا طائفہ) حلقے پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔وہ سب کے سب ساشا کے حامی تھے اور اب بھی ہیں' میکس نے یقین دلایا۔لیکن اپنی امریکہ آمد کے بعد سے اس نے موسٹ کے سانحے کا سبب پردیس کو سمجھنا شروع کر دیا ہے جہاں وہ جڑیں نہ پکڑ سکا۔ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں آنے سے وہ اپنے ماحول سے کٹ گیا جہاں نہ تو جوش تھا اور نہ ہی ہیجانی قوت تھی جو عوام الناس کی جدوجہد اور زندگی سے پیدا ہوتی ہے۔اس میں بھی شبہ نہیں کہ اس ملک میں موسٹ کو جرمن تارکین وطن کی معقول حمایت حاصل تھی مگر یہ مقامی آبادی ہوتی ہے جو کسی ملک میں بنیادی تبدیلیاں لا سکتی ہے۔امریکہ میں اس کی ذاتی بے بسی تھی اور مقامی آبادی میں کسی انارکسٹ تحریک کی عدم موجودگی تھی جس کے باعث موسٹ پر چار چھوڑ کر منفی ردعمل پر اتر آیا اور انجام کار ساشا کے خلاف ہو گیا۔

اپنے نظریات جن کی نشر و اشاعت وہ برس ہا برس سے کر رہا تھا ان سے اس کی دغابازی کے لیے جو تاویلیں میکس نے دیں میں ان سے اتفاق نہیں کر سکتی تھی۔لیکن کھلے ذہن سے اس کی یہ سعی کہ ان اسباب کا معروضی تجزیہ کیا جائے جن کی وجہ سے موسٹ میں تبدیلی رونما ہوئی اس نے مجھے میکس کے کردار کو سمجھنے کے لیے بصیرت ضرور دی۔اس کے اندر کم ظرفی قطعاً نہ تھی۔نہ اس میں کمینہ پن تھا' نہ پردہ پوشی اور جانب داری رتی بھر نہ تھی۔اس نے مجھ پر ایک اعلیٰ شخصیت کا تاثر چھوڑا۔اس کے ساتھ رہنا یوں لگا جیسے کسی سبزہ زار کے اندر تازہ ہوا میں آدمی سانس لے رہا ہو۔

میکس سے مل کر اس دریافت پر میری خوشی دوبالا ہو گئی کہ وہ میری داد و تحسین میں میرا ہم خیال ہے جو میں' نطشے' ابسن' ہاؤپٹمین کے متعلق رکھتی ہوں ان کے علاوہ بھی وہ کئی ایسے نام لے رہا تھا جن کے نام میں نے کبھی سنے بھی نہ تھے۔میں گرہارٹ ہاؤپٹمین کو ذاتی حیثیت میں بھی جانتی تھی اور میں اس کے ساتھ ان اضلاع میں بھی پھیرا لگاتی رہی تھی جہاں سائیلیسیا کے مقام پر جولاہے رہتے تھے۔میکس ان دنوں مزدوروں کے ایک رسالے کا مدیر تھا جس کا نام 'دیر پرولیتیر اوسدیم ینگلیبری' تھا۔یہ ان مقامات کے لیے چھپتا جنہوں نے ڈرامہ نویس کو اس کے دو طاقتور سماجی کھیلوں کے لیے مواد فراہم کیا تھا یعنی اخبار دی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ویبیر اینڈ ہینل۔ بھیانک افلاس اور ذلت نے جولاہوں میں ایسی تلخی بھر دی تھی جس سے وہ شک کے عارضے میں مبتلا ہو گئے تھے۔ وہ اس نوجوان شخص سے گفتگو کرنے میں متذبذب تھے جس کا مرتاض چہرہ کسی پادری سے ملتا تھا جو ان کے زندگی کے حالات کے متعلق پوچھنے آیا تھا۔ مگر وہ میکس سے واقف تھے۔ وہ ان میں ہی سے تھا اور ان کے ساتھ رہ چکا تھا اس لیے اس پر اعتبار تھا۔

میکس نے اپنے ان تجربات کو مجھے بتایا جو اسے گرہارٹ ہاؤپٹمین کے ساتھ دربدر مارے مارے پھرنے میں ہوئے تھے۔ ہر جگہ ان کا واسطہ بھیانک رنج واندوہ سے ہوا۔ ایک مرتبہ انہیں ایک ویران جھونپڑی میں ایک جولاہے سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ایک بنچ پر ایک چھوٹے بچے کے ساتھ ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جو چیتھڑوں میں لپٹا ہوا تھا۔ بچے کا لاغر بدن پھنسیوں سے پٹا ہوا تھا۔ گھر میں نہ کھانا تھا اور نہ ہی ایندھن۔ ہر طرف سے انتہائی مفلسی جھانک رہی تھی۔ ایک اور مقام پر ایک بیوہ ملی جو ایک تیرہ برس کی پوتی کے ساتھ رہ رہی تھی جو نہایت حسین تھی۔ دونوں ایک جولاہے اور اس کی بیوی کے کمرے میں رہتے تھے۔ ان سے بات چیت کے دوران میں ہاپٹمین اس لڑکی کے سر کو سہلاتا رہا۔ ''اس میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہئے کہ یہی وہ لڑکی تھی جو ہانیل کے خیال کو غیب سے لانے کا سبب بنی'' میکس نے یہ تبصرہ کیا۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اس نازک پھول کے اتنے خوفناک ماحول میں پلنے سے کس بری طرح متاثر ہوا تھا۔ اس واقعے کے بہت عرصہ بعد تک وہ اس ننھی لڑکی کو تحائف بھیجتا رہا۔ وہ ان لاوارث لوگوں سے اس لیے ہمدردی کرتا تھا کیونکہ اسے خود تجربہ تھا کہ مفلسی کیا چیز ہے۔ وہ زیورچ میں بہ حیثیت طالب علم کئی کئی دن فاقے کر چکا تھا۔

مجھے لگا کہ میکس کی صورت میں مجھے ایک ہم خیال آدمی مل گیا ہے۔ ایک ایسا آدمی جو معاملہ فہمی اور اہمیت میں ان چیزوں کو ویسا ہی سمجھتا ہے جتنی وہ میرے لیے ہیں۔ اس کے ذہن کی رسائی اور اس کی حساس شخصیت میں ایسی کشش تھی جس کے آگے آدمی پگھلنے لگتا ہے۔ ہمارا فکری رشتہ بے ساختہ اور مکمل تھا جس میں جذباتی اظہار کے لیے بھی راہیں موجود تھیں۔ ہم اٹوٹ انگ بن گئے ہر دن اس کی ذات میں موجود حسن اور گہرائی کو منکشف کرتا۔ اس میں اپنی عمر سے کہیں زیادہ بالغ نظری آ چکی تھی۔ جبکہ جسمانی لحاظ سے وہ خیالی دنیا سے تعلق رکھتا تھا جس میں نایاب شائستگی اور بھلمنساہت تھی۔

ایک اور بڑا واقعہ جو میرے شکاگو کے قیام میں درپیش آیا وہ تھی فوریز ہرمان سے ملاقات۔ جو آزاد مادریت اور عورتوں کی اقتصادی اور جنسی آزادی کا جرأت مند علمبردار تھا۔ میں اس کے نام سے اس وقت مانوس ہوئی تھی جب میں نے اس کا ذکر لوسیفر میں پڑھا ہفت روزہ وہی نکالتا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اخلاقیات کے امریکی خواجہ سراؤں کے ہاتھوں اسے دارو گیر اور قید و بند کی تکالیف بھی جھیلنا پڑی تھیں جن کا سرغنہ انتھونی کومسٹوک تھا۔ ہرمین سے ملنے کی غرض سے میں میکس کے ہمراہ لوسیفر کے دفتر جا پہنچی جو اس کا گھر بھی تھا جس میں وہ اپنی بیٹی للیان کے ساتھ رہتا تھا۔

عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب آپ کسی بڑی شخصیت کی تصویر اپنے ذہن میں بنا لیتے ہیں تو ملاقات پر وہ مسمار ہو جاتی ہے۔ ہرمین کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ میں نے تحریروں کے ذریعے اس کی ذات کے سحر کا اندازہ نہیں لگایا تھا۔ اس کا تن کر چلنا (جبکہ اس کی ایک ٹانگ خانہ جنگی میں گولی لگنے سے خراب تھی) اس کا شاندار سر، سفید رنگ کی داڑھی اور بال لہرا رہے تھے اور چمکتی ہوئی نوجوانوں جیسی آنکھیں، ان سب نے مل کر اسے ایک موثر شخصیت بنا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر نہ تو اخلاقی اصول پسندی جھلکتی تھی نہ ہی کسی قسم کی قدغن تھی۔ درحقیقت وہ سراپا مہربانی تھا۔ اس وصف سے یہ جھلکتا تھا جیسے اس کے دل میں اس ملک کے مستقبل پر لامحدود اعتماد تھا جس نے اس پر کئی ضربات لگائی تھیں۔ میں تو گویا اس کی برس ہا برس کی ملاقاتی تھی اس نے اطمینان دلایا۔ وہ اس بدسلوکی پر سخت برہم تھا جو پولس نے مجھ پر روا رکھی اور اس نے اس پر احتجاج بھی کیا تھا۔ ''ایک سے زیادہ وجوہ پر ہم آپس میں کامریڈ ہیں۔'' اس نے خوشگوار تبسم کے ساتھ تبصرہ کیا۔ ہم نے پوری شام ان مسائل پر گفتگو کی جن سے خواتین دوچار ہیں اور ان سے کیونکر نجات پائی جا سکتی ہے۔ بات چیت کے دوران میں اس نے اس بات پر شک ظاہر کیا کہ امریکہ میں جنس سے متعلق عمومی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

رویہ نہایت بازاری اور اکھڑ ہے کیا ہم اس کی توقع کر سکتے ہیں کہ اس نام نہاد پارسائی کی جلاوطنی ممکن ہو۔ ہرمین کو یقین تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ ''میں نے ایسی عظیم تبدیلیاں ہوتی دیکھی ہیں جب سے میں نے کام کرنا شروع کیا ہے'' اس نے کہا۔ ''اور اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ امریکہ میں ہم اقتصادی اور خواتین کی جنسی آزادی کے حقیقی انقلاب سے دور نہیں ہیں۔ انسانی زندگی میں جنس حیات آفریں عامل ہونے کے علاوہ ایک پاک اور ارفع جذبے کے طور پر فروغ پا کر رہے گا۔'' میں نے اس کے سامنے فن مصوری میں برہنہ اجسام سازی کے خلاف بڑھتی ہوئی قوتوں کا ذکر کیا۔ ''وہ جری اور نڈر مرد اور عورتیں کہاں ہیں جو ان گلا گھونٹنے والی طاقتوں کا ہاتھ پکڑیں؟'' میں نے پوچھا ''تمہیں اور چند دیگر مٹھی بھر افراد کو چھوڑ کر اہل امریکہ ساری دنیا کے مقابلے میں سب سے زیادہ پارسا بنتے ہیں۔'' ''ایسا نہیں ہے'' اس نے جواب دیا ''برطانیہ کو نہ بھولو جس نے حال ہی میں ہیولاک ایلس کی جنس پر معرکہ آراء تحقیق کو دبایا ہے۔'' اسے اہل امریکہ پر اعتماد تھا اور ان عورتوں اور مردوں پر بھی برس ہا برس سے لڑ رہے تھے' بہتان اور قید و بند بھی جھیل رہے تھے تا کہ ماں بننے کا آزادانہ حق حاصل ہو۔

قیام شکاگو کے درمیان میں' میں نے کارکنوں کے ایک کنونشن میں بھی شرکت کی جو شہر میں ہو رہا تھا۔ وہاں پر میں کئی لوگوں سے ملی جو تجارتی انجمنوں اور انقلابی مرتبے والے تھے ان میں محترمہ لوسی پارسنز بھی تھی جو ہمارے شہید البرٹ پارسنز کی بیوہ تھی۔ وہ کارروائی میں عملاً حصہ لے رہی تھی۔ اس کنونشن میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت ایوجین۔ لی۔ ڈیبس کی تھی۔ طویل قامت اور دبلا' اپنے کامریڈوں سے قدر و قامت ہی میں بلند نہ تھا۔ اس کی شخصیت کے جس پہلو نے مجھے متاثر کیا وہ اس کی اپنے اطراف میں ہونے والے ساز باز سے سادہ لوحی کی حد تک لاپرواہی تھی۔ چند مندوبین اور غیر سیاسی سوشلسٹوں نے مجھے تقریر کرنے کو کہا اور چیئرمین سے کہہ کر میرا نام فہرست میں شامل کرا دیا۔ کھلی ہوئی چالبازی سے کام لے کر سوشلسٹ ڈیموکریٹ سیاستدان اس میں کامیاب ہو گئے کہ میں چبوترے تک نہ پہنچنے پاؤں۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد ڈیبس میرے پاس دوڑا دوڑا آیا اور وضاحت کرنے لگا کہ یہ افسوس ناک غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا۔ لیکن وہ اور اس کے کامریڈ یہ چاہتے ہیں کہ میں شام کے اجلاس سے خطاب کروں۔

شام کے سیشن میں ڈیبس موجود تھا نہ ہی اس کی کمیٹی۔ سامعین میں صرف مندوبین تھے انہوں نے اور میرے کامریڈوں نے خطاب کرنے کی دعوت دی۔ ڈیبس آ پہنچا مگر ہانپتا کانپتا جب جلسہ ختم ہونے کو تھا۔ اس نے مختلف سیشنوں میں شرکت کرنے سے اس لیے اجتناب کیا کیونکہ وہ مجھے سننا چاہتا تھا' بقول اس کے اسے کہیں روک لیا گیا تھا۔ کیا میں اسے معاف کر سکتی ہوں اور اگلے دن ظہرانے پر آ جاؤں گی؟ مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ اس سازش میں خود بھی شریک تھا جو مجھے روکنے کا باعث بنی۔ اس کے علاوہ مجھے اس کا بے تکلفانہ انداز اور اشارے کنائے بھی نہ اچھے معلوم ہوئے جن کا مفہوم ڈورے ڈالنا لگتا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے بعد میں قائل ہو گئی کہ اس معاملے میں ڈیبس کو موردالزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس کی پارٹی کے سیاستداں جو چاہے کر رہے ہوں' مجھے یقین آ گیا کہ وہ شائستہ اور اعلیٰ ذہن کا مالک تھا۔ عوام کے متعلق اس کا اعتماد نہایت حقیقی تھا اور سوشلزم کے متعلق اس کے تصورات مارکس کے منشور میں دی گئی ریاستی مشینری کی تصویر کشی کے بالکل برعکس تھے۔ اس کے نظریات سن کر میں اپنی پرمسرت حیرانی نہ چھپا سکی' کیوں' مسٹر ڈیبس پھر تو تم انارکسٹ ہوئے!'' ''مسٹر نہیں' بلکہ کامریڈ'' اس نے میری اصلاح کی۔ ''کیا تم مجھ سے اس طرح نہ مخاطب ہو گی''؟ اس نے میرا پنجہ کس کے پکڑ لیا' اس نے مجھے یقین دلایا کہ وہ خود کو انارکسٹوں کے بہت قریب پاتا ہے کیونکہ انارکزم وہ منزل ہے جس کے لیے ہمیں جدوجہد کرنا چاہئے اور تمام سوشلسٹوں کو بھی انارکسٹ ہو جانا چاہئے۔ اس کے نزدیک اپنے آخری نصب العین کے لیے سوشلزم تو ایک سنگ میل ہے بعد میں انارکزم آئے گا۔ ''میں کروپوٹکن اور اس کی تحریروں سے واقف ہوں'' اس نے کہا میں اس کا مداح ہوں اور اپنے مقتول کامریڈوں کا احترام کرتا ہوں جو والڈہیم میں آسودہ خاک ہیں۔ اسی طرح میں آپ کی تحریک کے دیگر ذی شان جاں نثاروں کا احترام کرتا ہوں۔ آپ مجھے بھی اپنا کامریڈ سمجھئے' میں آپ کی جدوجہد میں آپ کے ساتھ ہوں'' میں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس طرح آزادی نہیں حاصل کر سکتے کہ ریاست کی طاقت کو اور بڑھا دیں جیسا کہ سوشلسٹوں کے عزائم ہیں۔ میں نے اس پر بھی اصرار کیا کہ سیاسی عمل

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اقتصادی جدوجہد کے واسطے سناونی ہے۔ ڈیبس نے کوئی اختلاف نہ کیا اور اس امر پر اتفاق کیا کہ انقلابی جذبہ ہر حال میں فروزاں رہنا چاہئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سیاسی مقاصد کیا ہیں۔ لیکن آخرالذکر کو وہ اس لیے ضروری سمجھتا تھا کہ اس کے ذریعے عوام الناس تک پہنچا جاسکتا ہے۔ ہم اچھے دوستوں کی طرح رخصت ہوئے۔ ڈیبس اتنا ملنسار اور دلکش انسان تھا کہ اس میں سیاسی بصیرت کی کمی سے چشم پوشی کی جاسکتی تھی کیونکہ وہ بیک وقت دو کشتیوں کی سواری کرنا چاہتا تھا۔

اگلے روز میں مائیکل شواب سے ملی جو شکاگو کے شہدا میں شامل ہوتا اگر گورنر الجیلڈ نے اسے معاف نہ کر دیا ہوتا۔ جولیٹ کی اصلاحی جیل میں چھ برس کی اسیری نے اس کی صحت تباہ کر دی تھی۔ جب میں اس سے اسپتال میں ملی تو وہ تپ دق کے عارضے میں مبتلا تھا۔ یہ دیکھ کر طبیعت حیران ہوتی تھی کہ ایک مثالیت پسند اپنے اندر کس قدر برداشت اور صبر واستقلال پیدا کر سکتا ہے۔ شواب کا گھلا ہوا جسم لال بھبوکا کلے اور اس کی چمکتی آنکھیں جو خون میں پیوست جان لیوا بخار کی خبر دے رہی تھیں۔ اس اذیت دہی کی شاہد تھیں جو اس نے ہولناک مقدمے کی کارروائی میں سہیں' پھر مہینوں سزائے موت کی معافی کے انتظار میں جس کے بعد اپنے ساتھیوں کے پھانسی پانے کا صدمہ اور آخر میں کئی برس کی طویل اسیری۔ اس کے باوجود اس نے اپنی ذات کے متعلق شاید ہی کوئی لفظ منہ سے نکالا ہو نہ ہی اس نے زبان پر کوئی شکایت کا حرف آنے دیا۔ اس کے ذہن پر صرف اس کا آدرش چھایا ہوا تھا۔ اور اس سے متعلق ہر شے اس کی واحد دلچسپی تھی۔ میرے دل میں اس کے لیے خوف آمیز احترام پیدا ہو گیا' جس کی باعزم اور پر افتخار روح کو سنگدل اور طاغوتی طاقتیں شکست نہ دے سکیں۔

میرے شکاگو کے قیام نے میری ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل کا موقع دیا۔ میں والڈ ہائم قبرستان کے انمول خاک نشینوں کی قبروں پر پھولوں کی چادر چڑھانا چاہتی تھی ان کی قبروں پر نصب یادگار پر ہم انہیں یاد کر کے خاموش کھڑے رہے' میکس اور میرے پنجے باہم پیوست تھے۔ نامعلوم فنکار کے رخصت خیال نے نصب شدہ پتھر میں جان ڈال دی تھی منظر یہ تھا کہ ایک عورت منبر پر بیٹھی ہے اور شکست خوردہ سورما اس کے قدموں کو بوسہ دے رہا ہے اس کے چہرے پر سرکشی اور بغاوت نمایاں تھی جس میں کریمی اور محبت بھی جلوہ گر تھی۔ عورت کا چہرہ جذبہ انسانیت سے منور تھا مگر اس دنیا کی طرف مڑا ہوا تھا جو درد محن سے بھری تھی' ایک ہاتھ جاں بلب باغی کی جانب پھیلا ہوا تھا اور دوسرا سر فروش کے ابرو پر سایہ فگن تھا۔ اس کے چہرے پر گہرے احساسات نمایاں تھے اور لامتناہی شفقت ٹپک رہی تھی۔ قبر کے سرے پر لگے ہوئے کتبہ پر ایک بامعنی عبارت کندہ تھی جس میں ان وجوہ کو بیان کیا گیا تھا کہ گورنر الجیلڈ نے رہا ہو جانے والے تین انارکسٹوں کو کیوں معاف کیا۔

قبرستان سے روانہ ہوتے ہوتے تقریباً اندھیرا ہو چکا تھا۔ میرے خیالات ماضی میں بھٹکنے لگے جب میں نے یادگار کی تعمیر کی مخالفت کی تھی۔ میرا یہ استدلال تھا کہ ہمارے متوفیوں کو سنگ وخشت لافانی نہیں بنا سکتے۔ مجھے اب احساس ہوا کہ میں اس وقت کتنی تنگ نظر اور کٹر مزاج کی تھی اور فن کی قوت کو میں نے کتنا حقیر جانا تھا۔ یادگار ان لوگوں کے نظریات کی ٹھوس تجسیم تھی جن کے لیے انہوں نے جان دی تھی۔ یہ ان کے اقوال اور کارناموں کی نمایاں علامت تھی۔

شکاگو سے روانگی سے پہلے ہی روبرٹ ریٹزل کی موت کی خبر آ گئی۔ جبکہ اس کے احباب جانتے تھے کہ خاتمہ بس چند ہفتوں کی بات تھی اس کے باوجود ہم سناٹے میں آ گئے۔ میرا نقصان کہیں زیادہ دلخراش تھا اس کی وجہ میری اپنے شہزادے سے قربت تھی۔ اس کا باغی جذبہ اور فنکارانہ روح یوں میرے سامنے کھڑی تھی کہ میں یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ وہ مر چکا ہے۔ خصوصاً یہ بات میری سمجھ میں اپنے آخری دورے میں آئی تب کہیں جا کر میں اس کی حقیقی عظمت کو کما حقہ سمجھ سکی کہ وہ کن رفعتوں کو چھو سکتا تھا۔ ایک مفکر اور شاعر ہوتے ہوئے بھی وہ خوبصورت الفاظ کے گورکھ دھندے بنانے پر اکتفا نہ کرتا' وہ انہیں جیتی جاگتی حقیقت بنانا چاہتا جس سے عوام الناس کو جگانے میں مدد ملے تاکہ ایسی دنیا کے امکانات روشن ہوں جو ہتھکڑی بیڑیوں سے آزاد ہوں جسے چند مراعات یافتہ لوگوں نے اپنے لیے ڈھالا تھا اس کا خواب ان چیزوں کے لیے تھا جو منور ہوں' جن میں پیار' آزادی' زندگی اور شادمانی ہو۔ وہ اسی خواب کے لیے جیا اور لڑتا رہا اور اسی کے لیے اس نے اپنی روح کی پوری قوت صرف کر دی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اب روبرٹ دنیا سے رخصت ہو چکا اور اس کی راکھ جیل میں سرای جا چکی ہے۔ اس کے عظیم الشان دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا ہے اور اس کی بے چین روح کو قرار آ چکا ہے مگر زندگی اسی ڈھرے پر چلی جا رہی ہے۔ خوابوں کے شہزادے کے بغیر میری زندگی مزید سنسان ہوگئی ہے۔ اس کے قلم کی قوت اور حسن کے اٹھ جانے سے اور اس کی شاعری کی پرشکوہ نغمہ سنجی ختم ہو جانے سے زندگی اور بنجر ہوگئی۔ زندگی رواں دواں رہی اور اس کے ساتھ ساتھ توانائی اور عزم میں اضافہ ہوتا گیا کہ یہ پہلے سے بھی زیادہ جدوجہد چاہتی ہے۔

ڈین ورشہر ہمارے کام کا مرکز تھا وہاں بہت سے زن و مرد ایسے تھے جو انفرادی اور کمیونسٹ مکتبہ فکر کے سرگرم عمل انارکسٹ تھے۔ جن کی پیدائش امریکہ ہی میں ہوئی تھی۔ ان میں سے چند تو ایسے تھے جن کے پرکھے نوآبادیاتی دور کے اولین آبادکار تھے۔ لزی اور ولیم ہومز جو البرٹ پارسنز کے ہمکار اور قریبی دوست تھے۔ ان کے حلقے میں کئی واضح اور صاف اذہان کے لوگ تھے یہ سب سماجی جدوجہد کے اقتصادی پہلو پر زور دیتے اس کے علاوہ حالات سے اچھی طرح باخبر بھی تھے۔ لزی اور ولیم شکاگو کی آٹھ گھنٹے اوقات کار کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے چکے تھے' الارم' اور دیگر ریڈیکل مطبوعات میں لکھ کر ہاتھ بٹاتے رہتے۔ البرٹ پارسنز کی موت دوسرے کامریڈوں کے مقابلے میں ان پر بجلی بن کر گری کیونکہ یہ برس ہا برس سے دوست تھے۔ فی زمانہ وہ ڈین ور کی غریب بستی میں مقیم تھے اور بہ مشکل اتنا کماتے جس سے گزارہ ہوتا۔ وہ اپنے آدرش پر آج بھی اتنا ہی فدا تھے جتنا کہ ان دنوں میں جب کہ ان کے عقائد تازہ اور امیدیں بلند تھیں۔ میں دیر تک تحریک کے متعلق باتیں کرتی رہی خصوصاً سال ۱۸۸۷ء کے ایام کی۔ ان کے دلوں میں اس شخص اور باغی کی تصویر واضح تھی جسے الرٹ پارسنز کہا جاتا ہے۔ پارسنز کے لیے انارکزم مستقبل کے لیے محض کوئی نظریہ نہ تھا۔ اس نے اپنی روزمرہ کی زندگی کے لیے ایک قوت محرکہ بنا لیا تھا۔ جس میں اس کی خانگی زندگی کے علاوہ احباب سے تعلقات بھی آتے ہیں۔ اس کا تعلق جنوب کے ایک قدیم گھرانے سے تھا جسے اپنی نسل پر فخر تھا۔ جبکہ البرٹ پارسنز خود کو سب سے نچلی ذات کا فرد گردانتا تھا۔ وہ ایسے ماحول میں پروان چڑھا تھا جو غلامی کے نظریے سے بری طرح چمٹا ہوا تھا اور اسے قدرت کا انعام سمجھتا تھا۔ ان کے نزدیک یہ دنیا میں واحد حقوق تھے جو مملکت اپنے شہریوں کو دے سکتی ہے۔ اس نے نہ صرف اس نظریے کو مسترد کر دیا بلکہ سفید و سیاہ فام کی مخلوط نسل کی عورت سے شادی کر لی۔ البرٹ کے انسانی برادری کے نظریات میں رنگ و نسل کی کوئی گنجائش نہ تھی اور انسانوں کی بنائی ہوئی رکاوٹوں کے مقابلے میں محبت کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ اس کی طبیعت کی فیاضی نے اسے مجبور کیا کہ وہ اپنی جائے عافیت کو عمداً ترک کر کے ایلے نائے کی انتظامیہ کے چنگل میں آ گیا۔ اپنے کامریڈوں کے انجام میں شمولیت دیگر تمام امور سے زیادہ اہم تھی۔ اس سب کے باوجود البرٹ زندگی سے جنون کی حد تک عشق کرتا تھا۔ اس کی عمدہ شخصیت کا اظہار اپنے آخری لمحات میں بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے نہ کسی کو برا بھلا کہا اور نہ گریہ وزاری اور ماتم کیا۔ پارسنز اپنا محبوب گیت گنگناتا رہا (Annie Laurif)۔ اس کے سر قید کی کوٹھری میں یوم دار تک گونجتے رہے۔

میرا ڈین ور سے سان فرانسسکو کا سفر روکی فاؤنٹین میں سے گزر کر مکمل ہوا جو نئے تجربات اور پر ہیجان واقعات سے لبریز تھا' ایسے ہی مناظر مجھے سوئس پہاڑوں میں بھی دیکھنے کو ملے تھے جب ویانا جاتے ہوئے میں چند دنوں کے لیے سوئٹزرلینڈ میں ٹھہری تھی۔ لیکن اس سطح مرتفع کا نظارہ سنگلاخ اور پر ہیبت ہونے کے باوجود چھا جانے والا تھا۔ اس کے باوجود میں اس خیال سے اپنا دامن نہ چھڑا سکی کہ نوع انسان کی جملہ مساعی کتنی طفلانہ ہیں۔ پوری نوع انسان' میں بھی جس میں شامل ہوں مذکورہ منظر کے سامنے گھانس کا ایک حقیر تنکا لگتی تھی اور پہاڑوں کے اس دل آویز منظر کے سامنے دردناک بے بسی کی تصویر۔ انہوں نے مجھے دہشت زدہ کر دینے کے باوجود اپنے حسن اور عظمت کی پناہ میں لے لیا۔ لیکن ہم جب رایل جارج پہنچے اور ہماری ٹرین نے اپنی رفتار میں بہ آہستگی اضافہ کیا اور بل کھاتی ہوئی فولادی راہوں پر چلنے لگی جسے انسان کی محنت نے تخلیق کیا تھا تو میری جان میں جان آ گئی اور میرا اپنی قوت پر بھی اعتماد بحال ہوگیا۔ ان قوتوں نے جنہوں نے ان دیوپیکر پتھروں میں سوراخ کیا تھا وہ ہر طرف نظر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آ رہی تھیں اور انسان کی لازوال تخلیقی فراست کی شاہد تھیں۔

بہار کے آغاز میں کیلی فورنیا کو پہلی مرتبہ دیکھنا وہ بھی صحرائے نے واڈا میں چوبیس گھنٹے کے بے کیف سفر کے بعد تو یوں لگتا تھا جیسے کوئی ڈراونے خواب کے آخر میں پرستان کا نظارہ کر رہا ہو۔ اس سے پہلے میں نے کبھی بھی فطرت کو اتنا فیاض اور رعنا نہ دیکھا تھا۔ میں ابھی اس کے سحر سے اچھی طرح نہ نکل پائی تھی کہ منظر بدل کر گہنا گیا اور ٹرین اوکلینڈ کے ریلوے اسٹیشن میں داخل ہوگئی۔

میرا سان فرانسسکو کا قیام دلچسپ اور پر مسرت رہا۔ اس سے مجھے یہ موقعہ ملا کہ میری کارکردگی ماضی کے مقابلے میں بہترین رہی اپنی اور مجھے ایسے لوگوں سے مراسم پیدا کرنے کا موقع ملا جو حریت پسند اور نادر جذبے کے لوگ تھے۔ مغربی ساحل پر انارکسٹ سرگرمیوں کا صدر دفتر 'فری سوسائٹی' تھا۔ مدیر اور ناشر کے عہدے ایزاک خاندان کے پاس تھے۔ وہ غیر معمولی لوگ تھے' اینے ایزاک' میری اس کی اہلیہ اور ان کی تین اولادیں۔ وہ عقیدتاً مینونائیٹس تھے جو روس کا ایک آزاد خیال مذہبی فرقہ تھا' یہ جرمن نژاد تھے۔ امریکہ میں اہل ایزاک شروع میں پورٹلینڈ' اور یگون میں ٹھیرے تھے یہیں وہ انارکزم کے نظریات سے متاثر ہوئے۔ یہاں پر چند مقامی کامریڈوں کے اشتراک سے جن میں ہنری ایڈس' ایچ۔ جے۔ پوپ شامل تھے اہل ایزاک نے ایک انارکسٹ ہفت روزہ فایر برانڈ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے آخر آخر کے کسی شمارے میں والٹ وہٹمین کی نظم "A woman waits for me" شائع ہونے پر اس کے ناشروں کو گرفتار کرلیا گیا۔ اور ایچ۔ جے۔ پوپ کو فحش تحریریں چھاپنے کے الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس پر ایزاک خاندان نے 'فری سوسائٹی' نکالنا شروع کر دیا جہاں سے وہ سان فرانسسکو منتقل ہوگئے۔ ان کے بچے تک اس کام میں ہاتھ بٹھاتے اور اکثر اٹھارہ گھنٹے یومیہ تک کام کرتے۔ جس میں لکھنا' ٹائپ جمانا اور لفافوں پر پتہ لکھنا بھی شامل تھا۔ ساتھ ساتھ وہ پرچار کی سرگرمیوں سے بھی غافل نہ ہوتے۔

ان کے لیے میرے دل میں خصوصی کشش کا سبب ان کی زندگی کی ہم آہنگی تھی۔ اپنے نظریات جن کے وہ مبلغ تھے۔ اور ان پر عمل درآمد میں ہم آہنگی تھی۔ والدین اور گھر کے دیگر لوگوں میں جس مکمل آزادی کا چلن تھا وہ میرے لیے اچنبھے کی بات تھی۔ میں نے کسی بھی انارکسٹ خاندان کے اندر بچوں کو اتنی آزادی اور اظہار خیال کی ایسی روش جس میں بزرگوں کی طرف سے رکاوٹ کا شائبہ تک نہ ہو نہیں دیکھی تھی۔ یہ سن کر مجھے بڑی مسرت ہوئی جب میں نے ایب اور پیٹ کو جو بالترتیب سولہ اور اٹھارہ برس کے تھے اپنے باپ سے اصولوں پر مبینہ انحراف پر باز پرس کرتے ہوئے سنا' یا اس کے مقالے کی پرچاری قدر پر تنقید کرتے ہوئے دیکھا۔ ایزاک ان کی بات توجہ اور احترام سے سنتا چاہے تنقید کا انداز متکبرانہ اور ناگوار ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ زمانہ عنفوان شباب میں ہوتا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ بھی یہ نہ دیکھا کہ والدین اپنی بزرگی اور دانش کو ان پر تھوپ رہے ہوں۔ ان کے بچے ان کے ہم مرتبہ تھے' ان کے اختلاف کرنے کے حق' اپنی زندگی بسر کرنے اور سیکھنے کے حق پر مواخذہ نہیں ہوسکتا تھا۔

اگر آپ اپنے گھر ہی میں آزادی نہیں قائم کر سکتے' ایزاک اکثر کہتا ''آپ دنیا کو اس پر کس طرح آمادہ کریں گے؟'' اس کے اور میری کے لیے آزادی کا یہی مفہوم تھا۔ ہر شعبے میں صنفی آزادی کی مساوات جن میں تمام ضرورتیں' جسمانی' ذہنی اور جذباتی شامل ہیں۔

فائر برانڈ میں بھی ایزاک کا یہی شعار تھا اور اب فری سوسائٹی میں بھی۔ جنسی آزادی پر ان کے زور دینے پر مشرقی ساحل کے باسی بہت سے انارکسٹ اور دیگر مماک والے کڑی تنقید کا نشانہ بناتے۔ میں نے ان کے رسالے میں اس مسئلے پر بحث مباحثے کا خیر مقدم کیا تھا کیونکہ مجھے ذاتی تجربے نے بتایا تھا کہ اظہار جنس کا عنصر انسان حیات میں اتنا ہی اہم ہے جتنی کہ غذا اور ہوا۔ اس لیے میرے لیے یہ محض کوئی نظری مباحثہ نہ تھا جس نے مجھے نوجوانی کے زمانے ہی سے جنس کو بے تکلفانہ انداز میں گفتگو کرنے پر لگا دیا۔ جیسا کہ میں زندگی کے دیگر موضوعات کو زیر بحث لاتی تھی اور دوسروں کے خیالات کی پرواہ نہ کرتی۔ مشرقی ساحل کے ریڈیکل حلقوں میں میں ایسے کئی زن و مرد سے ملی جو اس موضوع پر میرے ہم خیال تھے اور اپنی جنسی زندگی میں ان ہی نظریات کو بروئے کار لانے کی ہمت رکھتے تھے۔ مگر اپنے نزدیکی حلقے کے اندر میں بالکل تنہا تھی۔ اس لیے یہ میرے لیے ایک انکشاف تھا کہ ایزاک میری ہی طرح

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سوچتے اور رہتے ہیں۔اس سے مجھے مدد ملی کہ میں ان سے ذاتی تعلق مستحکم کرلوں جو ہمارے انارکسٹ نصب العین کے علاوہ تھا۔

سان فرانسسکو اور اس کے مضافاتی قصبوں میں شبینہ تقاریر کی مصروفیات کے باوجود یکم مئی منانے کے لیے ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا' اسی درمیان میں ایک سوشلسٹ سے مباحثہ ہوا اس سب کے باوجود ہمیں تواتر سے ایسی سماجی تقریبات برپا کرنے کا موقع مل گیا جس میں ہنسی ٹھٹھا اور بذلہ سنجی اتنی ہوتی جن پر پارسا چیں بہ چیں ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔مگر ہم ان کا برا نہیں مانتے۔جوانی اور آزادی کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ قوانین اور نکتہ چینی کو تمسخر میں اڑا دیتے ہیں۔اور ہمارے حلقے کے لوگ سن و سال اور جذبے میں جوان تھے۔ایزاک کے بیٹوں اور دیگر نوجوانوں کی محفل میں میں خود کو دادی اماں سمجھنے لگتی۔۔۔میں انتیس برس کی تھی۔مگر جوش وخروش میں سب سے زیادہ زندہ دل۔یہ میرے نوعمر مداحوں کا کہنا تھا۔ہم میں جوانی پھوٹی پڑ رہی تھی اس پر یہ کیلی فورنیا کی شراب ارزاں اور نشہ آور تھی' ایک غیر مقبول نظریے کے داعیوں پر دیگر لوگوں کے مقابلے میں یہ کہیں زیادہ لازم ہے کہ جی ہلکا کرنے والی نادانیاں کریں۔ورنہ یہ ان کے لیے کیسے ممکن ہوگا کہ وہ زندگی کی صعوبتوں اور حیات کی کشاکش سے جانبر ہوسکیں گے؟ میرے سان فرانسسکو کے کامریڈ انتھک محنتی تھے اور اپنے کام میں گہری دلچسپی لیتے اس کے باجود وہ بامحبت' مے نوش اور کھلنڈرے بھی تھے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۱۸

امریکہ اسپین کے خلاف جنگ کا اعلان کر چکا تھا۔ خبر خلاف توقع نہ تھی۔ کئی ہفتوں سے اخبارات اور منبر سے دہائی دی جا رہی تھی کہ کیوبا میں ہسپانوی ظلم وتشدد کے مارے ستائے لوگوں کو بچانے کے لیے فوج کشی کی جائے۔ میں دل سے یہ چاہتی اور کیوبا کے فلپائن نژاد باغیوں سے ہمدردی رکھتی تھی جو ہسپانوی جوا اتار پھینکنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ فی الواقع میں ان نیم فوجی دستوں کے چند ارکان کے ساتھ مل کر کام کر چکی تھی جو جزائر فلپائن سے آزادی کے لیے درپردہ کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ مجھے اہل امریکہ کے حب الوطنی پر مبنی احتجاجوں پر ذرہ برابر اعتبار نہ تھا جو اپنی غیر جانبداری اور ظاہری نیک نیتی کے پردے میں اہل کیوبا کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات سمجھنے کے لیے کسی سیاسی بصیرت کی ضرورت نہ تھی کہ امریکی تشویش انسانی احساسات کے بجائے کیوبا کی شکر میں اٹکی ہوئی تھی۔ یہ بھی درست ہے کہ لاتعداد خوش اعتقاد لوگ بھی موجود تھے جو صرف ملک کے طول وعرض ہی میں نہ تھے، وہ روشن خیالوں کی صفوں میں بھی موجود تھے جو امریکی دعووں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ میں ان کا ساتھ نہ دے سکتی تھی۔ مجھے یقین کامل تھا کہ کوئی بھی ہو چاہے فرد ہو یا حکومت جو لوگوں کو درون ملک غلام بنانے اور ان کا استحصال کرنے پر کمربستہ ہو اس میں کہاں سے دیانت داری یا یہ تمنا پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ دوسرے خطوں کے لوگوں کو آزاد کرائے۔ اس لیے اس کے بعد میرا سب سے زیادہ اہم خطاب جس میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اس کا عنوان تھا ''حب الوطنی اور جنگ۔''

سان فرانسسکو میں تمام امور بلا کسی رکاوٹ کے بہ خوبی انجام پا گئے۔ لیکن کیلی فورنیا کے چھوٹے قصبات میں اپنا سفر جاری رکھنے کے لیے ہمیں جھگڑنا پڑا اور چیونٹی کی رفتار سے سفر طے ہوا۔ پولیس کو انارکسٹوں کے جلسے درہم برہم کرنے میں کبھی تکلف نہ ہوتا۔ وہ تساہل سے کام لیتی اور خاموش تماشائی بن جاتی اور یوں حب الوطن دنگا کرنے والوں کی ہمت افزائی ہوتی۔ اور تقریر کرنا دوبھر ہو جاتا۔ ہمارے سان فرانسسکو کے حلقے کے لوگوں کا عزم اور میری اپنی حاضر دماغی سے کئی مرتبہ نازک حالات بگڑنے سے بچ گئے۔ سان جون میں سامعین فساد پر اتنا کمربستہ لگ رہے تھے کہ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ جلسے کو بغیر چیئرمین کے چلانا چاہئے اور پوری کارروائی میں نے اپنے کندھوں پر لے لی۔ جیسے ہی میں نے بولنا شروع کیا غل غپاڑہ شروع ہو گیا۔ میں فسادیوں کی طرف مڑی اور ان سے درخواست کی وہ اپنے لوگوں میں سے کسی ایک کا چناؤ کر لیں تا کہ وہ جلسے کی صدارت کرے۔ ''دفع ہو جاؤ!'' وہ چلائے۔ تم ہمیں جھانسہ دے رہی ہو۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم تمہاری کارروائی نہ چلنے دیں گے! ''کیوں نہیں؟'' میں نے جواباً پوچھ لیا۔ ''ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ دونوں فریقوں کو سنا جائے، تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' ''بہتر زندگی!'' کوئی چلایا۔ ''اس کے لیے تو پھر ہمیں نظم وضبط درکار ہے، کیا یہ ضروری نہیں ہے؟'' میں بولے جا رہی تھی۔ ''آپ میں سے ایک صاحب اوپر تشریف لائیں اور مجھے ترکیب سمجھائیں کہ لوگوں کو کس طرح خاموش کیا جا سکتا ہے اتنی دیر میں میں اپنی بات مکمل کر لیتی ہوں۔ اس کے بعد آپ اپنا نقطۂ نظر بیان کر لیں۔ شاباش اب اچھے امریکن بن جاؤ۔''

اس پر ادھم مچ گیا ''واہ بھئی وا'' اور ایسی آوازیں آنے لگیں ''لونڈیا ہوشیار ہے، ہمیں اسے موقع دینا چاہئے!'' اس کے بعد ہال میں چند منٹ تک افراتفری رہی۔ بالآخر ایک عمر رسیدہ شخص چبوترے پر چڑھ آیا میز پر اپنی چھڑی بجائی اور ایسی آواز میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

چنگھاڑا جو نقارۂ خدا لگ رہا تھا اور جس سے اریحہ کی دیواریں بیٹھ سکتی تھیں۔ خاموشی اختیار کرو! ہمیں سن لینا چاہئے کہ محترمہ کیا کہنا چاہتی ہیں! اس کے بعد میری ایک گھنٹے کی تقریر کے دوران میں کوئی گڑبڑ نہ ہوئی اور جب میں اختتام کو پہنچی تو لوگوں نے تقریباً کھڑے ہو کر تالیاں بجائیں اور تحسین و آفریں کی۔

سان فرانسسکو میں ملنے والے لوگوں میں سب سے زیادہ دلچسپ دو لڑکیاں نکلیں جو سٹرنسکی کہلاتی تھیں۔ آنا بڑی والی سیاسی اقدامات پر میرا خطاب سن چکی تھی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے اس بات پر برہم تھی کیونکہ میں نے ''سوشلسٹوں سے ناانصافی'' کی تھی۔ اگلے دن جب وہ مجھ سے ''تھوڑی دیر کے لیے'' ملنے آئی' جیسا کہ اس نے بتایا۔ لیکن اس نے پوری سہ پہر میرے ساتھ گزاری اور پھر مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ جہاں پر میں طلباء کے ایک دھڑے سے ملی جس میں جیک لنڈن بھی تھا اس کے علاوہ نوعمر سٹرنسکی لڑکی روز سے بھی ملی جو بیمار تھی۔ آنا اور میری گہری دوستی ہوگئی۔ اسے لیلینڈ اسٹینفورڈ یونیورسٹی سے محض اس لیے معطل کر دیا گیا تھا کیونکہ اس نے ایک مرد ملاقاتی کو دیوان خانے کے بجائے اپنے کمرے میں ملنے کے لیے بلا لیا تھا۔ میں نے آنا کو دیانا میں اپنی شب و روز کی مصروفیات کے متعلق بتایا اور ان طلباء کے متعلق جن کے ساتھ ہم نے نوشی کرتے سگرٹیں پیتے اور رات رات بھر بحث و مباحثہ کرتے۔ آنا کو یقین تھا کہ امریکی عورت کو اپنی ذاتی سرگرمیاں صرف اس وقت ملیں گی جب اسے ووٹ دینے کا حق ملے گا۔ لیکن میں اس سے متفق نہ تھی۔ میرا استدلال یہ تھا کہ روسی عورت عرصہ دراز سے اپنی سماجی اور اخلاقی خودمختاری منوا چکی ہے جبکہ اسے یہ سب حقوق ووٹ دینے کا حق ملے بغیر ملا ہے جس سے صنفوں کے درمیان ایک حسین احساس رفاقت نے جنم لیا ہے' جس سے آزاد خیال روسیوں کے مابین فروغ پانے والے صنفی رشتے نہایت عمدہ اور خوشگوار درجے میں داخل ہو گئے۔

میں لاس اینجلس جانا چاہتی تھی۔ لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہاں کسی میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ میرے لیے جلسوں کا انتظام کر سکے۔ اس شہر کے چند جرمن نژاد انارکسٹوں نے جن سے میری خط و کتابت تھی انہوں نے مجھے نہ آنے کا مشورہ دیا۔ میری تقاریر خصوصاً جنسی مسئلے پر' ان کے خطوط کے مطابق ان کے کام کے خلاف محاذ آرائی کا سبب بن سکتی ہیں۔ میں لاس اینجلس جانے کا خیال قریب قریب فراموش کر چکی تھی جب ایک غیبی ذریعے سے ہمت افزائی کی نوید آئی۔ یہ نیو میکسیکو کے ایک نوجوان شخص کی طرف سے تھی جسے میں ایک مخفف لفظ وی سے جانتی تھی۔ وہ کاروبار کے سلسلے میں لاس اینجلس میں ہوگا۔ اس نے یہ اطلاع دی اور اسے میرے لیے ایک جلسے کا انتظام کر کے خوشی ہوگی۔ مسٹر وی' ایک عمدہ یہودی اطوار کا شخص تھا' شروع میں میری تقاریر کے دوران میں میری توجہ کا مرکز بنا تھا۔ وہ ہر شام موجود رہتا اور ہمیشہ دانشمندانہ سوالات پوچھتا۔ ایزاک کے گھر کا آنے جانے والا تھا اور لگتا تھا اسے ہمارے نظریات میں دلچسپی ہے۔ وہ خوبیوں کا مالک تھا اس لیے میں نے جلسہ منظم کرنے کی اس کی تجویز سے اتفاق کر لیا۔

مناسب وقت پر میرے 'منیجر' نے اطلاع دی کہ سب کچھ تیار ہے۔ جب میں وہاں پہنچی تو وہ مجھے اسٹیشن پر ملا' گلاب کا ایک گلدستہ پیش کیا اور ہوٹل لوا لے گیا۔ یہ لاس اینجلس کے سب سے اچھے ہوٹلوں میں سے ایک تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا اس شاہانہ مقام پر قیام میرے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ لیکن مسٹر وی بحث پر اتر آیا کہ یہ میری خام خیال تھی جس کی اسے ایما گولڈ مان سے توقع نہ تھی۔ ''کیا تم نہیں چاہتیں کہ جلسہ کامیابی سے دوچار ہو؟'' اس نے پوچھا ''بلاشبہ'' میں نے جواب دیا لیکن اس کا مہنگے ہوٹل میں قیام سے کیا تعلق ہے؟ ''بہت زیادہ'' اس نے مجھے اطمینان دلایا۔ ''اس سے تقریر کے انعقاد کے واقعے کو شہرت ملے گی۔'' مگر انارکسٹ حلقوں میں اس نقطۂ نظر کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔'' میں نے احتجاج کیا ''تمہاری صفوں پر لعنت بھیجتا ہوں'' اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''اسی لیے تمہارے جلسوں میں تھوڑے سے لوگ آتے ہیں' ذرا جلسہ شروع ہونے تک صبر کر لو پھر باتیں ہوں گی۔ میں نے خاموشی میں عافیت سمجھی۔

اس نے میرے لیے جو کمرہ محفوظ کرایا تھا وہ پرتعیش تھا اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا مجھے ایک اور حیرانی ہوئی۔ پھر مجھے ایک سیاہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مخملی پوشاک کہیں رکھی ملی جو میرے لیے تیار کرائی گئی تھی۔ ''یہ ایک تقریر ہونے والی ہے یا شادی کی تقریب''؟ میں نے مسٹر وی کو گھیرا، ''دونوں'' اس نے ترنت جواب دیا' اگرچہ تقریر پہلے ہوگی۔

اس نے شہر کے سب سے اچھے تھیٹر کو کرائے پر لیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرے دوست مینجر نے دوستانہ شکوہ بھی کیا کہ مجھے یہ بات سمجھنا چاہئے کہ مجھے اس ملے دلے لباس میں یہاں نہ نکلنا چاہے جو میں سان فرانسسکو میں پہن چکی ہوں۔ اس کے علاوہ اگر اس کا منتخب کیا ہوا گاون مجھے پسند نہیں ہے تو اسے تبدیل کیا جاسکتا ہے مجھے اہل لاس اینجلس کے سامنے نمودار ہونے کے لیے طمطراق سے جلوہ گر ہونا چاہئے۔ ''لیکن تم اس بکھیڑے میں کیوں پڑ رہے ہو؟'' میں نے بہ اصرار پوچھا' تم نے تو کہا تھا کہ تم انارکسٹ نہیں ہو۔ ''مگر میں اس راہ پر چل نکلا ہوں اور کسی وقت ہوسکتا ہوں'' اس نے جواب دیا۔ اب تم بے فکر ہو جاؤ'' تم نے مجھے اپنا مینجر مقرر ہونے پر اتفاق کیا تھا، اس لیے اب تمام معاملات کو میری مرضی کے مطابق چلنے دو۔'' ''کیا ہر مینجر تمہاری طرح خیر خواہ ہوتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''ہاں' اگر وہ اپنے کاروبار کی نزاکت کو سمجھتے ہوں اور اپنے فنکار کو تھوڑا سا پسند بھی کرتے ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

آئندہ چند دنوں تک اخبارات ایما گولڈ مان سے بھرے ہوئے تھے۔ ''نیو میکسیکو کے ایک دولتمند شخص کے زیر انتظام۔'' اخباری نمائندوں سے اوجھل رکھنے کے لیے مسٹر وی مجھے طویل چہل قدمی کے لیے لے جاتا اور شہر کے میکسیکو والوں کے رہائشی مضافات میں گھڑ سواری کراتا جہاں ریسٹورنٹ اور کافی ہاؤس تھے۔ ایک روز اس نے مجھے اس کی ترغیب دی کہ میں اس کے ایک روسی دوست سے مل لوں۔ جو شہر کا سب سے زیادہ فیشن والا درزی نکلا اور اس نے بات ہی بات میں اس پر آمادہ کرلیا کہ میں اسے ایک سوٹ کے لیے پیمائش لے لینے دوں۔ جس دن تقریر ہونا تھی اسی سہ پہر میں مجھے ایک سادہ اور خوبصورت ریشمی ململ کا سلا ہوا سوٹ کمرے میں رکھا ملا۔ ساری چیزیں اتنی پراسرار طریقے سے ہو رہی تھیں جیسی کہانیاں میری جرمن نرس مجھے سنایا کرتی تھی۔ قریب قریب ہر دن میرے لیے ایک حیرانی لے کر آتا۔ یہ سب کچھ عجیب وغریب طریقے سے ہوتا مگر کسی دکھاوے کے بغیر۔

جلسہ بڑا تھا اور قدرے متلاطم جبکہ حب الوطن بڑی تعداد میں تھے۔ انہوں نے تواتر سے افراتفری پھیلانے کی کوشش کی لیکن چابکدست چیئرمین ''جو نیو میکسیکو کا دولتمند شخص تھا'' نے جلسے کی نیّا پار لگادی اور پرامن اختتام ہوا۔ تب بہت سے لوگ اوپر چڑھ آئے اور خود کو ریڈیکل کہہ کر متعارف کرایا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں لاس اینجلس میں رہوں' انہوں نے یہ بھی پیشکش کہ کہ وہ میرے لیے مزید تقریروں کا انتظام کریں گے۔ میں ایک اجنبی کی گمنامی سے نکل کر تقریباً ایک نام ور شخصیت بن گئی۔ اس کے لیے میں اپنے مینجر کی مرہون منت تھی۔

اسی رات ایک ہسپانوی ریسٹورنٹ میں جو بھیڑ بھاڑ سے دور جگہ پر تھا مسٹر وی نے مجھ سے شادی کرنے کی پیشکش کی۔ عام حالات میں تو میں اس پیشکش کو اپنی توہین سمجھتی لیکن اس شخص نے سارے کام اس خوش مذاقی سے انجام دیئے تھے کہ میں اس سے ناراض نہ ہوسکی۔ ''میں اور شادی!'' میں نے حیران ہو کر کہا ''تم نے تو یہ بھی نہ پوچھا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں' اس کے علاوہ تمہیں محبت پر بس اس قدر اعتبار ہے کہ اسے کنجی تالے میں رکھا جائے؟'' ''ٹھیک ہے'' اس ے جواباً کہا ''میں تمہاری آزاد جنس کاری میں یقین نہیں رکھتا۔ مگر مجھے تمہاری تقریریں جاری رکھنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ مجھے اس میں خوشی ہوگی کہ میں تمہاری اس بات میں مدد کروں اور وہ ماحول پیدا کردوں جن میں تم مزید کام کرسکو اور وہ بہتر بھی ہو۔ مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ تم میں میرا کوئی شراکت دار ہو۔

وہی پابندی! جس گھڑی سے میں آزاد انسان بنی ہوں میں یہ کتنی مرتبہ سن چکی ہوں' وہ چاہے ریڈیکل ہوں یا قدامت پرست' عورت کو ہر مرد اپنی باندی بنانا چاہتا ہے۔ میں نے اسے ٹکا سا جواب دیا کہ ''نہیں!''

اس نے میرے جواب کو حتمی سمجھنے سے انکار کردیا۔ کہ شائد میں اپنا فیصلہ بدل دوں گی' اس نے کہا۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ اس سے میری شادی کا امکان نہیں ہے۔ اپنے لیے میرے دل میں غلامی کی زنجیریں ڈھالنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میں اس سے پہلے اس کا ارتکاب کر چکی ہوں اس لیے اب مجھ سے یہ نہ ہوگا۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں'' کہ آزادانہ جنس سے کام چلے'' اس کے علاوہ کوئی بھی 'شرط' میری لغت میں نہیں ہے۔ لیکن مسٹر وّی پر کسی بات کا اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی محبت سرسری نہ تھی اور وہ پُر اعتماد تھا' وہ انتظار کر سکتا ہے۔

میں نے اسے خدا حافظ کہہ دیا' پُر تعیش ہوٹل خالی کر دیا اور جا کر کسی یہودی کامریڈ کے پاس ٹھہر گئی جس سے حال ہی میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں ایک ہفتے تک ایسے جلسوں سے خطاب کرتی رہی جہاں بڑی تعداد میں سامعین آتے تھے۔ بعد ازاں ہمدردوں کا ایک گروہ بھی ترتیب پا گیا تاکہ کام جاری رہے پھر میں سان فرانسسکو لوٹ آئی۔

میری لاس اینجلس کی سرگرمیوں کا انجام فرای ہائٹ کے ایک مضمون کی صورت میں نکلا جس میں میرے ایک مہنگے ہوٹل میں قیام کرنے پر مذمت کی گئی اور ایک دولتمند شخص کو جلسے کے انتظامات کرنے کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ میرے اطوار'' کارکنوں کے لیے انارکزم کے لیے انوکھے نمونے تھے'' مضمون نگار نے یہ تبصرہ کیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ لاس اینجلس میں انارکزم پر انگریزی زبان میں بڑے پیمانے پر اس سے پہلے کوئی پرچار نہ ہوا تھا۔ اور میرے جلسوں کی وجہ سے اب منظم نشر و اشاعت اہل امریکہ کے کانوں میں پڑنے لگے گی' مجھے یہ الزامات مضحکہ خیز لگے۔ یہ ان کئی احمقانہ الزامات میں سے ایک اور حملہ تھا جو موسٹ کے ہفتہ روزہ میں میرے خلاف چھپا کرتے تھے۔ میں نے اسے نظر انداز کر دیا لیکن 'فری سوسائٹی' نے اس کا جواب دیا جو ایک جرمن کامریڈ نے لکھا تھا جس میں اس نے ان کامیابیوں کا ذکر کیا تھا جو میرے لاس اینجلس کے دورے میں حاصل ہوئی تھیں۔

نئے سال پر میرے بھائی ایگور اور اڈّ نے میرا اسٹیشن پر استقبال کیا۔ مجھ سے مل کر ایگور کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ اڈّ جو جلوت میں ہمیشہ لیے دیئے رہنے کا عادی تھا اس کے باوجود اس کا رویہ قدرے خلاف معمول تھا۔ میں سمجھی اس کا سبب میرے بھائی کی موجودگی ہے لیکن جب وہ خلوت میں بھی منہ پھلائے رہا تو میرا ماتھا ٹھنکا کہ کوئی تبدیلی آ چکی ہے۔ وہ معمول کے مطابق متوجہ اور پاس لحاظ دکھا رہا تھا اور ہمارا گھر بھی ہمیشہ کی طرح جگمگا رہا تھا مگر وہ بدل چکا تھا۔

اپنی حد تک' میرے دل میں اڈّ کے لیے اگر کوئی جذباتی تبدیلی آئی بھی ہوگی تو میں اس سے بے خبر تھی...... مجھے یہ بات واپسی سے پہلے بھی معلوم تھی۔ اب اس کی موجودگی میں بھی مجھے یقین تھا کہ فکری اختلافات چاہے جو بھی ہوں میں اب بھی اسے چاہتی تھی اور اس کی دلدادہ تھی۔ مگر اس کے سرد مہری کے رویے نے مجھ میں تکلف پیدا کر دیا۔

حالانکہ میں اپنے دورے میں بے حد مصروف رہی لیکن اڈّ نے اپنی فرم کی جو ذمہ داری مجھے سونپی تھی اسے میں نے پس پشت نہیں ڈالا تھا۔ میں 'ایجاد' کے لیے خریدار بنانے میں کوشاں رہی اور مغربی ساحل کے کئی کتب اور لکھائی پڑھائی کا سامان بیچنے والی بڑی دکانوں سے معقول سودے طے کرانے میں کامیاب بھی ہوگئی۔ اڈّ بہت مسرور تھا اور میری کوششوں کو سراہا بھی۔ لیکن میرے دورے اور کام کی بابت نہ کوئی سوال پوچھا اور نہ ہی معمولی سے دلچسپی لی۔ اس خانگی صورت حال سے میری بے اطمینانی بڑھ کر برہمی میں ڈھل گئی۔ وہی گھر جو میرے لیے کبھی مسرت اور چین کا گہوارہ اور جنت تھا وہاں پر بات کرنے کو ترستی تھی زباں میری۔

خوش بختی کہیے کہ کڑھنے کے لیے وقت بھی نہ تھا۔ نیو جرسی میں 'سٹ' کے مقام پر کپڑے بنانے کی صنعت میں ہڑتال ہوگئی جہاں میری خدمات درکار تھیں۔ وہاں پر صورت روایتی نکلی۔ جلسے کرنے کی یا تو ممانعت تھی یا انہیں پولیس ڈنڈے برسا کر منتشر کر دیتی سٹ کے مضافات کے جنگلوں میں جلسے منعقد کرنے کے لیے داؤ پیچ اور مہارت درکار ہوتی۔ میں بے حد مشغول رہتی اور اڈّ سے ملاقات کی گنجائش نہ نکلتی۔ بفرض محال اگر ہم یکجا بھی ہوتے تو وہ چپ سادھے رہتا۔ صرف اس کی آنکھیں بولتیں جن میں صرف ملامت تیرتی رہتی۔

جب ہڑتال ختم ہوگئی تو میں نے طے کیا کہ اب اڈّ سے معاملہ کروں۔ میرے لیے یہ کشیدگی اب برداشت سے باہر تھی۔ مگر کئی ہفتوں تک اس کی نوبت اس لیے نہ آسکی کیونکہ عالمگیر پیمانے پر انارکسٹوں کو کھوج لگا کر گرفتار کیا جا رہا تھا کیونکہ چیکنی نے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آسٹریا کی ملکہ کو گولی ماردی تھی۔ اگرچہ اس سے پہلے میں نے اس شخص کا نام کبھی نہ سنا تھا اس کے باوجود پولیس میرا تعاقب کرنے لگی اور صحافت نے مجھے تعزیری شکنجے میں یوں کسنا شروع کر دیا جیسے میں نے ہی اس بدقسمت عورت کو قتل کیا ہو۔ میں نے یہ نعرہ لگانے سے انکار کر دیا کہ لکچینی کے قاتل کو ''مصلوب کرو!'' جبکہ مجھے اطالوی انارکسٹ اخبارات کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ کوچہ گرد بچہ رہ چکا تھا۔ اور عنفوان شباب ہی میں اسے فوجی خدمات کے لیے جبراً بھرتی کر لیا گیا تھا۔ اس نے افریقہ کے محاذ پر جنگ کی وحشت اور بربریت دیکھی' فوج میں اس سے سفاکانہ سلوک روا رکھا گیا اور تب سے وہ مصیبت زدہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ ان تمام عوامل نے مل کر انتہائی مجبوری میں اس بھٹکے احتجاج کے عملدرآمد پر لگا دیا۔ ہر جگہ ہمارے سماجی تانے بانے میں زندگی کو ارزاں' بے کار اور گھٹیا بنا دیا گیا ہے۔ اس لیے اس نوجوان ہی سے یہ توقع کیوں رکھی جا رہی ہے کہ وہ زندگی کا احترام کرے؟ میں نے مقتولہ سے ہمدردی ظاہر کرنے والا بیان جاری کیا جو عرصہ دراز سے آسٹریا کے دربار کی ناپسندیدہ شخصیت بنائی جا چکی تھی اور اس لیے اس غریب کو ان جرائم کے لیے کیسے موردالزام ٹھہرایا جا سکتا ہے جن کا ارتکاب تاجور کے نام پر کیا جاتا تھا۔ مجھے لکچینی کے اقدام میں اپنے آدرش کے پرچار کے لیے کوئی گنجائش نہ نظر آئی۔ وہ اتنا ہی مظلوم تھا جتنی ملکہ تھی۔ میں نے قاتل کی وحشیانہ مذمت میں لاتعداد لوگوں کی قوالی میں آواز ملانے سے انکار کر دیا اور اسی طرح اس مریضانہ جذباتیت سے بھی احتراز کیا جو دوسرے کے لیے ظاہر کی جا رہی تھی۔

میرے موقف سے پولیس اور اخبارات کو مجھے ملعون بنانے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ بات فطری ہے کہ میں بھی تنہا نہ تھی۔ تقریباً پوری دنیا میں ہر ممتاز انارکسٹ کو اسی قسم کے حملوں کو سہنا پڑ رہا تھا۔ مگر ریاست ہائے متحدہ میں' خصوصاً نیویارک شہر میں' میں ہی مرکھنی گائے تھی۔

لکچینی کے اقدام سے نہ صرف تاجداروں کے بلکہ منتخب حکمرانوں کے دل میں بھی دہشت بیٹھا دی' دونوں طبقوں میں پائی جانے والی ہمدردی واضح تھی۔ اقتدار کی خفیہ محافل میں یہ طے پایا کہ عالمی انارکسٹ دشمن کانگریس روم شہر میں بلائی جائے۔ یورپ اور امریکہ کے انقلابی اور آزادی کے متوالے خیال کی آزادی اور آزادی اظہار پر بڑھتے ہوئے خطرے کو بھانپ گئے اور اس سیلاب کے آگے بند باندھنے پر کمربستہ ہو گئے۔ دنیا بھر میں اقتدار کی اس بین الاقوامی سازش کے خلاف احتجاجی جلسے منعقد ہوئے۔ نیویارک میں کوئی ایسا ہال نہ مل سکا جہاں میری رویت ہو سکتی۔

اس کام کی آپا دھاپی میں الیگزینڈر برکمین کے دفاع کے لیے پٹس برگ کی مجلس قائمہ کی طرف سے ایک فوری درخواست موصول ہوئی تاکہ اس کی معافی کے واسطے زوردار تحریک شروع کی جائے۔ وہ مقدمہ جس کی سماعت ستمبر میں ہونی تھی اس کی تاریخ بڑھا کر دسمبر کی ۲۱ کر دی گئی تھی۔ ہمارے وکیل نے یہ مشورہ دیا کہ معافی کے بورڈ کے فیصلے کا زیادہ دارومدار اینڈریو کارنیگی کے فیصلے پر ہے اس لیے اس نے کہلایا کہ فولاد کے بے تاج بادشاہ سے ملاقات کی جائے۔ یہ ایک خلاف عقل مشورہ تھا یقیناً جس پر ساشا صاد نہ کرے گا۔ ایسا کوئی بھی اقدام ہم سب کو ایک مضحکہ خیز صورت حال میں ڈال دے گا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہم میں سے کوئی بھی کارنیگی سے ملاقات کی حمایت نہ کرے گا۔ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے وہ اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کرے گا۔ اس کے باوجود ہمارے چند خیر خواہوں کا اصرار تھا کہ وہ رحمدل آدمی ہے اور مستقبل کے نظریات میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کے ثبوت میں انہوں نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ کچھ ہی عرصہ گزرا ہے جب کارنیگی نے پیتر کروپوتکن کو بطور مہمان مدعو کیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ پیتر نے اس مشکوک اعزاز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور اس سلسلے میں اس نے یہ جواب لکھا کہ وہ اس شخص کی مہمان نوازی نہیں قبول کر سکتا جس کے مفادات نے اس کے کامریڈ الگزینڈر برکمین کو انسانیت کش سزا دلوائی تاکہ وہ مغربی اصلاحی جیل میں ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا جائے۔ کروپوتکن کے دورے کے لیے کارنیگی کی بے تابی ظاہر کرتی تھی کہ وہ ساشا کی رہائی کے لیے پیش کی جانے والی درخواست کو توجہ اور ہمدردی سے سنے گا' یہ چند لوگوں کا خیال تھا۔ میں اس کی مخالف تھی مگر جسٹس اوراڈ کے دلائل کے آگے میری نہ چلی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہماری انانیت کو ساشا کی رہائی میں حائل نہ ہونا چاہیے۔ جسٹس

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم بنجمن۔آر۔ٹکر سے درخواست کریں کہ وہ اس معاملے میں کارینگی سے ملے۔

میری ٹکر سے شناسائی ان تحریروں کے توسط سے تھی جو لبرٹی میں شائع ہوتی تھیں جو انفرادی۔انارکزم کا داعی جریدہ تھا جس کا وہ بانی مدیر تھا۔اس کے قلم میں بڑی قوت تھی اور اس نے اپنے قارئین کو فرانسیسی اور جرمن زبان کے شاہکار ادب سے متعارف کرایا تھا۔لیکن کمیونسٹ۔انارکسٹوں کے متعلق تنگ نقطۂ نظر رکھتا اور تحقیری کینہ پروری کرتا۔''جہاں تک وسیع القلبی کا تعلق ہے اس معاملے میں میں ٹکر سے متاثر نہ تھی۔'' میں نے یہ جسٹس سے کہہ بھی دیا۔جس کا اصرار تھا کہ میں غلطی پر ہوں۔اور ہمیں اس شخص کو کارگزاری دکھانے کا ایک موقع دینا چاہئے۔ایک چٹھی جس پر جسٹس شواب' آڈ' براڈی اور میں نے دستخط ثبت کیے۔ بنجامن۔آر۔ٹکر کو ارسال کی گئی۔جس میں مقدمے کی تفصیلات درج تھیں اور اس سے پوچھا گیا کہ وہ کارنیگی سے ملنے پر آمادہ ہے۔جس کی اسکاٹ لینڈ سے آمد عنقریب متوقع ہے۔

انجیل کے حواریوں کے مکتوبات کی پیروی کرتے ہوئے ایک طویل خط موصول ہوا جس میں اس نے ان شرائط کا ذکر کیا تھا جن کے تحت وہ کارنیگی سے رابطہ کرسکتا ہے۔بقول اس کے'اس نے لکھا' وہ اس سے یہ کہے گا۔''کوئی فیصلہ کرنے میں آپ یہ طے سمجھیں' جیسا کہ میں نے طے کر رکھا ہے' کہ وہ لوگ آپ سے نادم گناہ گاروں کی طرح ملیں گے تاکہ معافی چاہ لیں اور سزا میں خاتمے کے درخواست گزار ہوں۔ان کا اصلاً یا وکالتاً آپ کے سامنے پیش ہونے کے لیے یہ سندیسہ اس امر کا حامل ہے کہ جس کارروائی کو ایک زمانے میں وہ سورمائی عمل جانتے تھے وہ آج ان کی نظر میں احمقانہ اور بربریت سے پُر عمل بن چکا ہے.....جبکہ مسٹر برکمین کی چھ سالہ اسیری نے انہیں اپنے فعل کے غلط ہونے پر قائل کر دیا ہے.....مذکورہ وضاحتوں سے ہٹ کر اس درخواست کے سائلوں کی ہر روش ان کے عظیم آدرش سے متصادم ہوگی۔یقیناً اسے ایک لمحے کے لیے بھی یہ قیاس نہ کیا جائے کہ یہ باوقار اور جرات مند مرد اور عورتیں جنہوں نے عمداً ایک شخص کو گولی مار کر سفاکانہ طریقے سے ہلاک کرنے کی کوشش کی اتنی پستی میں گر جائیں گے اور ذلت کی راہ اختیار کر کے اپنے ہی ستم زدہ سے رہائی کے ملتجی ہوں گے تاکہ اسی پر دوبارہ حملہ آور ہوں..... میں آپ کے سامنے اس لیے موجود نہیں ہوں کہ مجھے شرمسار پاپی سمجھا جائے۔میری دستاویز میں کوئی تحریر ایسی نہیں ہے جس کی معذرت کرنے کی یہاں نوبت آئے تاہم میں یہ حقوق رکھتا ہوں.....تشدد کا ارتکاب کرنے سے انکار کر دوں' مشورہ نہ دوں اور اجازت بھی نہ دوں تاآنکہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں جس میں قتل و غارتگری قرین مصلحت لگنے لگے۔میں انتخاب کی آزادی کے حق سے دستبردار ہونے سے انکار کرتا ہوں.....۔

خط میں ساشا کی اسیری کے متعلق ایک لفظ نہ تھا جو قانونی نقطۂ نظر سے بھی انتہا کی بربریت تھی۔نہ ہی اس ظلم و ستم کا ذکر تھا جو اس پر توڑا جا چکا تھا۔مسٹر ٹکر نے انسانیت کا ہلکا سا شائبہ بھی نہ ظاہر کیا تھا۔جو ایک عظیم سماجی آدرش کا نقیب بنتا تھا۔مخفی اور سرد حساب کتاب یہ تھا کہ ساشا اور اس کے دوستوں کو کیوں کر بونا بنایا جائے مگر اسی کے ساتھ ساتھ اپنی حیثیت کو بلند و بالا کیا جائے۔ وہ یہ سمجھنے کی صلاحیت سے عاری تھا کہ اگر آپ دوسروں سے ناانصافی کریں گے تو اس کا کئی گنا شدید خمیازہ آپ کو خود بھگتنا پڑتا ہے۔وہ ایسے شخص کی نفسیاتی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا جس پر ہومسٹیڈ میں فرک کے فیصلے سے تالہ بندی کے نتیجے میں ظلم و سفاکی کا جو بازار گرم ہوا اور جس کی وجہ سے اس نے اپنے احتجاج کے لیے تشدد کا راستہ اختیار کیا۔بظاہر وہ یہ بھی سمجھنے سے معذور تھا کہ ساشا کے دوست اس کی رہائی کو حاصل کرنے کے لیے کس حد تک جا سکتے ہیں کہ یہ بھی تسلیم کر لیں کہ''وہ گم کردہ راہ تھے۔''

تب ہم نے ارنیسٹ کروسبے سے رابطہ کیا جو ایک 'موٹ' (مدعی واحد ٹیکس کا۔۔۔) ہنری جارج ۱۸۹۷ء۔۱۸۳۹ء (جو اس نظریے کی وکالت کرتا تھا کہ لگان کے سوا تمام ٹیکس منسوخ کر دیے جائیں) اور تالستائی کے نظریات کا حامی تھا۔وہ ایک باصلاحیت شاعر اور نثر نگار بھی تھا۔وہ ایک مختلف کینڈے کا آدمی تھا۔وہ اس وقت بھی فہم اور ہمدردی دکھاتا جب پوری طرح متفق بھی نہ ہوتا۔وہ ایک نوجوان آدمی کے ہمراہ ہم سے ملنے آیا جسے میں لیونارڈ۔ڈی۔ایبٹ کے نام سے جانتی تھی۔جب ہم نے اپنے مقدمے کی مسل مسٹر کروسبے کے سامنے رکھی' اس نے فوراً کارنیگی سے ملنے کی حامی بھر لی۔اس نے وضاحت کی کہ اب

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ایک نکتہ ہے جس سے اسے الجھن ہو رہی ہے۔ اگر کارنیگی اس کی ضمانت مانگے کہ برکمین رہا ہونے پر کبھی بھی خوں ریزی کا ارتکاب نہ کرے گا تو میں اس کا کیا جواب دوں گا؟ یہ بھی طے ہے کہ وہ اس نوعیت کا سوال نہیں پوچھ سکتا کیونکہ وہ واقف ہے کہ کوئی دباؤ میں آ کر کیا کر سکتا ہے۔ لیکن بحیثیت ثالث کے یہ اس پر لازم ہے کہ ہم سب مل کر اسے جواب دیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہم سب کے لیے بھی یہ ناممکن تھا کہ ایسی کوئی ضمانت دے سکیں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ساشا اس قسم کا 'اصلاحی' عہد نامہ نہ دے گا اور نہ ہی کسی اور کو ایسی کوئی دستاویز بنانے دے گا۔

معاملہ اس پر آ کر ٹھہرا کہ کارنیگی سے قطعاً درخواست نہ کی جائے۔ مقررہ تاریخ پر معافی کے بورڈ کے سامنے مقدمہ سرے سے پیش ہی نہ کیا گیا۔ اس کے ارکان برکمین سے بلاسبب کی مخاصمت رکھتے تھے۔ اور اس کی امید بندھی کہ نیا بورڈ جو آئندہ سال ذمہ داریاں سنبھالنے والا ہے شائید زیادہ غیر جانبدار ہو۔

بڑی تگ و دو کے بعد ایک ہال ملا جس میں 'انارکسٹ دشمن' کانگریس کے خلاف احتجاج جلسہ ہو سکتا تھا اس کا نام کوپر یونین ہال تھا۔ یہ اب بھی اپنے بانی کے اس اصول سے وابستگی رکھتا تھا کہ ہر سیاسی نظریئے کو سنا جانا چاہئے۔ میرے احباب کو یہ اندیشہ گھیرے تھا کہ میں گرفتار کر لی جاؤں گی۔ مگر میں ہر چیز کو منطقی انجام تک پہنچانے پر تلی ہوئی تھی۔ میں اپنی اس کوشش میں جان پر کھیل کر جانے کو تیار تھی کہ جس میں اظہار رائے کی آزادی کی آخری نشانی کو بھی صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ اس کے علاوہ میں اپنی ذاتی اور خانگی زندگی کے متعلق بھی دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں اس بات کی متمنی تھی کہ میں حراست میں لے لی جاؤں یوں ہر شے اور ہر فرد سے نجات مل جائے گی۔

جلسے والے دن شام کے وقت آڈ نے خلاف توقع اپنا سکوت توڑ دیا۔ ''یہ میرے بس سے باہر ہے کہ تمہیں خطرے سے دوچار ہوتا دیکھوں۔'' وہ کہنے لگا۔ ''تم سے ایک مرتبہ ملے بغیر جن دنوں تم دورے پر تھیں میں نے یہ حتمی فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی محبت کا گلا گھونٹ دوں اور تم سے تعلقات کو کامریڈوں کی سطح پر رکھوں۔ لیکن مجھے فیصلے کے بودے پن کا احساس اسٹیشن پر تمہیں دیکھتے ہی ہو گیا تھا۔ اس گھڑی سے میں سخت کشمکش میں پڑا ہوا ہوں اور یہ تک فیصلہ کر بیٹھا کہ تم سے تعلق ترک کر لوں۔ لیکن یہ میں نہیں کر سکتا۔ میں واقعات کو نصیب کے دھارے پر چھوڑتا ہوں جب تک تم دورے پر دوبارہ روانہ نہیں ہو جاتیں۔ لیکن چونکہ اب تمہاری گرفتاری کا خطرہ منڈلا رہا ہے' میں بولنے پر مجبور ہو گیا تا کہ ہمارے درمیان کی خلیج کو پاٹ لیا جائے۔

لیکن ہمارے درمیان میں کوئی خلیج نہیں ہے'' جب تک تم خود ہی نہ پیدا کر دو! یہ بھی درست ہے کہ میں تمہارے کئی نظریات پر اب پوری نہیں اترتی جو تمہیں بہت عزیز ہیں' لیکن میں تم سے اب بھی محبت کرتی ہوں' کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی؟ میں تمہیں چاہتی ہوں' اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کیا اور کون میری زندگی میں آتا ہے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے اور مجھے اپنے گھر کی بھی ضرورت ہے۔ کیا تم اتنے روشن خیال اور وسیع القلب نہیں ہو سکتے کہ میں جو پیش کروں اسے قبول کر لو؟''

آڈ نے وعدہ کیا کہ وہ پھر کوشش کرے گا اور ہر جتن کرے گا کہ مجھے نہ گنوا دے۔ ہماری یکجائی نے ان یادوں کو تازہ کر دیا جو جنت شداد کے اندر واقع چھوٹے سے گھر میں ہمارے نوخیز عشق کا زمانہ تھا۔

کوپر یونین ہال کا جلسہ بغیر کسی ٹنٹے کے ہو گیا۔ جون موسٹ نے مجمع سے خطاب کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر نہ پہنچا۔ وہ اسی چبوترے سے خطاب کرنا نہ چاہتا تھا جہاں میں بولنے والی تھی۔ اس کے دل میں اب بھی کدورت باقی تھی۔

تین ہفتے گزرے تھے کہ آڈ نمونیہ میں مبتلا ہو گیا۔ اس خطرناک عارضے کے خلاف میں نے اپنی تیمارداری کو پوری صلاحیت لگا دی اور محبت نچھاور کر دی اس اندیشے میں کہ کہیں ایسی انمول زندگی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔ ایسا لحیم شحیم شخص جو بیماریوں کا ہنسی ہنسی میں ذکر کیا کرتا اور اکثر کہا کرتا ''بیماری کے تمام نخرے نسوانی جسموں میں پروان چڑھتے ہیں۔'' اب مجھ سے ایک شیر خوار کی طرح چمٹا ہوا تھا' مجھے اپنی نظروں سے لمحے بھر کے لیے بھی اوجھل نہ ہونے دیتا۔ اس کی بے صبری اور زود رنجی دس بیمار عورتوں کی حالت کو مات دے رہی تھی۔ لیکن اس کی حالت اتنی غیر تھی کہ میں اس کے توجہ اور تیمارداری کے متواتر مطالبات کا برا نہ مانتی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

فیدیا اور کلاز کو جوں ہی آڈ کی حالت کا پتہ چلا تو وہ ہاتھ بٹانے کے لیے آ گئے۔ ان دونوں میں سے ایک رات کے اوقات میں مجھے سبکدوش کر دیتا تا کہ میں چند گھنٹے آرام کرلوں۔ اس بحران کی وجہ سے جو تشویش پیدا ہوئی وہ نیند کی شکل میں ظاہر ہوئی جس سے میں ادھ موئی ہو رہی تھی۔ اڈ تیز بخار میں بھاڑ میں چنے کی طرح اچھل رہا تھا اور بستر سے کودنے کے لیے جتن کرتا۔ اس کی خالی خالی نگاہوں سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ وہ کسی کو پہچانتا ہے۔ ستم بالائے ستم ان دونوں جوانوں میں سے کوئی اگر اسے چھو لیتا تو وہ تڑپنے لگتا۔ تشنج سے یہ نوبت آ گئی کہ فیدیا اور کلاس اسے بزور پکڑنے جا رہے تھے کہ میں نے روکا ''مجھے اسے سنبھالنے دو'' میں اپنے سیاں پر جھکی اور اس کی متوحش آنکھوں کے اندر میں نے اپنی روح اتار دی اور اسے اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ اڈ چند لمحے کے لیے تڑپا اس کے بعد اس کا اکڑا ہوا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ اور ایک گہری سانس لے کر اپنے تکیے پر گر پڑا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔

بالآخر بحران خاتمے کو پہنچا۔ صبح میں اڈ نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کا ہاتھ مجھے ٹٹول رہا تھا اور مریل آواز میں پوچھنے لگا ''عزیز نرس' کیا میں مر چکا ہوں'' ''ابھی نہیں'' میں نے اسے تسلی دی ''لیکن تم بالکل خاموش رہو' اس کا چہرہ روایتی مسکراہٹ سے دمکنے لگا اور وہ دوبارہ غافل ہو چکا تھا۔

جب اڈ کھڑا ہونے کے قابل ہوا تو وہ اب بھی کمزور تھا۔ مجھے ایک جلسے میں شرکت کے لیے روانہ ہونا پڑا جس کے لیے میں نے اس کے بیمار ہونے سے بہت پہلے وعدہ کیا تھا۔ فیدیا اس کے پاس ٹھہرا۔ جب میری رات گئے واپسی ہوئی تو فیدیا جا چکا تھا اور اڈ گہری نیند میں تھا۔ مجھے فیدیا کا ایک رقعہ رکھا ملا جس میں لکھا تھا کہ اڈ اب ٹھیک ہے اور اس نے مجھے اپنے گھر جانے کی اجازت دیدی ہے۔

صبح میں اڈ کو میں نے سوتا ہی پایا۔ میں نے اس کی نبض دیکھی اور محسوس کیا کہ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ میں گھبرا گئی اور ڈاکٹر ہوفمین کو بلوا لیا۔ اس نے اڈ کی خلاف معمولی طویل نیند پر تشویش ظاہر کی۔ اس نے کہا کہ مورفین دوا کا بکس لاؤ جو اڈ کی کئی وقت کی خوراک تھی۔ چار پڑیاں کم تھیں! میں نے چلتے وقت اسے ایک کھلائی تھی اور فیدیا کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اسے اور نہ ملیں۔ اس نے اوسط خوراک سے چار گنا اتار لی تھیں۔۔۔ بلاشبہ یہ جان لینے کی کوشش تھی! وہ جان دینا چاہتا تھا..... آخر کیوں..... جبکہ میں اسے بڑی مشکل سے قبر کے منہ سے نکال کر لائی تھی! لیکن آخر کیوں؟ کیوں؟

''ہمیں اسے ٹانگوں پر کھڑا کر کے فرش پر چلانا ہوگا'' ڈاکٹر نے ہدایت دی۔ وہ زندہ ہے اور ابھی سانس لے رہا ہے' اسے زندہ رکھنے کے لیے ہر جتن کریں گے۔ اس کے جھولتے ہوئے جسم کو ہم سنبھالے ہوئے اسے کمرے میں ٹہلاتے رہے اور بیچ بیچ میں اس کے منہ اور ہاتھوں پر برف رگڑتے رہے۔ بتدریج اس کے چہرے کی مردنی گھٹنے لگی اور آنکھوں کے پپوٹوں میں بھی حرکت ہونے لگی۔ یہ کسی کے سان وگمان میں بھی نہیں آ سکتا کہ اس قدر خاموش طبع اور لیے دیئے رہنے والا شخص یہ کر بیٹھنے کی صلاحیت رکھتا ہوگا؟ ڈاکٹر نے تبصرہ کیا۔ وہ چند گھنٹے اور اسی طرح سوتا رہے گا مگر فکر کی کوئی بات نہیں ہے وہ جیئے گا۔

میں اڈ کے اقدام خودکشی سے ہل کر رہ گئی اور غور کرنے لگی وہ کون سے اسباب ہیں جنہوں نے اسے اس اقدام پر اکسایا۔ میں کئی مرتبہ اس سے یہ پوچھتے پوچھتے رہ گئی کو وہ اس کی توجیہ کرے لیکن وہ ہنسی مذاق میں لگا رہا اور اس تیزی سے صحتیاب ہو رہا تھا کہ مجھ میں اس خوفناک واقعہ کے متعلق پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے خود اس کا ذکر کبھی نہ چھیڑا۔

لیکن ایک دن اس نے یہ ذکر چھیڑ کر مجھے حیران کر دیا کہ اس کی نیت قطعاً اپنی جان لینے کی نہ تھی۔ مگر اس کی بیماری کے باجود میرے جلسے میں شرکت کے لیے جانے سے اسے سخت غصہ آ گیا تھا۔ اسے اپنے تجربے سے معلوم تھا کہ وہ مارفین کی بڑی مقدار کو برداشت کر سکتا ہے اس لیے اس نے کئی خوراک کھالیں ''مقصد محض یہ تھا کہ تمہیں ذرا سا ڈرا دوں اور جلسوں میں جانے کے مراق سے نجات دلا دوں جس کے راستے میں کوئی شے نہیں حائل ہو سکتی یہاں تک کہ اس شخص کی علالت بھی جس سے وہ عشق کرتی ہے۔''

اس کے کلمات نے مجھے بدحواس کر دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے اس کے ساتھ بسر کیے ہوئے سات برس یوں ہی ضائع ہو گئے اور اڈ میرے داخلی ارتقاء کے درد اور جانکنی کو نہ جان سکا۔ ''جلسوں کا میرا مراق'' اس کی نگاہوں میں اس کی یہ حقیقت تھی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آنے والے دن آڈ کی محبت اور اس حقیقت کی بصیرت پیدا ہو جانے کے درمیان ایک کشمکش سے عبارت تھے کہ زندگی مفہوم اور کمیت سے خالی ہو چکی ہے۔ اپنی ناگوار جدوجہد کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ مجھے اسے چھوڑنا پڑے گا۔ میں نے آڈ کو بتا دیا کہ میں جا رہی ہوں اور ہمیشہ کے لیے۔

''تمہارا جان کی بازی لگا کر مجھے اپنے کام سے اچک لینا'' میں نے کہا کہ ''تمہیں نہ تو مجھ پر اعتبار ہے اور نہ ہی میرے مقاصد میں۔ گزشتہ برسوں میں تھوڑا بہت جو کچھ تم میں تھا وہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ تمہارے اعتماد اور تعاون کے بغیر میری نظر میں ہمارے مراسم دو کوڑی کے ہیں۔'' ابتدائی زمانے کے مقابلے میں میں اب تمہیں زیادہ چاہنے لگی ہوں! اس نے جوش میں آ کر میری بات کاٹی ''اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے' ڈیر آڈ کہ خود کو فریب دیں یا ایک دوسرے کو'' میں بولے جا رہی تھی ''تم مجھے ایک بیوی کی حیثیت دینا چاہتے ہو جو مجھے قبول نہیں ہے۔ مجھے باہمی مفاہمت درکار ہے جس میں ہم آہنگی ہو اور جس میں نظریات اور مقاصد کے اتحاد سے سرفرازی ملتی ہے۔ ہم اس وقت تک کیوں گھسٹتے رہیں کہ ہماری محبت میں زہر اور تلخی پیدا ہو جائے اور بڑھ کر مہیب تو تکار میں ڈھل جائے۔ ہم اب بھی دوستوں کی طرح علیحدہ ہو سکتے ہیں چاہے کچھ ہو' میں تو دورے پر روانہ ہو جاؤں گی اس طرح انجام کم تکلیف دہ ہوگا۔

اس کا اضطراب میں کمرے میں ٹہلنا رک گیا۔ اس نے خاموشی سے میری طرف دیکھا جیسے میری نیت میں جاننا چاہتا ہو ''تم بالکل غلط ہو' تم سنگین حد تک غلطی پر ہو۔'' وہ گھبراہٹ میں چیخا' پھر وہ گھوما اور کمرے میں سے نکل گیا۔

میں نے اپنے دورے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ روانگی کا دن آ رہا تھا' آڈ نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے اجازت دوں کہ وہ مجھے الوداع کرنے چلے۔ میں نے روک دیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ عین وقت پر کہیں دل کے ہاتھوں مجبور نہ ہو جاؤں۔ اس دن آڈ دوپہر کے وقت گھر آ گیا تا کہ میرے ساتھ کھانا کھائے۔ ہم دونوں خود کو خوش و خرم ظاہر کرتے رہے۔ لیکن رخصت کے وقت اس کا چہرہ لمحہ بھر کے لیے تاریک ہو گیا۔ روانگی کے وقت وہ مجھ سے بغل گیر ہوا اور کہنے لگا ''ابھی سب کچھ نہیں ختم ہوا..... ایسا نہیں ہو سکتا! یہ تمہارا ہی گھر ہے' آج بھی اور ہمیشہ رہے گا!'' میرا دل غم و اندوہ سے اس قدر بھرا ہوا تھا کہ میں کچھ نہ کہہ سکی۔ جب آڈ نے اندر سے دروازہ بند کر لیا تو میں اپنی سسکیوں پر قابو نہ پا سکی۔ میرے اطراف کی ہر شئے میں میرے لیے ایک عجیب سے دلربائی آ گئی جو مجھ سے کئی زبانوں میں قصہ خوانی کرنے لگیں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ ذرا سے تامل کے معنی یہ ہوں گے کہ آڈ کو چھوڑ دینے کا میرا عزم کمزور پڑ جائے گا۔ اس لیے میں نے کانپتے دل کے ساتھ اس گھر سے باہر قدم رکھا جس پر میں فدا تھی اور جو میری آنکھ کا تارا بھی تھا۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۱۹

میرے دورے کا پہلا پڑاؤ برے ورماؤنٹ میں ہوا۔ جہاں سرگرم کارکنوں کا گروہ ان اطالویوں پر مشتمل تھا جن میں بیشتر پتھر کی کان میں ملازمت کرتے تھے جو شہر کی مخصوص صنعت تھی۔ میرے پاس بہت کم وقت تھا کہ اپنی زندگی کے یاد ماضی میں جھانک سکتی۔ یہاں بہت سے جلسے' مباحثے' نجی محفلیں اور تبادلہ خیالات ہونے تھے۔ میرے میزبان پلاوسنی نے بڑی فیاضی سے میری آؤ بھگت کی۔ یہ وہی کامریڈ تھا جس نے سمٹ کے مقام پر سوتی کپڑے کی صنعت میں ہونے والی ہڑتال میں میرے شانہ بشانہ کام کیا تھا۔ وہ رچی بسی ہوئی تہذیب کا آدمی تھا۔ وہ نہ صرف عالمی مزدوروں کی تحریک کے معاملات سے پوری طرح باخبر تھا بلکہ اطالوی فنون اور ادبیات کے نئے رجحانات سے بھی واقفیت رکھتا تھا۔ وہیں میں لوگی گلیانی سے بھی ملی جو نیو انگلینڈ کی ریاستوں میں اطالویوں کی سرگرمیوں کا فکری رہنما تھا۔

ورماؤنٹ پر شراب بندی کی رحمتیں برس رہی تھیں اور مجھے اس کے اثرات جاننے سے دلچسپی تھی۔ اپنے میزبان کے ہمراہ میں نے کئی نجی عمارتوں کا پھیرا لگایا۔ میری حیرانی کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ وہ تقریباً سب کے سب نجی مے خانے بن چکے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک جگہ پر کوئی درجن بھر افراد سے آمنا سامنا ہوا جو واضح طور پر شراب کے زیر اثر لگ رہے تھے۔ ان میں اکثریت کا تعلق شہر کے حکام میں سے تھا یہ بات میرے ساتھی نے بتائی۔ گھٹن والا باورچی خانہ جس میں بچے بھی وہسکی اور تمباکو کی کثیف مہک کو پھیپھڑوں میں اتار رہے تھے' مے خواری کا حجرہ بنا ہوا تھا۔ ایسے کئی مقامات تھے جو پولیس کی عاطفت میں پھل پھول رہے تھے۔ جنہیں ہونے والی آمدنی کا ایک حصہ باقائدگی سے ادا کیا جاتا تھا۔ ''کیا یہ شراب بندی کی بدترین صورت نہ تھی۔'' میرے کامریڈ نے سرسری سا تبصرہ کیا۔ اس کا سب سے قابل نفریں نتیجہ یہ نکلا کہ مہمان نوازی اور دوستی دنیا سے اُٹھ گئی۔ پہلے یہ ہوتا کہ آپ ملاقاتی کو ایک جام پیش کر دیتے تھے یا کوئی آپ کو پلاتا۔ لیکن اب زیادہ تر لوگ نجی مے خانے چلانے لگے ہیں۔ آپ کے دوست یہ توقع کرنے لگے ہیں کہ آپ ان کے لیے شراب خریدیں یا وہ آپ سے خرید لیں۔

شراب بندی کا ایک نقصان یہ ہوا کہ جسم فروشی میں اضافہ ہو گیا۔ ہم نے شہر کے مضافاتی علاقے میں کئی ایسے گھر پائے جن کا کاروبار خوب چمک رہا تھا۔ زیادہ تر ''مہمان'' پھیری لگانے والے تھے اور اکا دکا شنکار ہوتے۔ عوامی مے خانوں کی بندش سے قحبہ خانے ہی واحد جگہ رہ گئی تھی جہاں شہر آنے والے مردوں کو روزگار کی مکروہات سے نجات مل سکتی تھی۔

برّے میں میری دو ہفتے کی سرگرمیوں کے بعد پولیس کو خیال آیا کہ میرا آخری جلسہ روکے' سرکاری جواز یہ بتایا گیا کہ میں نے جنگ کے خلاف ایک تقریر کی تھی۔ صاحبان اقتدار کے بقول میں نے یہ کہا ''اس پر اللہ کی رحمتیں ہوں جس نے روغنی روٹی کو اڑا دیا'' ظاہر ہے یہ سب کچھ مضحکہ خیز بات تھی جو میرے کھاتے میں لکھ دی گئی۔ غیر سرکاری روایت زیادہ سخن ساز تھی۔ ''تم نے میئر اور کوتوال شہر کو مسٹر کوٹی کے باورچی خانے میں مدہوش دیکھ لیا تھا'' میرے اطالوی دوست نے جواز پیش کیا ''تم نے چکلے میں تاک جھانک کر کے انہیں رقم لیتے دیتے دیکھ لیا ہے۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے' وہ اب تمہیں ایک خطرہ سمجھتے ہیں اور شہر بدر کرنا چاہتے ہیں۔

مجھ پر بات اس وقت تک نہ کھلی جب تک میں شکاگو نہ پہنچ گئی کہ میری مساعی کا کیا نتیجہ برآمد ہوا۔ میرے سابق دورے کی طرح مجھے کئی مزدور تنظیموں کی طرف سے بولنے کے لیے مدعو کیا گیا جس میں قدامت پسند بڑھیوں کی انجمن بھی شامل تھی۔ جنہوں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

نے اس سے پہلے کسی انارکسٹ کو اپنے آستانے کی ڈیوڑھی پر قدم رکھنے کی اجازت نہ دی تھی۔امریکی انارکسٹوں نے میری کئی تقاریر کا بندوبست کیا۔یہ نہایت جانفشانی کا کام تھا اور غالباً میں یہ تمام امور احسن طریقے سے انجام نہ دے پاتی اگر مجھے میکس باگنسکی کی شگفتہ رفاقت نہ حاصل ہوتی۔

گزشتہ بار کی طرح اس مرتبہ بھی میرا ٹھکانہ ایپلز کے ہاں تھا۔لیکن میں نے اور میکس نے مل کر لنکن پارک کے نزدیک ایک چھوٹی سی جگہ کرائے پر لے لی جسے 'زاوبرکلاس' (بڑی حویلی) کہا جاتا ہے۔جہاں ہم لوگوں کی نظریں بچا کر چند گھنٹوں کے لیے آرام کر لیتے۔یہیں ہم جھابی بھر کے مزے مزے کی چیزوں پر موج اڑاتے جس میں پھل اور شراب ہوتی جو شاہ خرچ اور شیر دل میکس لایا کرتا۔اس کے بعد ہم رومیو جیولٹ آف دیم لدندے (لدندے جیسی رومیو جیولٹ کی کہانی) پڑھتے یہ گوٹفرائیڈ کیلر کی ایک خوبصورت کہانی ہے اور اپنے مرغوب ادیبوں کی تحریریں پڑھتے رہتے جن میں سٹرنڈبرگ' ویڈکائنڈ' گبریل ریوٹر' نٹ ہامسن اور ان سب سے بڑھ کر نیطشے شامل تھا۔میکس نہ صرف اسے جانتا تھا بلکہ اس سے گہری واقفیت رکھتا تھا اور بہت پسند کرتا تھا۔یہ صرف اس کی قابل ذکر تشریحات سے ممکن ہوا کہ میں اس عظیم فلسفی شاعر کے پورے محاسن سمجھ سکی۔کتابیں پڑھنے کے بعد پارکوں میں طویل مٹرگشت ہوتا جس کے دوران میں جرمن تحریک کے قابل ذکر لوگوں کے متعلق اور فن وادب پر گفتگو ہوتی۔شکاگو میں پورا مہینہ دلچسپ کاموں' نئے دوستوں کی نفیس رفاقتوں کے علاوہ رنگ ورامش کے اوقات میں میکس کے ساتھ بے کراں مسرت اور ہم آہنگی ہوتی۔

پیرس کی نمائش کی منصوبہ بندی جاری تھی جو ۱۹۰۰ء میں ہونا تھی جس سے ہمارے کامریڈوں کو تحریک ہوئی کہ تقریباً اسی زمانے میں ایک انارکسٹ کانگریس منعقد کی جائے۔ان دنوں میں کرایوں میں تخفیف کر دی جائے گی یوں ہمارے بہت سے دوست مختلف ممالک سے بہ آسانی آ جائیں گے۔مجھے ایک دعوت نامہ مل چکا تھا۔میں نے اس کے متعلق میکس سے بات کی اور اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔یعنی اس کے ہمراہ یورپ کا ایک چکر۔اس کے تصور ہی سے ہم پر وجد طاری ہو گیا۔میرا دورہ اگست تک چلے گا اس کے بعد ہم نئے منصوبے پر کار روائی شروع کریں گے۔ممکن ہے ہم پہلے انگلستان جائیں۔مجھے یقین تھا کہ کامریڈ یہ چاہیں گے کہ میں وہاں تقاریر کروں۔پھر وہاں سے پیرس ''سوچو تو عزیز من.....پیرس!'' ''بہت خوب' پرشکوہ!'' وہ مارے خوشی کے چیخا ''لیکن کرایہ.....کیا تم نے اس کے متعلق غور کر لیا ہے'' ''میری شیخ چلی ایما؟'' ''اس کی فکر نہ کرو۔ کسی گرجا یا کنیسا میں ڈاکہ ڈال لوں گی.....کسی نہ کسی طرح میں یہ رقم حاصل کر لوں گی! ہمیں ہر صورت میں جانا ہے ہمیں ہر حال میں چاند تلاش کرنا ہے!'' ''دو بچے جنگل میں بھٹکیں گے'' میکس نے تبصرہ کیا ''دو تخیل پسند سیانے اس دیوانی دنیا میں کہاں سے ٹپک پڑے!''

ڈین ور جاتے ہوئے میں نے کیپلنگر ملز کا ایک بغلی پھیرا لگا لیا جو جنوب مغربی مسوری کا ایک زرعی قصبہ ہے۔امریکہ میں زرعی بود و باش سے میرا واحد رابطہ کئی برس ہوئے اس زمانے میں ہوا تھا جب میں میسا چوسٹس کے کسانوں کو اس بات پر آمادہ کر رہی تھی کہ وہ اپنے قابل احترام پرکھوں کی تصویروں کو بڑا کروالیں۔میں نے انہیں اتنا غمی اور قدیم سماجی روایات میں غرق پایا کہ میں نے یہ بھی زحمت نہ کی کہ انہیں بتاتی کہ میں کن نظریات کی داعی ہوں۔مجھے یقین تھا کہ وہ قیاس کریں گے کہ مجھ میں کوئی بدروح حلول کر گئی ہے۔اس سے مجھے از حد حیرانی ہوئی جب مجھے کیپلنگر ملز والوں نے مدعو کیا کہ میں وہاں ایک تقریر کروں۔جس کامریڈ نے مجھے لکھا تھا اس نے کیٹ آسٹن سے میری ملاقات کا بھی انتظام کیا تھا۔جس کے مضامین میں فری سوسائٹی اور دیگر ریڈیکل مطبوعات میں پڑھ چکی تھی۔اس کی تحریروں سے پتہ چلتا تھا جیسے وہ ایک منطقی مفکر تھی' اچھی طرح باخبر اور انقلابی خمیر کی بنی ہوئی۔جبکہ میرے نام اس کے خطوط میرے لیے محبت اور گہرے جذبات کی غمازی کرتے تھے۔

اسٹیشن پر مجھے سام آسٹن ملا جو کیٹ کا شوہر تھا۔اس نے چھوٹتے ہی کہا کہ کیپلنگر ملز ریلوے اسٹیشن سے بائیس میل پرے ہے۔''سڑک بہت خراب ہے'' اس نے بتایا ''مجھے مجبوراً گاڑی کی سیٹ پر کس کر باندھنا ہوگا کہ کہیں سڑک پر نہ گر پڑو۔'' مجھے جلد

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہی پتہ چل گیا کہ وہ مبالغہ آمیزی نہیں کر رہا تھا۔ ہم نے بہ مشکل آدھا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ ایک زوردار ہچکولا لگا اور پہیے چرچرائے۔ سام ایک گڑھے میں پڑا تھا۔ اور جب میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو لگا پورا جسم سوج چکا ہے۔ اس نے مجھے گاڑی میں سے کھینچ کر نکالا اور راستے سے ہٹ کر ایک جگہ بٹھا دیا۔ میں انتظار کرتی اور دکھتے جوڑوں کو سہلاتی رہی۔ سام کی ہمت افزائی کے لیے میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

جتنے عرصے وہ ٹوٹے ہوئے پہیے کی مرمت میں لگا رہا میرے خیالات جست لگا کر زمانہ ماضی کے پوپلان میں جا پہنچے جب ہم ایک بڑی برف گاڑی پر دور تک چلے جاتے جسے تین سیمابی گھوڑے کھینچا کرتے تھے۔ رات کے اسرار کی وجہ سے میرے خون نے جھرجھری لی' ستاروں بھرا آسمان سر پر تھا اور سفید چاندنی حد نظر تک پھیلی ہوئی تھی۔ خوشگوار گھنٹیوں کی موسیقی اور پیتر وشکا کا دیہی گانا میرے پہلو میں سنائی دیتا۔ بھیڑیوں کا خوف جن کی غراہٹ دور سے آتی سنائی دیتی' یہ سب مل کر بیابان کی سیر میں مہم جوئی کے ساتھ زور تخیل بھی شامل ہو جاتا۔ گھر واپسی پر گرما گرم آلو اور بطخ کی چربی میں تلی میٹھی ٹکیوں کی ہم ضیافت اڑاتے۔ بھاپ اٹھتی چائے اور ماں کے ہاتھ کا بنایا ہوا جام اور ملازموں کو وودکا ملتی۔ پیتر وشکا ہمیشہ اپنے گلاس سے مجھے تھوڑی سی چکھا دیتا ''تم پکی شرابی ہو'' وہ مجھے چھیڑتا۔ یہ میری اس دن سے شہرت ہوگئی تھی جب لوگوں نے مدہوشی کی حالت میں مجھے تہہ خانے کے اندر جو کی شراب کے ایک پیپے کے نیچے پڑا پایا تھا۔ ابا جان ہمیں شراب چکھنے تک کی اجازت نہ دیتے' لیکن ایک دن کیا ہوا..... جب میں کوئی تین برس کی ہوں گی..... میں لڑکھڑاتی ہوئی تہہ خانے میں جا پہنچی' ایک ٹونٹی سے منہ لگا لیا اور عجیب وغریب مزے کی چیز کو پینے لگی۔ میری آنکھ بستر پر کھلی جان لیوا عارضے میں مبتلا۔ اس میں شبہ نہیں کہ مجھے باپ سے بہت مار پڑتی اگر میری پیاری بوڑھی نرس نے مجھے ابا کی نظروں سے کہیں دور چھپا نہ دیا ہوتا۔

بالآخر ہم کالپنگر ملز میں آسٹن فارم پہنچ گئے ''انہیں بستر میں فوراً لٹاؤ اور گرما گرم مشروب پلاؤ'' سام نے ہدایت جاری کر دی ''کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے زندگی بھر اس خراب سڑک کے ذریعے لانے پر کوستی رہے۔'' گرم پانی سے غسل اور مالش کرانے کے بعد میں تازہ دم ہوگئی حالانکہ اب بھی جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔

آسٹن خاندان کے ساتھ ہفتہ بسر کرنے سے مجھے چھوٹی ملکیت والے امریکی کسان کی زندگی کے چند نئے گوشے دیکھنے کو ملے۔ اس سے یہ بات بھی میری سمجھ میں آئی کہ یہ ہماری غلطی تھی کہ ریاست ہائے متحدہ کے سب کسان بلغ ژواز تھے۔ کیٹ نے بتایا یہ اس حد تک سچ ہے جہاں تک بہت امیر مالکان اراضی کا تعلق ہے جو ہر فصل بڑے پیمانے پر اگاتے ہیں۔ مگر امریکی کسانوں کی بہت بڑی تعداد شہری کارکنوں سے بھی زیادہ پر بس بندہ ہے۔ وہ بینک والوں اور ریلوے والوں کے رحم وکرم پر رہتا ہے۔ قدرتی آفات کا تو ذکر ہی کیا جیسے طوفان اور سوکھا۔ اول الذکر سے لڑنے اور جونکوں کو پروان چڑھنے سے روکنے میں جو اس کو کھوکھلا بناتی ہیں کسانوں کو ہر قسم کے موسم میں اتنی دیر تک چاکری کرنا پڑتی ہے جو غلامی سے بدتر ہے اور اس کی بود و باش کنگالوں سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ یہ اس کی پر مشقت معمول کا نتیجہ ہے کہ وہ ٹھوس اور کنجوس بن جاتا ہے۔ یہ کیٹ کی قیاس آرائی تھی۔ وہ کسان کی بیوی کے وجود پر خصوصاً نوحہ خواں تھی۔ ان عورتوں کی زندگی میں محض نگہداشت' چاکری اور تواتر سے بچے جننے کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔

کیٹ اپنی شادی کے بعد پہلی مرتبہ کیلپنگر آئی تھی۔ اس سے پہلے وہ چھوٹے قصبوں اور دیہات میں رہی تھی۔ اس کی ماں کی موت کے بعد اس کے آٹھ بہن بھائی اس کے سپرد کر دیئے گئے تھے اس وقت خود اس کا سن صرف گیارہ برس کا تھا۔ اس کے پاس مطالعہ کرنے کے لیے کوئی وقت ہی نہ تھا۔ ایک قصباتی اسکول میں دو سال کی تعلیم یہی اس کے باپ اس کے لیے متحمل ہو سکے۔ میں تو سوچتی رہ گئی کہ اس نے اتنی لیاقت حاصل کرنے کے لیے کیا جتن کیے ہوں گے جو اس کے مقالات سے ظاہر ہوتا تھا۔ ''پڑھ کر'' اس نے مجھے بتایا۔ اس کا باپ باقاعدہ مطالعہ کرتا تھا۔ ابتداء میں انگرسول کی تحریریں بعد میں لوسیفر اور دیگر ریڈیکل جریدے پڑھ کر۔ شکاگو میں ۱۸۸۷ء کے واقعات نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا جیسا کہ میرے ساتھ ہوا تھا اور انمٹ اثر۔ اس دن سے وہ سماجی جدوجہد پر گہری نظر رکھے ہوئے تھی اور ہر اس تحریر کو پڑھتی رہی جو اسے مل جاتی۔ اس کے مطالعے کے موضوعات میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

بڑا تنوع تھا۔ اس بات کا اندازہ مجھے کاشانہ آسٹن میں ملنے والی کتابوں کے ذخیرے سے ہوا جو بہت متنوع تھا۔ وہاں فلسفے، سماجیات اور اقتصادی مسائل کے علاوہ جنسیات کے ساتھ ساتھ عمدہ شاعری اور داستانی ادب پر بھی کتابیں تھیں۔ یہی اس کا مدرسہ تھا۔ وہ نہایت باخبر ہونے کے علاوہ ایک بیش بہا جوش وخروش والے جذبے کی حامل عورت تھی جس کا بہ مشکل عوامی زندگی سے واسطہ پڑا تھا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہاری فہم وفراست اور صلاحیتوں کی عورت ایسی بے کیف اور تنگنائی میں رہ رہی ہو۔'' میں نے استفسار کیا۔

''بات صحیح ہے، مگر سام بھی تو ہے'' اس کا جواب تھا ''جو مجھے ہر بات میں شریک رکھتا ہے اور جسے میں چاہتی بھی ہوں اور بچوں سے محبت کرتی ہوں۔ میرے کئی پڑوسی بھی ہیں جنہیں میری ضرورت ہے۔ کوئی چاہے تو یہاں بھی بہت کچھ کرسکتا ہے۔

میرے تین جلسوں میں شرکت کرنے والوں کی تعداد سے کیٹ کے اثر ورسوخ کی تصدیق ہوگئی۔ کئی میل کے حلقے سے بہت سے کسان آئے جن میں پاپیادہ، گاڑیوں پر اور گھڑسوار بھی تھے۔ میں نے دو تقاریر تو دیہی اسکول کی چھوٹی سے عمارت میں کیں اور تیسری ایک باغ کے درختوں کے بیچ۔ یہ ایک بہت رنگارنگ اجتماع تھا جہاں میرے سامعین کے چہرے ان کی لالٹینوں کی روشنی میں دمک رہے تھے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ جو سوالات ان میں سے چند نے پوچھے ان کا مرکز خیال یہ تھا کہ انارکزم میں قابل کاشت اراضی پر کس کا حق ہوگا۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ان میں سے کچھ ضرور ایسے تھے جو محض تجسس کے اثر میں نہ آئے تھے اور کیٹ نے ان میں یہ احساس جگا دیا تھا کہ ان کے مسائل بھی سماج کے گمبھیر مسائل کا حصہ ہیں۔

آسٹن کنبہ کے تمام افراد میرے پورے قیام کے دوران میں میری خاطر مدارات میں لگے رہے۔ سام مجھے گھوڑے پر سوار کرکے کھیتوں کی سیر کرانے لے گیا۔ اس نے مجھے ایک عمر رسیدہ سدھی ہوئی گھوڑی سواری کے لیے دی۔ بچوں نے تقریباً میری ہر فرمائش بات منہ سے نکلنے سے پہلے ہی پوری کردی۔ اور کیٹ تو بالکل واری جارہی تھی۔ ہمیں کئی مرتبہ اکیلے بیٹھنے کا موقع ملا جس میں اسے اپنے متعلق اور اپنے اطراف وجوانب کے متعلق بتانے کا موقع ملا۔ اس کے چند ایک پڑوسیوں کو اس پر سب سے زیادہ بڑا اعتراض یہ تھا کہ وہ اس کے جنس کے سوال پر تھا ''تم اس وقت کیا کروگی اگر تمہارا شوہر کسی اور عورت کی محبت میں گرفتار ہوجائے؟'' یہ سوال ایک کسان کی بیوی نے ایک مرتبہ پوچھا تھا ''کیا تم اسے نہ چھوڑ دوگی؟'' ''بالکل نہیں اگر وہ پھر بھی مجھے چاہتا ہے'' کیٹ نے تڑ سے جواب دیا۔ ''اور کیا تم اس عورت سے نفرت نہ کروگی؟'' ''بالکل نہیں اگر وہ ایک عمدہ انسان ہوگی اور سام سے واقعی محبت کرتی ہوگی۔'' اس کی ہمسائی کہنے لگی اگر وہ کیٹ سے اچھی طرح واقف نہ ہوتی تو وہ اسے اخلاق یافتہ یا سنکی سمجھتی۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے ''پھر بھی اسے یقین نہیں آتا کہ کیٹ اپنے شوہر پر جان چھڑکتی رہے گی یا اس پر آمادہ ہوجائے گی کہ اس کا شوہر کسی اور کو اپنی محبت میں شریک کرے۔'' اس کا لطیفہ یہ ہے'' کیٹ نے بات بڑھاتے ہوئے بتایا کہ موصوفہ پڑوسن کے شوہر کی وجہ شہرت یہ ہے کہ وہ ہر لہنگے کے پیچھے سائے کی طرح لگا رہتا ہے اور وہ اس بات سے بے خبر ہے۔ تمہارے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ان کسانوں کی جنسی سرگرمیوں کی نوعیت کیا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ان کی بے کیف زندگیوں کا نتیجہ ہے۔ اس نے بہ عجلت یہ بھی کہا ''نہ کوئی بغلی دروازہ ہے، نہ توجہ ہٹانے کا کوئی وسیلہ اور نہ ہی ان کی زندگی میں کوئی رنگ وبو ہے۔ اس کے مقابلے میں شہر میں معاملہ برعکس ہے جہاں انتہائی غریب کارکن بھی کسی تماشے یا تقریر سننے کے لیے جاسکتا ہے یا لوگوں کی انجمن میں کوئی دلچسپی کی بات ہوجاتی ہے۔ جبکہ کسان کے نصیب میں موسم گرما کے دوران طویل جفاکشی اور محنت ہوتی ہے اور سردی کے دنوں میں بے کاری کے خالی دن۔ لے دے کر ان کے پاس جنس بچتی ہے۔ یہ غریب جنس کی لطیف نزاکتوں کو کیسے سمجھ سکتے ہیں یا محبت کو جسے نہ خریدا جاسکتا ہے نہ ہی بیچا۔ اس جنگ کے آگے ایک کوہ گراں واقع ہے مگر ہمیں زور آزمائی جاری رکھنا ہوگی۔'' میری عزیزہ کامریڈ نے اس طرح بات کو ختم کیا۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ مجھے وہاں سے بلا تاخیر روانہ ہونا تھا تاکہ مغربی ساحل میں میری طے شدہ مشغولیات کا حرج نہ ہونے پائے۔ سام نے یہ پیش کش کی کہ وہ مجھے کسی دوسرے راستے سے جو مختصر تھا اسٹیشن تک پہنچا آئے گا جو صرف ''چودہ میل تھا'' کیٹ اور اس کے کنبے کے سب افراد ہمارے ہمراہ تھے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

باب ۲۰

کیلی فورنیا میں جب میری سرگرمیاں اپنے نقطۂ عروج پر تھیں تو ایک خط موصول ہوا جس نے میرے اندر شیریں محبت کے نازک شیشے کو چکنا چور کر دیا۔ میکس نے مجھے لکھا تھا کہ وہ اپنے کامریڈ 'پک' کے ہمراہ کسی اور ملک جا رہا تھا جس کے لیے رقم کا بندوبست کسی دوست نے کیا تھا۔ میں اپنی پرامیدی کی حماقت پر کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ اڈے اپنی محبت کی ناکامی کے بعد میں کسی اور کے ساتھ ہم آہنگی اور محبت کی پینگیں بڑھانے کے خواب کیسے دیکھنے لگتی؟ محبت اور مسرت..... کھوکھلے اور بے معنی لفظ' لاحاصل' جن تک سراب کی طرح رسائی ممکن نہیں ہے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری زندگی لٹ چکی ہے اور ایک حسین رشتہ قائم رکھنے کی آرزو شکست کھا چکی ہے۔ جینے کے لیے میرے پاس اب بھی نصب العین موجود تھا جس سے میں خود کو تسلی دیتی رہتی اور ایسا کام بھی تھا جس کی تکمیل میری آخری منزل تھی۔ زندگی سے آخر میں اور کیوں توقع کروں؟ مگر کہاں سے قوت اور ولولہ ملے گا جس سے جدوجہد کو جاری رکھا جا سکے؟ مرد تو صدیوں سے دنیا کا کام محبت کی مخفی طاقت کے بغیر چلاتے آ رہے ہیں' عورتیں بھی ایسا ہی کیوں نہ کریں؟ یا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ عورت کو مردوں سے بڑھ کر محبت درکار ہوتی ہے؟ ایک احمقانہ تخیل آمیز خیال کہیں اس لیے تو نہیں وضع کیا گیا ہے تاکہ وہ ہمیشہ مرد پر انحصار کرے۔ ٹھیک ہے' لیکن میں ایسا نہ کروں گی: میں محبت کے بغیر جیوں گی اور کام کروں گی۔ کائنات اور زندگی میں دوام نام کی کوئی شے نہیں پائی جاتی میں حاضر لمحے کو نچوڑ کر ساغر کو فرش پر پٹخ دوں گی۔ یہی واحد نسخہ ہے جو جڑ پکڑنے میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ تاکہ اکھڑنے کی صورت میں دردناک تکلیف نہ ہو۔ سان فرانسسکو میں میرے نوجوان دوست مجھے بلا رہے تھے۔ میکس کے ساتھ زندگی کے خواب آڑے آ رہے تھے۔ اب میں لبیک کہہ سکتی تھی۔ میں ان کو جواب دوں تاکہ سب کچھ فراموش کر سکوں۔

پورٹ لینڈ اور سیاٹل کے قیام کے بعد میں ٹکومہ ہوتی ہوئی واشنگٹن چلی گئی۔ وہاں پر جلسے کے لیے تمام تیاریاں مکمل کی جا چکی تھیں۔ لیکن میں جب وہاں پہنچی تو معلوم ہوا کہ ہال کا مالک معاہدے سے منحرف ہو چکا ہے اور کسی اور جگہ کا ملنا ممکن نہ تھا۔ آخری لمحات میں جب سب امیدیں ختم ہو چکی تھیں تو عالمین ارواح ہمیں بچانے آ گئے۔ میں نے ان کے سامنے یکے بعد دیگرے کئی تقاریر کیں۔ لیکن جب آزاد جنسی تعلقات کا ذکر آیا تو وہ بھی جھجک گئے۔ یوں لگتا ہے کہ عالم بالا کو کوچ کر جانے والی روحیں اپنی فانی زندگی کے دوران میں بنائے ہوئے اخلاقی ضابطوں پر عملدرآمد کرانے پر مصر تھیں۔

ایلے نائے میں واقع سپرنگ ویلی کان کنی کا علاقہ ہے جہاں انارکسٹوں کا ایک طاقتور حلقہ تھا ان میں زیادہ تر بلجیئم اور اطالوی لوگ تھے۔ انہوں نے مجھے تقاریر کے ایک سلسلے کے لیے مدعو کیا تھا جس کے آخر میں یوم مئی پر ایک مظاہرہ ہونا تھا۔ ان کی مساعی کو زبردست کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ اگرچہ اس دن غضب کی گرمی تھی مگر کانکن اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ آئے اور زرق برق لباس پہنے ہوئے تھے۔ جلسے کا اگوا میں تھی اور سرخ پرچم اٹھائے تھی۔ تقاریر کے لیے جو باغ کرائے پر لیا گیا تھا اس کے چبوترے پر کوئی شامیانہ نہیں لگایا گیا تھا۔ میں نے چلچلاتی دھوپ میں اپنی تقریر مکمل کی جبکہ طویل جلوس کے دوران میں وہ مجھے پہلے ہی نیم جان کر چکی تھی۔ سہ پہر میں جب ہم لوگ وہاں پکنک منا رہے تھے تو ہمارے کامریڈ انیس بچوں کو میرے پاس لائے تاکہ میں ان کا ''حقیقی انارکسٹ ڈھب'' سے یا ان کے بقول بپتسمہ یا استباغ دے دوں۔ چونکہ وہاں پر کوئی چبوترہ نہیں تھا اس لیے میں بیر کے ایک پیپے پر کھڑی ہو گئی اور سامعین سے مخاطب ہوئی۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ جنہیں واقعی استباغ کی ضرورت تھی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

وہ ان کے والدین تھے یعنی نئے نظریات کا بپتسمہ کہ بچوں کے کیا حقوق ہوتے ہیں۔
مقامی اخبارات نے اگلے دن دو قسم کی روداد یں شائع کیں۔ ایک یہ تھی کہ ''ایما گولڈ مان شہسوار جنگجو کی طرح میخواری کرتی رہی۔'' دوسری روایت یہ تھی کہ ''اس نے انارکسٹ بچوں کا استباغ ایک بیر کے پیپے پر کیا۔''
ڈیٹرایٹ کے میرے سابقہ دورے میں، میں میکس کے ہمراہ رابرٹ اہٹرل کے ایک گہرے حامی دوست سے ملی تھی۔ اس کا نام ہرمین ملر تھا اور وہ آرمر تاوفل پر فدا تھا بنام کارل سٹون۔ ملر کلیولینڈ بریونگ کمپنی کا صدر تھا اور معقول وسائل کا آدمی تھا۔ وہ اس منصب پر کیسے پہنچ گیا اس پر اس کے تمام واقف ششو پنج میں تھے۔ وہ خوابوں اور دور بین فراست کا شخص تھا جو آزادی اور حسن کا بھی متوالا تھا اور مزاج میں بے حد فیاضی تھی۔ کئی برس سے وہ آرمر تاوفل کا کفیل تھا۔ اس کی ذات کی سب سے خوبصورت جہت دادو دہش تھی۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی ویٹر کو بخشش بھی دیتا تو نہایت عاجزی سے اور قریب قریب معذرت خواہانہ انداز میں۔ جہاں تک دوستوں کا تعلق تھا تو ان پر وہ تحائف برساتا اور انداز ایسا ہوتا جیسے وہ اس پر احسانوں کی بارش کررہے ہوں۔ میرے لیے تو اس نے فیاضی اور مروت کی انتہا کردی۔ میں نے جو دن اس کے اور سٹون کے ساتھ ریوڈی بشز ایما کلاسن اور دوسرے دوستوں کی معیت میں گزارے وہ بہترین رفاقت اور کامریڈی کے ایام تھے۔
ملر اور سٹون دونوں نے میری جدوجہد کے کام میں اور مستقبل کے منصوبوں میں گہری دلچسپی ظاہر کی۔ آخرالذکر کے متعلق سوالات پوچھتے رہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ اپنے نصب العین کو چھوڑ کر میرے کوئی عزائم نہیں ہیں۔ کیا تمہیں مادی تحفظ کی کوئی تمنا نہیں ہے جس کے لیے تم کوئی منفعت بخش پیشہ اختیار کرلو۔ مثلاً ہرمین نے تجویز پیش کی۔ میری دیرینہ آرزو طب کی تعلیم حاصل کرنے کی تھی مگر میرے پاس کبھی اس کے وسائل نہ ہوئے۔ ہرمین نے خلاف توقع اس وقت میرے پاؤں کے نیچے کی زمین سرکادی جب اس نے میری تعلیم کے اخراجات کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کی پیشکش کردی۔ سٹون بھی ان اخراجات میں ہاتھ بٹانا چاہتا تھا۔ لیکن دونوں دوستوں کو یہ بات ناقابل عمل لگی کہ ساری رقم مجھے یکمشت دے دی جائے۔ ''مجھے علم ہے کہ یہ تمہاری سرشت میں ہے کہ ضرورت مندوں کی مدد پر کمربستہ رہتی ہو اس لیے تم انہیں رقم دیئے بغیر نہ رہوگی۔'' ہرمین بولا۔ انہوں نے اس بات کی ضمانت لے لی کہ میری کفالت کے لیے پانچ سال تک چالیس ڈالر ماہانہ بھیجتے رہیں گے۔ اسی دن ہرمین جولیا ریوڈش کے ہمراہ ڈیٹرایٹ کے نفیس ترین اسٹور میں لے گیا تاکہ ''ایما کے سفر کے لیے جہاز کے بادبان تیار کرلیے جائیں۔'' ایک خوبصورت نیلے رنگ کا ساختہ اسکاٹ لینڈ کپڑا دیگر لاتعداد چیزوں کے علاوہ تھا جن کی مجھے حسرت تھی اور جنہیں میں بازار کے اس پھیرے میں لینا چاہتی تھی۔ کارل سٹون نے مجھے ایک سونے کی گھڑی کا تحفہ دیا۔ جو کوڑی کی شکل کی تھی۔ میں سوچنے لگی کہ اس نے اس عجیب وغریب شکل کا انتخاب کیوں کیا۔ ''اس خوبی کے لیے جو قدرت کا عطیہ ہے اور جو تمہاری صنف میں نایاب ہے۔'' ''یعنی منہ بند رکھنا'' اس نے کہا ''یہ کسی مرد کی طرف سے بلاشبہ ایک حقیقی خراج تحسین ہے۔'' میں نے جواباً کہا جس پر سب ہنسنے لگے۔
اس سے پہلے کہ میں اپنے ڈیٹرایٹ کے دوستوں سے روانہ ہونے کی اجازت لیتی ہرمین نے شرما کر اور جھجکتے ہوئے میرے ہاتھ میں ایک لفافہ تھما دیا۔ ایک ''نامہ محبت'' اس نے کہا۔ ''جسے صرف ٹرین میں پڑھا جائے۔'' محبت نامے میں پانچ سو ڈالر ملفوف تھے اور ایک رقعہ رکھا تھا ''یہ آپ کے سفر کے کرائے کے لیے 'عزیز ایما' تاکہ تم تمام فکروں سے آزاد رہو تا آنکہ ہم لوگ پیرس میں پھر ملیں۔''
قانونی راستوں سے ساشا کے خلاف ہونے والی ناانصافی کی تلافی کی آخری امیدیں اس وقت دم توڑ گئیں جب معافی کے نئے بورڈ نے مرافعہ کی سماعت سے انکار کردیا۔ اب ساشا کے پاس لے دے کر آخری چارہ یہ رہ گیا تھا کہ وہ جان کی بازی لگا کر کارروائی کرے جس کے متعلق وہ عرصے سے غوروخوض کررہا تھا......فرار۔ اس کے دوستوں نے اپنی پوری سعی کرلی کہ وہ اس خیال کو دل سے نکال پھینکے جن دنوں میں کارل، ہنری، گورڈن اور ہیلی کیلی اس کی رہائی کی مہم چلا رہے تھے۔ جب رہائی کے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

امکانات دور دور نہ رہے تو میرے لیے اس کے علاوہ کچھ نہ رہا کہ میں ساشا کی فرمائش کے آگے سپر انداز ہو جاؤں۔ حالانکہ دل دہل رہا تھا۔

جب اس نے اطلاع دی کہ وہ اپنے منصوبے کو ضرور عملی جامہ پہنائے گا تو اس کے خطوط سے عیاں ہو رہا تھا کہ وہ نہایت خوشگوار تبدیلیوں میں سے گزر چکا ہے۔ وہ پھر سے ہشاش بشاش ہو چکا تھا جس میں امید اور توانائی سمانہیں رہی ہے۔ جلد ہی وہ اپنے ایک دوست کو ہماری طرف روانہ کرے گا۔ اس نے لکھا جو انتہائی قابل اعتماد شخص ہے وہ بھی ایک اسیر ساتھی ہے جس کا نام ''ٹونی'' ہے۔ یہ شخص چند ہفتوں میں رہا ہونے والا ہے۔ تب وہ منصوبے کی اہم تفصیلات پہنچا سکے گا۔ ''یہ ناکامی کا کبھی منہ نہ دیکھے گا اگر میری ہدایات پر پوری طرح عمل کیا گیا۔'' اس نے لکھا' اس نے وضاحت کی کہ دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایسے قابل اعتماد کامریڈ جن میں ہمت اور قوت برداشت ہو۔ اسے یقین تھا کہ ایسے لوگ میں تلاش کرلوں گی۔

جلد ہی ٹونی کو رہائی مل گئی۔ لیکن ساشا کے لیے بنیادی نوعیت کے کاموں نے اسے پٹس برگ ہی میں الجھائے رکھا اور ہم سے اس کی بالمشافہ ملاقات نہ ہو سکی۔ تاہم مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ ساشا کا منصوبہ یہ ہے کہ قید خانے کے باہر سے ایک سرنگ کھودی جائے جو جیل میں داخل ہو۔ ساشا نے ضروری نقشے اور پیمائشی حساب کتاب ٹونی کے حوالے کر دیئے تھے تاکہ ہم لوگ کام کا آغاز کر سکیں۔ اسکیم بہت شاندار تھی۔ نقشہ اس کانٹے کا تھا جس پر ہر شے داؤ پر لگائی جا سکتی تھی اور اگر ایک چال بھی غلط ہو جاتی تو اس کی زندگی بھی معرض خطر میں پڑ سکتی تھی۔ اس کے باوجود میں اس منصوبے پر اس لیے رضامند ہو گئی کیونکہ یہ گہری سوچ بچار کا نتیجہ تھا اور اس کی تفصیلات انتہائی احتیاط سے تیار کی گئی تھیں۔ اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لیے مجھے کس سے رابطہ کرنا چاہئے میں اس مسئلے پر بہت دن تک غور کرتی رہی۔ ہمارے پاس ایسے کامریڈوں کی کمی نہیں تھی جو ساشا کو رہا کرانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگانے کو تیار ہو جائیں۔ ان میں لیکن چند ہی ایسے تھے جو اس خطرناک اور دشوار کام کو سرانجام دینے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ بالآخر میں نے اپنے نوروتجین دوست ایرک بی۔ مارٹن کا چناؤ کیا جسے ہم پیار سے ''ابسن'' کہتے تھے۔ وہ اسم بامسمی بحری قذاق (وائی کنگز) تھا یعنی جسمانی اور فکری دونوں لحاظ سے۔ وہ فہم و فراست' دلاوری اور عزم و ہمت کا پیکر تھا۔

اسے یہ منصوبہ فوراً بھا گیا۔ بلا تامل اس نے یہ وعدہ کرلیا کہ وہ ہر کام کرے گا جس کی اس میں ضرورت پڑے گی۔ اور وہ اس منصوبے پر فوراً کام شروع کرنے کو تیار ہے میں نے وضاحت کی کہ اس معاملے میں ایک ناگزیر تاخیر ہو سکتی ہے۔ ہمیں ٹونی کا انتظار ہے۔ کوئی چیز ضرور مانع ہے جس کی وجہ سے اسے توقع کے خلاف تاخیر ہو رہی ہے۔ مجھے یورپ جانے میں اس لیے تامل تھا کیونکہ میں یہ اطمینان کر لینا چاہتی تھی کہ ساشا کے منصوبے پر عملدرآمد شروع ہو گیا ہے اور میں نے ایرک کے سامنے اعتراف بھی کرلیا کہ فی الحال میری روانگی مشکوک ہے۔ یہ بات مجھے دیوانہ بنا دے گی کہ ساشا کا انجام معلق ہے اور میں تین ہزار میل کے فاصلے پر جا بیٹھوں۔ میں بولی۔ اس معاملے میں میری بے چارگی کو ایرک سمجھ گیا مگر اس کے نزدیک جہاں تک مجوزہ سرنگ کا تعلق تھا میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ''بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہاری غیر موجودگی کہیں زیادہ سود مند ثابت ہو گی۔'' اس کی دلیل یہ تھی۔ ''بجائے تمہاری امریکہ میں موجودگی کے۔ اس سے تمام شکوک رفع کرنے میں مدد ملے گی کہ ساشا کے لیے کچھ کیا جا رہا ہے۔'' وہ میری اس بات پر ہم خیال تھا کہ ساشا کے فرار کے بعد اس کی حفاظت کے مراحل ہمالیائی اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ میری طرح اس بات سے بھی ڈرتا تھا کہ ساشا تادیر گرفتاری سے بچ کر نہیں رہ سکتا ہے۔

ہمیں جہاں تک ممکن ہوا سے بہ عجلت کینیڈا یا میکسیکو پہنچانا ہو گا پھر وہاں سے یورپ۔ اس کی یہ تجویز تھی۔ ''سرنگ بنانے میں کئی مہینے لگیں گے اور اس عرصے میں تم وہاں اس کے قیام کے لیے انتظامات کر سکتی ہو۔ وہاں پر اسے ایک سیاسی پناہ گزیں تسلیم کر لیا جائے گا اور یوں اسے جبراً امریکہ کے حوالے نہ کیا جا سکے گا۔''

مجھے معلوم تھا کہ ایرک متوازن ذہن کا آدمی تھا اور انتہائی قابل اعتبار بھی۔ پھر بھی ''ٹونی'' سے ملے بغیر اپنی روانگی مجھے ناپسند تھی۔ میں منصوبے کی تفصیلات سمجھنا چاہتی اور یہ بھی جاننا چاہتی تھی جو وہ ساشا کے متعلق جانتا تھا۔ ایرک نے میرے تمام

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اندیشے رفع کر دیئے اور وعدہ کیا کہ وہ پورے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور منصوبے پر کام کا آغاز کر دے گا جوں ہی ''ٹونی'' وارد ہوتا ہے۔ وہ قائل کر لینے والا فرد اور مستحکم شخصیت کا مالک تھا۔ اور مجھے بھی اس کی ہمت اور صلاحیت پر پورا اعتماد تھا کہ وہ ساشا کی ہدایات پر کما حقہ اور کامیابی سے عمل پیرا رہے گا۔ اس کے علاوہ وہ ایک شاندار رفیق تھا، شگفتہ مزاج اور عمدہ حس ظرافت کا حامل۔ بوقت رخصت اس نے نہایت شاداں و فرحاں انداز سے مجھے اطمینان دلایا کہ ساشا کے ہمراہ ہم سب، بہت جلد پیرس میں ملیں گے اور فرار کی کامیابی کا جشن منائیں گے۔

'ٹونی' پھر بھی نہ پہنچا اور اس کے نہ آنے سے مجھے وسوسوں نے گھیر لیا۔ خواہی نہ خواہی میں ان خطوط پر سوچنے لگی کہ کیا اسیروں کے وعدے قابل اعتبار ہوتے ہیں۔ مجھے وہ بڑی بڑی باتیں یاد آنے لگیں جن کا بلیک ویل جیل کی قید سے رہائی کے وقت بہت سی عورتوں نے وعدہ کیا تھا۔ وہ سب بہت جلد زندگی کے بھنور میں پڑ گئیں یا ذاتی دلچسپیوں نے انہیں دبوچ لیا یوں ان کی جیل کی نیتیں باہر نکلتے ہی بھاپ بن گئیں۔ ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے کہ کوئی رہا شدہ قیدی اپنے وعدوں پر آمادہ اور کاربند رہے جو اس نے اپنے مصیبت کے مارے ساتھیوں سے کیے ہوں جو اب بھی سلاخوں کے پیچھے بند ہوں۔ میں نے سوچا کہ اب میری سمندری جہاز سے روانگی میں کئی ہفتے باقی ہیں..... شائید ''ٹونی'' اس عرصے میں ٹپک پڑے۔

نیویارک سے روانگی کے بعد سے میں نے آڈ سے کوئی خط و کتابت نہیں کی تھی۔ مگر واپسی پر مجھے اس کا ایک خط ملا جس میں التجا کی گئی تھی کہ اپارٹمنٹ میں لوٹ آؤں اور یورپ کی روانگی تک وہیں قیام کروں۔ یہ خیال اس کے لیے ناقابل برداشت تھا کہ اپنا گھر ہوتے ہوئے میں اجنبیوں کے ساتھ مقیم ہوں۔ تمہارے یہاں نہ ٹھہرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس نے لکھا ''ہم اب بھی دوست ہیں اور فلیٹ اپنی تمام اشیاء کے ساتھ تمہارا ہی ہے۔'' ابتدا میں میں انکار پر مائل تھی۔ میں اپنے سابقہ رشتوں کی تجدید اور دیرینہ کشمکش سے گھبراتی تھی۔ اور جب خطوط کے ذریعے آڈ کا اصرار اتنا بڑھا کہ بالآخر مجھے اسی جگہ لوٹنا پڑا جو میری سالہا سال رہائش گاہ رہ چکی تھی۔ آڈ بہت دلکش لگ رہا تھا۔ معاملہ فہم اور کرید کر پوچھنے سے احتراز کر رہا تھا۔ ہمارے فلیٹ میں داخلے کے جدا راستے تھے اور ہم دونوں الگ راستوں سے آمد و رفت رکھتے۔ ان دنوں آڈ کی کمپنی میں کاروباری تیزی کا زمانہ تھا اور میرا زیادہ وقت ساشا کے منصوبے کے لیے رقم جمع کرنے اور اپنے غیر ملکی سفر کی تیاریوں میں صرف ہو رہا تھا۔ یوں کبھی کبھی شام کے اوقات میں یا سنیچر کی سہ پہر میں آڈ مجھے عشیائے یا تھیٹر لے جانے کے لیے مدعو کرتا اس کے بعد ہم جسٹس کے اڈے پر جاتے۔ اس نے ایک مرتبہ بھی ہماری سابقہ زندگی کا ذکر نہ چھیڑا۔ اس کے بجائے ہم یورپ کے دورے کے منصوبوں پر گفتگو کرتے اور لگتا وہ ان معاملات میں بہت دلچسپی رکھتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہونے سے بہت خوشی ہوئی کہ ہرمن ملر اور کارل سٹون میری طبی تعلیم کے اخراجات کی کفالت کریں گے۔ اس نے اس کا وعدہ بھی کیا کہ وہ مجھ سے یورپ میں ملنے آئے گا۔ کیونکہ وہ آئندہ سال غیر ممالک کا دورہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کی ماں عرصہ سے بیمار رہتی ہے۔ وہ ضعیف ہو چکی ہے اور وہ اس سے جلد ہی ملنے کو بے چین ہے۔

جسٹس کا اڈہ پورے نیویارک میں میل ملاقات کا سب سے دلچسپ مرکز تھا۔ لیکن اس کا سابقہ طمطراق اپنے مالک کی پرتشویش حالت کی وجہ سے پھیکا پڑ چکا تھا۔ اس کی مجھے اطلاع نہ تھی جب میں ملک گیر دورہ کر رہی تھی کہ وہ علیل ہے۔ واپسی پر میں اسے دبلا اور کمزور پا کر ڈر سی گئی۔ اس کے حالات کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ آرام کے لیے کہیں چلا جائے۔ بیگم شواب اور اس کا بیٹا اس کی غیر موجودگی میں کاروبار چلا سکتے تھے۔ لیکن جسٹس اس پر راضی نہ ہوا۔ وہ حسب معمول ہنسی مذاق کیے جاتا لیکن اس کی پرشکوہ آواز کی روایتی کھنکھناہٹ رخصت ہو چکی تھی۔ اس ''برگد کے دیو'' کو گرتے دیکھ کر کلیجہ پھٹتا تھا۔

ساشا کی مہم کے لیے رقم جمع کرنے کے لیے نیا بہانہ تلاش کرنا پڑا کہ ہمیں نئی قانونی مہم شروع کرنا ہے۔ گنتی کے چند کامریڈوں ہی کو بتایا جا سکا کہ رقم جمع کرنے کی کیوں ضرورت ہے۔ جو شخص سب سے زیادہ مدد کر سکتا تھا اس کا نام ایس۔ یا نوفسکی تھا جو فرای آر بیتر سٹیمی کا مدیر تھا۔ یہ ایک ایڈیش زبان کا انارکسٹ ہفتہ روزہ تھا۔ وہ حال ہی میں انگلستان سے آیا تھا جہاں وہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آربیتر فروایند کا مدیر تھا۔ وہ ہوشیار آدمی تھا اور چبھنے والی تحریروں کا قلمکار تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ موسٹؔ کی پرستش کرتا ہے اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہماری پہلی ملاقات میں اس کے معاندانہ رویے کا یہی سبب تھا۔ اس کے طنزیہ اطوار نے مجھ پر ناگوار اثرات چھوڑے اور اس سے رابطہ کرنا مجھے پسند بھی نہ تھا۔ لیکن یہ سب کچھ ساشؔا کے لیے کر رہی تھی اس لیے میں اس سے ملنے چلی گئی۔

میری حیرانی کی انتہا نہ رہی جب میں نے یانوفسکیؔ کو اس معاملے میں بہت دلچسپی لیتے اور مدد پر آمادہ پایا۔ اسے اس منصوبے کی کامیابی کے امکانات مشکوک نظر آئے۔ لیکن میں نے جب اسے یہ بتایا کہ ساشؔا کے لیے اس قبر میں مزید گیارہ سال رہنا دوبھر ہو چکا ہے تو یانوفسکیؔ نے وعدہ کیا کہ وہ درکار رقم کے حصول کے لیے مقدور بھر کوشش کرے گا۔ ایسنؔ اور کئی قابل اعتبار دوستوں کے ساتھ جو پٹس برگ میں تھے وہ اس کارروائی کی دیکھ بھال کریں گے۔ اور مالی معاملات میں یانوفسکیؔ دستگیری کرے گا یوں میری تشویش ایک حد تک رفع ہو گئی۔

ان دنوں ہیری کیلیؔ انگلستان میں تھا۔ میں اسے اپنی یورپ آمد کے متعلق لکھ چکی تھی اور اس نے فوراً مدعو کیا کہ میں اسی گھر میں آ کر قیام کروں جہاں وہ اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ مقیم تھا۔ لندن کے کامریڈ ہیریؔ نے لکھا کہ وہ لوگ گیارہ نومبر کے لیے ایک بڑا جلسہ مرتب کر رہے ہیں اور انہیں خوشی ہوگی اگر ان کے مقررین میں میرا نام بھی ہو۔ اسی کے ساتھ گلاسگو کے انارکسٹوں کا بھی ایک خط موصول ہوا جس میں ایک تقریر کرنے کا دعوت نامہ تھا۔ اس کے علاوہ مجھے اپنی کانگریس کے لیے بھی بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ مجھے کئی حلقوں کی جانب سے ان کا مندوب بننے کے لیے صداقت نامے مل چکے تھے۔ چند امریکی کامریڈوں نے جن میں لزیؔ اور ولیم ہومزؔ ایب اسحاکؔ اور سوسنؔ پیٹن تھے سب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آیا میں ان کے مقالے جو مختلف موضوعات پر تھے وہاں پڑھ دوں گی۔ میرے لیے بہت کام جمع ہو چکا تھا اب مجھے سفر شروع کر دینا چاہئے۔ لیکن میرے رنج و غم کو دیکھئے کہ ''ٹونی'' کی طرف سے ابھی تک کوئی سندیسہ نہ آیا تھا۔

ایک دن شام کے وقت میں جسٹس کے اڈے پر جا پہنچی جہاں پر میں نے اوؔ سے ملاقات کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ یہاں میں نے کیا دیکھا کہ وہ ایسے دیرینہ یاروں کے حلقے میں بیٹھا ہے جو لسانیات کے ماہر ہیں اور جو حسب معمول لفظ کی اشتقاقیات پر محو گفتگو ہیں۔ ایک پرانا ادبی دوست جس سے بہت دنوں سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی وہ بھی موجود تھا اور جب میں اوؔ کی منتظر تھی میں اس سے بات چیت کرنے لگی۔ مجھے دیر ہو رہی تھی اور اوؔ کا اٹھنے کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں گھر جا رہی ہوں اور روانہ ہو گئی۔ میرے ساتھ ایک مصنف بھی تھا جو ہمارے پڑوس میں کہیں رہتا تھا۔ میں نے اپنے دروازے پر اسے خدا حافظ کہا اور گھر میں داخل ہوتے ہی بستر میں گھس گئی۔

میں ایک خوفناک اور دہشت زدہ کر دینے والے خواب سے جاگ گئی جس میں گرج چمک ہو رہی تھی۔ لیکن گڑگڑاہٹ اور اشیا کی اٹھا پٹک پھر بھی جاری رہی اب میں سمجھی کہ یہ واقعی ہو رہا تھا اور ساتھ والے کمرے میں ہو رہا ہے جو اوؔ کا کمرہ ہے۔ ہو نہ ہو وہ مدہوش ہے۔ میں نے سوچا۔ اس کے باوجود میں نے اوؔ کو اتنے نشے میں کبھی نہ دیکھا تھا کہ وہ آپے سے باہر ہو جائے۔ اوؔ کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ رات گئے گھر آ کر توڑ پھوڑ میں لگ گیا؟ میرے جی میں آیا کہ پکاروں اور اس پر چیخنا شروع کر دوں لیکن نہ جانے کیوں میں چیزوں کے گرنے کی جھنجھناہٹ اور ٹوٹنے کی وجہ سے ایسا کرنے سے باز رہی۔ کچھ لمحوں کے بعد یہ سب کچھ فرو ہو گیا اور میں نے سنا جیسے اوؔ بستر پر دھم سے گرا اور اس کے بعد سناٹا طاری ہو گیا۔

میں جاگتی رہی، میری آنکھیں جل رہی تھیں اور دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ سورج نکلتے ہی میں نے جلدی میں کپڑے پہنے اور دروازے کو کھولا جو میرے اور اوؔ کے کمرے کو ملاتا تھا۔ منظر ہولناک تھا۔ فرش پر ٹوٹا ہوا فرنیچر اور چینی کے برتن پڑے تھے۔ میرا خاکہ جسے فیدیاؔ نے بنایا تھا جسے اوؔ اپنا دیرینہ خزانہ سمجھتا رہا، پھٹا ہوا پڑا تھا جسے روند ڈالا گیا تھا اور اس کا چوکھٹا مڑا تڑا ہوا تھا۔ میز اور کرسیاں الٹ کر ٹوٹی پڑی تھیں۔ اس ملبے کے ڈھیر میں اوؔ لیٹا ہوا تھا۔ نیم برہنہ اور گہری نیند میں غرق۔ غصے اور برہمی کی حالت

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میں میں اپنے کمرے کی طرف دوڑ کر پہنچی اور دروازہ زور سے بند کر لیا۔

اگلے دن میں ایک مرتبہ اور بحری سفر سے پہلے آڈ سے ملی۔ اس کے خستہ حال اور اترے ہوئے چہرے نے گویا میرے ہونٹوں پر مہر لگا دی۔ کسی وضاحت یا کچھ کہنے کو اب کیا بچا تھا؟ ہماری اشیا کا ملبہ ہماری برباد محبت کی نشانی تھا، اس زندگی کا جو رنگ و رامش اور امکانات سے لبریز رہ چکی تھی۔

ہمارے بہت سے دوست جہاز پر مجھے اور میری اسحاک کو رخصت کرنے آئے جو میری ہم سفر تھی لیکن ان میں آڈ نہ تھا جس کے لیے میں اس کی ممنون ہوں۔ اس کی موجودگی میں میرے لیے آنسو روکنا کہیں زیادہ دشوار ہوتا۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ جسٹس کو الوداع کہنا تھا جس کے متعلق ہم سب جانتے تھے کہ وہ تپ دق سے مرنے جا رہا ہے۔ وہ بہت بیمار لگ رہا تھا اور میں یہ سوچ کر بہت غمگین ہو گئی کہ شائید میں واپسی پر اسے زندہ نہ پاؤں۔ اپنے بھائی سے جدائی بھی بہت گراں تھی۔ تاہم میں اس بات پر خوش بھی تھی کہ میں اس کے لیے کچھ رقم چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ اور آئندہ بھی اس کو ضرورتوں کے لیے میں اپنے ماہانہ خرچ میں سے بچا کر بھیجوں گی جو میرے ڈیٹرائٹ والے دوست مجھے بھیجیں گے۔ میں تنگی ترشی سے گزارہ کر لوں گی جیسا میں نے ویانا میں کیا تھا۔ اس لڑکے کا میرے دل پر بہت اثر تھا۔ وہ اتنی نزاکت اور خاطر داری والا تھا کہ اس کی محبت میری زندگی کی نہایت انمول اثاثہ بن گئی۔ جب دیو ہیکل دخانی جہاز روانہ ہوا تو میں عرشے پر کھڑی رہ کر نیویارک شہر کے دھندلاتے ہیولے کو دیکھتی رہی۔

ہمارا بحر اوقیانوس کا پار کرنا ہموار رہا بس ایک بپھرے ہوئے طوفان کے علاوہ، ہم لوگ گیارہ نومبر کے جلسے کے لیے دو دن کی تاخیر سے لندن پہنچے تاہم بوئیر (ڈچ زبان میں کسان) جنگ اپنے شباب پر تھی۔ جس مکان میں ہیری کیلی اور اس کا کنبہ مقیم تھا وہاں صرف ایک کمرہ خالی تھا اور وہ بھی تہہ خانے میں۔ دھوپ والے دنوں میں بھی اس میں بہت معمولی سی روشنی ہوتی تھی اور کہر والے دنوں میں سارا دن گیس کی بتی جلانا پڑتی۔ انگیٹھی سے جسم کا سامنے یا پیچھے کا حصہ گرم ہوتا اور پورا جسم گرم نہ ہوتا۔ اور میں متواتر اپنا رخ بدلتی رہتی تا کہ کسی حد تک کمرے کی سردی اور انگیٹھی کی آگ سے پیدا ہونے والی فضا کے درمیان میں ایک توازن قائم رہے۔

چونکہ میں لندن میں ہمیشہ اس کے بہترین موسم میں رہی ہوں جو اواخر اگست سے ستمبر تک ہوتا ہے اس لیے میں سوچا کرتی تھی کہ لوگ جب لندن کے خوفناک کہر کے متعلق بتاتے ہیں تو فی الواقع مبالغہ آرائی کرتے ہیں اور سرما کی نمی اور ملگجے پن کا بھی اسی طرح ذکر کرتے ہیں۔ لیکن میں نے اس بار محسوس کیا کہ وہ بہ مشکل حقائق سے انصاف کر پاتے ہیں۔ دھند ایک عفریت کی طرح ہوتا ہے۔ دبے پاؤں وہ اوپر سوار ہو جاتا ہے اور اپنے شکار کو برفیلی آغوش میں دبوچ لیتا ہے۔ صبح میں، میں ایک بھاری احساس سے اٹھتی اور میرے ہونٹ جڑے ہوتے۔ روشنی کی ایک کرن حاصل کرنے کی بے سود کوشش میں، میں پردہ سرکاتی۔ جلد ہی باہر کی تاریکی کمرے میں داخل ہو جاتی۔ غریب میری اسحاک جو دھوپ والے شہر کیلی فورنیا کی رہنے والی تھی وہ لندن کے موسم کی وجہ سے افسردہ ہو گئی اور مجھ سے بھی بدتر۔ اس کا مہینہ بھر کے قیام کا ارادہ تھا لیکن ایک ہی ہفتے کے بعد وہ روانگی کے لیے بے چین ہو گئی۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com